صدی کے آئینہ میں
مطبوعات آزاد صدی

مولانا عبدالماجد دریابادی کے علمی، ادبی، لسانی اور نجی خطوط
کا مجموعہ

خطوطِ ماجدی

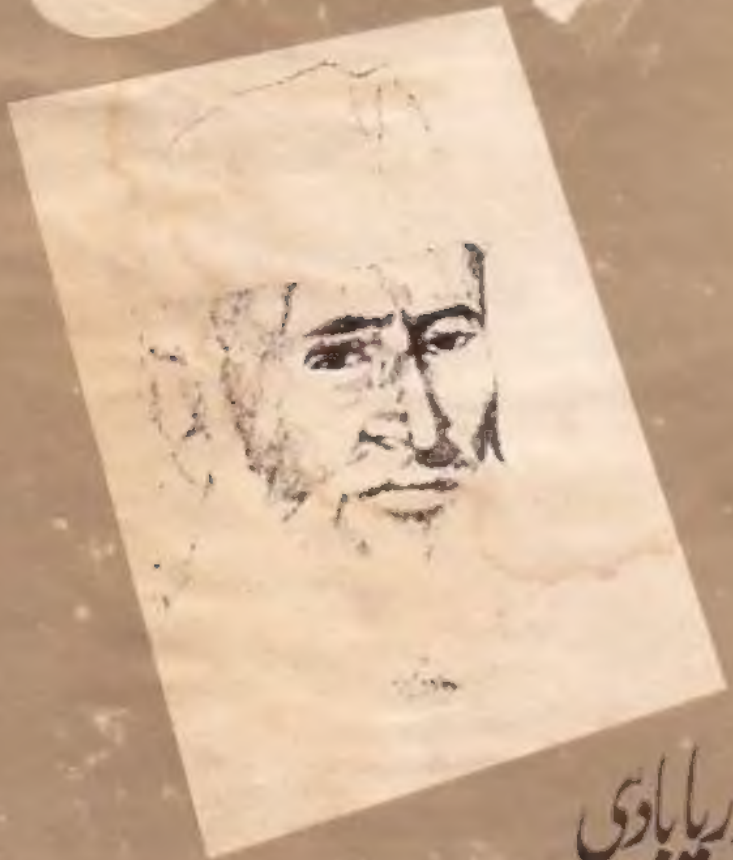

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا عبدالماجد دریابادی

خطوطِ ماجدی

مکاتیب

مولانا عبدالماجد دریابادی

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ

مجموعہ : خطوط ماجدی

مصنف : مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم

مرتب : ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

ناشر : ادارہ تصنیف وتحقیق پاکستان
علی گڑھ کالونی ۔ کراچی ۴۱

مطبع : الفرقان پریس ۔ پاکستان چوک ۔ کراچی

اشاعت اوّل : فروری ۱۹۸۶ء

تعداد اشاعت : پانچ سو

قیمت :

ملنے کے پتے

مکتبہ شاہد — علی گڑھ کالونی ۔ کراچی ۴۱

معیار ادب — ۱۲۶/۵ ۔ ۵ ۔ ڈی ۔ نیو کراچی

سنی پبلی کیشنز — الوہاب مارکیٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

پاک اکیڈمی، مسجد باب السلام بالمقابل آرام باغ کراچی

اور

مکتبہ رشیدیہ، قاری منزل پاکستان چوک کراچی

بہ تقریب

صد سالہ یوم پیدائش

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

وطن آبائی

دہلی مرحوم (پنڈت کا کوچہ)

سلام علی نجد، ومن حل بالنجد

وطن اداری: مدینہ طیبہ

خادم درگہ آں کہ من قبلہ نمای خوانمش — روسوئے ابروئش کند ہر چند می گردانمش

ولادت باسعادت

۱۱ ذوالحجہ ۱۳۰۵ھ مطابق اگست ۱۸۸۸ء

بمقام مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفا وکرامۃ، محلہ قدوۃ، متصل باب السلام

ہوا دیں کی روش سے سر بسر بیگانہ اے ساقی — عطا کر مجھ کو رندی کی وہ پیمانہ اے ساقی

وفات حسرت آیات

۲ شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء بروز ہفتہ

بہ مقام دہلی (دارالحکومت ہند)

آزاد نیشنل کمیٹی، پاکستان

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست

مقدمہ — ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

خطوط

مولانا غلام رسول مہر ۲۲
ایک مظلوم بیوہ اور اس کا بھائی ۲۶
خواجہ حسن نظامی ۳۷
مولانا اشرف علی تھانوی ۳۸
شوکت تھانوی ۴۰
ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی ۴۲
مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی ۴۶
ڈاکٹر مختار الدین احمد ۴۶
عبد العزیز کمال ۵۱
غلام یزدانی ۵۳
میکش بدایونی ۵۴
صادق الخیری ۵۵
مسعود حسن رضوی ادیب ۵۶
سید آل عباس ہروی آوارہ ۶۸
مولانا صبغت اللہ شہید انصاری ۶۸
وارث کامل ۷۱
عبد الرؤف عباسی ۷۱
محمد مقتدا خاں شروانی ۷۳
جعفر علی خاں اثر لکھنوی ۷۹
ڈاکٹر محمد حسن ۸۶
شاہد احمد دہلوی ۸۷
حکیم محمد زمان حسینی ۸۸
خواجہ محمد شفیع ۹۰
مفتی محمد رضا انصاری ۹۵
شیخ ممتاز حسین جونپوری ۹۸
خلیل الرحمن اعظمی ۹۸
حکیم بنیاد علی ۹۹
نادم سیتاپوری ۹۹
ڈاکٹر آفتاب احمد رودولوی ۱۱۴
سید علی عباس حسینی ۱۱۵
شیخ قدیر الزماں ۱۱۷
ڈاکٹر یوسف حسین خاں ۱۱۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

پروفیسر عبدالوہاب بخاری	۱۱۹
بابائے اردو مولوی عبدالحق	۱۲۰
احمد جمال پاشا	۱۲۲
صدر مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس	۱۲۲
مولانا جمال الدین عبدالوہاب فرنگی محلی (جمال میاں)	۱۲۳
بیگم چودھری الطاف حسین	۱۲۳
خفائی	۱۲۵
سید مصباح الدین	۱۲۵
حمید نظامی	۱۲۵
صدق جائسی	۱۲۷
ایڈیٹرز ہمنائے دکن	۱۲۹
غلام محمد	۱۳۰
مولانا شاہ وصی اللہ	۱۳۱
ظفر الحسن نشاط	۱۳۲
ڈاکٹر رام کرشن راؤ	۱۳۲
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۱۳۳
محمد احسن خاں	۱۳۵
حیات اللہ انصاری	۱۴۰
مولانا شاہ معین الدین ندوی	۱۴۵
ڈاکٹر خورشید احمد	۱۴۶
شان الحق حقی	۱۴۸
ضیاء علی خاں	۱۵۸
فراق گورکھپوری	۱۵۹
پروفیسر احتشام حسین	۱۵۹
علامہ نیاز فتح پوری	۱۶۰
وارث علی شاہ	۱۶۰
مرزا سعید الظفر چغتائی	۱۶۰
قادر جاوید	۱۶۱
ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی	۱۶۲
سید عبدالرحمٰن	۱۶۳
خلیق الرحمٰن قدوائی	۱۶۴
حبیب انصاری	۱۶۴
شیخ نصیر الدین قدوائی	۱۶۴
محمد ہاشم انصاری فرنگی محلی	۱۶۵
ڈاکٹر شوکت سبزواری	۱۶۵
رئیس احمد جعفری ندوی	۱۶۶
زوار حسین زیدی	۱۶۶
مولانا عبدالرؤف جھنڈے نگری	۱۶۷
مولانا امین احسن اصلاحی	۱۶۷
پنڈت آنند نرائن ملا	۱۶۹
ڈاکٹر سید معین الرحمٰن	۱۷۰
قاضی محمد اطہر مبارک پوری	۱۷۲
سید صباح الدین عبدالرحمٰن	۱۷۳
حبیب احمد صدیقی	۱۷۳
شاہ غلام حسین	۱۷۵
فرحت انوار	۱۷۶
نامعلوم	۱۷۶
عبدالصمد	۱۷۷
خواجہ غلام السیدین	۱۷۷
حکم چند نیر	۱۷۸

مرزا جمیل احمد ایڈووکیٹ	۱۷۸
شفاء الملک حکیم عبداللطیف	۱۸۰
وفا ملک پوری	۱۸۱
سید الطاف علی بریلوی	۱۸۳
مولانا شاہ صباح الحق مچھلی شہری	۱۸۳
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا	۱۸۳
ڈاکٹر اسرار احمد	۱۸۳
شفیق احمد	۱۸۵
شہباز حسین	۱۸۵
مدیر کشور و کرم	۱۸۶
مہذب لکھنوی	۱۸۶
محمد طفیل	۱۸۷
عبیداللہ	۱۸۸
سید نجیب الاسلام ندوی	۱۸۸
عشرت علی صدیقی	۱۸۹
حکیم عبدالحمید	۱۹۱
عبداللطیف اعظمی	۱۹۱
مولانا اسد القادری	۱۹۶
پروفیسر عبدالقوی دسنوی	۱۹۶
مالک رام	۱۹۷
عثمان احمد	۱۹۸
ضیاء احمد بدایونی	۱۹۹
میکش اکبر آبادی	۲۰۱
حاجی مصطفیٰ خاں	۲۰۲
قاری محمد طیب قاسمی دیوبندی	۲۰۳
طاہر محسن کاکوروی	۲۰۵
شورش کاشمیری	۲۰۸
پروفیسر عطاء اللہ	۲۲۱
نیالی	۲۲۱
پروفیسر کلیم سرور	۲۲۲
جوش ملیح آبادی	۲۲۵
شمس تبریز خاں	۲۳۰
ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری	۲۳۲
پروفیسر محمد اشرف خاں	۲۴۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیغامات

مولانا ابوالکلام آزاد	۲۴۵	ڈاکٹر محی الدین زور	۲۵۷
حکیم محمد اجمل خاں	۲۴۶	سید سلیمان ندوی	۲۵۸
پروفیسر احتشام حسین	۲۴۶	علامہ شبلی نعمانی	۲۵۹
مولانا احسن مارہروی	۲۴۷	قاضی عبدالغفار	۲۶۰
افق لکھنوی	۲۴۸	علی عباس حسینی	۲۶۰
اکبر الہ آبادی	۲۴۹	اسداللہ خاں غالب	۲۶۱
احمد حیدر آبادی	۲۵۰	تلوک چند محروم	۲۶۱
بابائے اردو مولوی عبدالحق	۲۵۱	محسن کاکوروی	۲۶۲
جگر مرادآبادی	۲۵۳	منور لکھنوی	۲۶۳
مولانا حسرت موہانی	۲۵۴	میر تقی میر	۲۶۳
خواجہ حسن نظامی	۲۵۵	نیاز فتح پوری	۲۶۴
حفیظ جالندھری	۲۵۶	وزیر لکھنوی	۲۶۴
رفیع احمد قدوائی	۲۵۷		

عذر: اس مجموعے میں ہر مکتوب الیہ کے پہلے خط کی تاریخ تحریر کو بنیاد بنا کر ترتیب قائم کی گئی تھی۔ لیکن کاپی جوڑتے ہوئے بعض سیٹ آگے پیچھے ہو جانے کی وجہ سے پیش نظر ترتیب قائم نہ رہ سکی۔ (شاہد احمد نوری)

مقدمہ

(۱)

۱۸۹۲ء میں دریاباد ضلع بارہ بنکی (اودھ) کے شیخ زادوں کے خاندان اور عبدالقادر ڈپٹی کلکٹر کے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا تو کون کہہ سکتا تھا کہ یہ بچہ جب اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر اس دنیا سے رخصت ہوگا تو اپنے وقت کا نامور ادیب، صاحب طرز انشاپرداز اور بے باک صحافی ہوگا۔ اس وقت جب کہ مولانا ستاپور میں زیر تعلیم تھے اور میٹرک کے امتحان میں بھی ابھی کئی سال باقی تھے ڈراموں میں حصہ لیتے تھے اس وقت جن لوگوں نے انھیں دیکھا تھا، انھیں کیوں کر خیال آسکتا تھا کہ یہ لڑکا ایک دن قومی تحریکات میں حصہ لے گا اور سیاسی زندگی کے ابتلا اور آزمائشوں سے بھی گزرے گا اور برٹش سامراج اس کی نیکمی چتون سے لرز اٹھے گا۔ اور کون شخص یہ گمان کر سکتا تھا کہ وہ نوجوان جس کی پوری تربیت دینی ماحول میں ہوئی تھی اور جس کی ننھیال اور ددھیال کی خواتین دین داری اور تقویٰ کی وجہ سے معروف تھے، اپنے عہد شباب میں کفر و الحاد میں معروف ہوگا اور پھر ایک وقت آئے گا کہ وہ بلند پایہ مفسر قرآن ہوگا! لیکن زمانہ عجائبات سے کبھی خالی نہیں رہا۔ یہ اعجوبہ شخصیت بھی ہماری آنکھوں نے دیکھی جو اپنے انھیں خصائص کی بنا پر زندگی کی مختلف مجلسوں میں لوگوں کی نظر و توجہ کا مرکز رہی ہے۔ جو اپنی آزاد خیالی اور عقلیت پرستی کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تنقید سے باز نہ آیا تھا اور کسی بزرگ کی نصیحت کو در خور اعتنا نہ سمجھتا تھا، اس کے نزدیک وقت کے ایک شیخ طریقت سے نسبت و ارادت دنیا کی سب سے بڑی سعادت ٹھہری۔ یہ جامع جہات اور جامع حیثیات شخصیت مولانا عبدالماجد دریابادی کی تھی۔

مولانا دریابادی کی شخصیت دریاباد کے دو علمی خاندانوں کا مجمع البحرین تھی۔ یہ دونوں خاندان جو ان کی ننھیال اور ددھیال کے خاندان تھے جو علمی، دینی اور تہذیبی روایات کے حامل تھے۔ اگر ایک دور جسے ہم زندگی کا اضطراری دور کہہ سکتے ہیں، نظر انداز کر دیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شخصیت کی تعمیر میں ان دونوں خاندانوں کی بہترین علمی اور دینی روایات نے حصہ لیا تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے دادا مفتی مظہر کریم شاہیر علما، بزرگان دین اور مجاہدین آزادی میں سے گزرے ہیں لکھنؤ کے علما کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ تحصیل علمی سے فراغت کے بعد انگریزی ملازمت اختیار کر لی۔ جہاد آزادی، ۱۸۵۷ء کے دوران میں وہ شاہجہان پور (یوپی) میں سررشتہ دار عدالت تھے اس لیے شاہجہان پور میں تحریک آزادی کو پروان چڑھانے میں ان کا خاص حصہ رہا۔ تحریک آزادی میں ناکامی کے بعد گرفتار ہوئے اور سات سال کے لیے انھیں جزیرۂ انڈمان بھیج دیا گیا۔ لیکن ان کی علمی قابلیت اور خدمت کی بنا پر جلد ہی رہائی مل گئی۔ مولانا دریابادی کے دو ہیالی بزرگوں میں گنی اور امور شخصیتیں گزری ہیں۔

ان کی ننھیال بھی ایک علمی خانوادہ تھی۔ ان کے نانا اور ایک بزرگ حکیم عبدالعزیز دریابادی کا ان کے زمانے کے امور اطبا میں شمار ہوتا تھا۔ حکیم عبدالعزیز تو طبی خدمت گزاروں کی اس جماعت سے تعلق رکھتے تھے جنھوں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قیام میں کوشش کی تھی۔

مولانا دریابادی کے والد مولوی عبدالقادر بھی بڑے نیک بزرگ تھے۔ شروع ہی سے سرکاری ملازمت میں تھے۔ اپنی محنت، دیانت داری، انسانیت اور خدمت خلق کی خوبیوں کی بنا پر بلا تفریق مذہب ہندوؤں اور مسلمانوں میں عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ ترقی کر کے ڈپٹی کلکٹر کے عہدے تک پہنچ گئے تھے۔ آخر عمر میں حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا۔ مولوی عبدالقادر کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام عبدالمجید تھا۔ انھوں نے تحصیل علمی کے بعد سرکاری ملازمت کر لی اور ڈپٹی کلکٹر کے عہدے تک پہنچے۔ ۱۹۶۰ء میں انتقال ہوا۔ چھوٹے بیٹے کا نام عبدالماجد تھا جو اپنی جوانی میں فلسفی عبدالماجد کے نام سے اور پھر مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام سے مشہور ہوئے۔

شیخ زادوں کا یہ خاندان جو مولانا دریابادی کی ولادت ہوتی بارہ بنکی کا وہی خاندان ہے جو قدوائی خاندان کے عرف سے مشہور ہے۔ ان کی ابتدائی اردو اور فارسی کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ مرزا محمد ذکی اور مولوی عظمت اللہ فرنگی محلی سے عربی زبان کی تحصیل بھی کی تھی لیکن تکمیل نہیں کی۔ اردو اور فارسی کی ابتدایات سے گزرنے کے بعد انھیں اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ ۱۹۰۸ء میں سیتاپور سے جہاں ان کے والد بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے ہیٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ہیٹرک کرنے کے بعد وہ لکھنؤ آ گئے اور کیننگ کالج سے بی اے پاس کیا۔ ایم۔ اے کے لیے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ داخلہ لیا کچھ دنوں قیام کیا لیکن حالات نے مساعدت نہ کی اس لیے واپس آ گئے اور

مزید تعلیم کا خیال ترک کر دیا۔ کالج میں فلسفہ ان کا خاص مضمون تھا۔ فلسفے کے مطالعے اور انہماک نے ان کی مذہبی زندگی کی عمارت مسمار کر دی۔ وہ اپنی عقیدت پسندی اور فلسفے کے سامنے مذہبی تعلیمات و دینی عقائد حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کی کتاب "سانی کلوجی آف لیڈر شپ" شائع ہوئی تو اس میں ان کی آزاد خیالی اور بے باکی زبان و قلم حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ مولانا محمد علی نے اس پر لکھا کہ "آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو باتیں بھی ہیں ان میں اس چیز کا خیال رکھنا ضروری تھا کہ اتنے کروڑ مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آقا مانتے ہیں تو کوئی بات تو آپ میں ضرور ہوگی۔ پھر بحیثیت انسان کے آپ کو کتنے کروڑ مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرنا تھا، یہ مذہب کے باب میں ان کی سنجیدگی اور جذبات کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انٹرمیڈیٹ کے امتحان کا فارم پُر کرتے وقت مذہب کا خانہ خالی چھوڑ دیا تھا۔ اپنے آپ کو مسلمان کہلوانا گوارا نہ کیا۔ منافقت انھیں پسند نہ تھی۔

مطالعہ کا شوق مولانا دریابادی کو بچپن ہی سے تھا اور بقول خود ان کو جو کچھ اتم علم ملا پڑھ ڈالا۔ ایک ادیب کی حیثیت سے ان کی شخصیت کی اٹھان نہایت شاندار تھی بقول مولانا سعید احمد اکبر آبادی "مولانا کی تصنیفی زندگی کا آغاز ایک فلسفی اور اردو شعر و ادب کے ایک نقاد کی حیثیت سے ہوا مطالعہ کے وہبی اور رسیا، نظر میں وسعت اور ذہانت و فطانت خداداد، اس زمانے کے باکمال ارباب قلم کی صحبت و معیت، پھر سب سے بڑی بات یہ کہ انشاء و تحریر کا ایک منفرد اسلوب ان سب چیزوں نے مل جل کر عنفوان شباب ہی میں اردو زبان کا ایک ممتاز ادیب اور مصنف بنا دیا۔" ادبی زندگی کا آغاز تو بارہ سال کی عمر میں ہوگیا تھا جب وہ ساتویں جماعت کے طالب علم تھے پہلا مضمون "آوھ ہار" (لکھنؤ) میں چھپا تھا، تیرہویں جماعت میں تھے جب ایک یونانی ڈرامہ کا اردو میں ترجمہ کیا لیکن باقاعدہ ادبی زندگی کا آغاز قیام لکھنؤ کے زمانے سے ہوتا ہے مطالعہ کے شوق اور اہل علم کی صحبت نے ان کے ادبی ذوق کو چمکا دیا تھا۔ لکھنؤ اہل علم و ادب کا مرکز تھا، صبح و شام ان سے ملنا جلنا تھا، رات دن بحث و مباحثے تھے، دار العلوم ندوہ کے اصحاب درس و تدریس خصوصاً علامہ شبلی سے تعلقات تھے، فرنگی محلی کے مولانا عبدالباری کے ہاں آنا جانا تھا، اکبر الہ آبادی سے تعارف تھا، مولانا محمد علی اور شوکت علی سے بھی تعلقات تھے۔ ان کے علاوہ مرزا ہادی رسوا، عبدالحلیم شرر، اثر لکھنوی، عزیز لکھنوی، مرزا عسکری،

toobaa-elibrary.blogspot.com

امیر احمد علوی وغیرہ سے قریبی روابط اور ان کی محفلوں میں آنا جانا تھا۔ مشہور فلسفی ظفر حسین ٹوان کے کالج کے ساتھیوں میں سے تھے۔ ابوالکلام آزاد، سید سلیمان ندوی، عبدالسلام ندوی، عبدالباری ندوی سے برابر کے دوستانہ روابط تھے اور صبح و شام کا ملنا جلنا تھا۔ ان صحبتوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ پڑھنے اور لکھنے کا عمل ساتھ ساتھ جاری رہا۔ ان علمی صحبتوں میں ان کی زبان منجھ گئی اور اعتماد پیدا ہو گیا۔ یہ اعتماد انھیں اپنے مطالعے پر بھی تھا، اپنی رائے اور فکر پر بھی تھا اور اپنی زبان اور قلم پر بھی۔ طبیعت کی تیزی نے قلم میں بھی جولانیاں بھر دی تھیں، وہ اپنے وقت کے بڑے بڑے اہل قلم کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ شبلی کی الکلام چھپی تو انھوں نے کئی قسطوں میں اس پر ایک زبردست تنقید لکھی۔ ادھر شبلی مرحوم کی علمی صحبتوں میں شریک تھے۔ اخبار میں تنقید چھپ رہی تھی، تنقید پر صاحب تحریر کے نام کی جگہ چونکہ "ایک طالب" چھپتا تھا اس لیے ایک مدت تک کسی کو پتا نہ چل سکا کہ یہ طالب علم کون ہے۔ شبہ ہوا تو مولوی عبدالحق کی طرف جو بعد میں باباے اردو کے لقب سے ملقب و مشہور ہوئے۔

مولانا دریابادی کی زندگی کا یہ جذباتی دور تھا۔ جن بزرگوں اور دوستوں سے تعلقات تھے انھیں دریابادی کی یہ آزاد خیالی پسند نہ تھی، خلق تھا کہ ڈانٹ بڑھا اور ملاحیتیں رائیگاں جا رہی ہیں۔ لیکن مقدر چوں کہ اصلاح تھا اس لیے انقطاع تعلقات کی نوبت نہ آنی تھی۔ یقین تھا کہ بچپن کی تعلیم و تربیت اور ابتدائی دینی ماحول کا اثر اپنا رنگ ضرور دکھائے گا۔ ہر بزرگ نصیحت و وعظ کے بہترین موقع کی تلاش میں تھا بہر حال وہ دور سعادت بھی آ گیا۔ اس میں سب سے بڑا حصہ تو ان کی فطرت کی سعادت اور قلب کی سلامتی کا تھا۔ ظاہری اسباب میں شبلی نعمانی کی سیرت النبی اور قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کا حصہ تھا۔ اب تک سیرت کی جو کتابیں ان کے مطالعے میں آئی تھیں ان کا اسلوب و معیار مولانا کی عقل اور انداز فکر کو مطمئن نہ کر سکا تھا۔ سیرت النبی اسلوب و معیار کا ایک شاہکار تھی اس نے مولانا کے دماغ کو آسودہ کیا اور دماغ سے اس کا اثر دل نے قبول کیا۔ حضرت اکبر اور محمد علی کے نصائح نے اپنا رنگ دکھایا مولانا محمد علی نے انھیں لکھا کہ تم عربی کے طالب علم رہے ہو، قرآن مجید کو الہامی کتاب سمجھ کر نہ سہی عربی ادب کی بہترین کتاب سمجھ کر پڑھو۔ زبان و ادب سے تمھیں دلچسپی بھی ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے بھی انھیں اسی قسم کی بات لکھی کہ تم قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے اس لیے اس کے آداب تلاوت کے بھی تم مکلف نہیں ہو سکتے اس لیے اگر کسی وقت بے وضو

بھی تم اس ادب کے شاہکار اور انقلاب آفریں کتاب کو بیٹھے یا لیٹے ہوئے پڑھ لیا کرو تو اس میں مضائقہ نہیں۔ کیا ہی اچھے ہمارے بزرگ تھے اور کتنا دل پذیر ان کا اسلوب وعظ تھا۔ جدوے کے بانیوں سے اگر ان کا سابقہ پڑتا تو پہلے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر ہوتا پھر مناظرے کی دعوت دی جاتی اور پھر مباہلہ کا چیلنج دیا جاتا۔

فلسفہ اور تصوف کا قریبی تعلق ہے۔ تصوف بھی ایک فلسفہ ہی تو ہے۔ فلسفہ کے ذوق و انہماک نے انھیں تصوف اور روحانیت کی طرف متوجہ کیا۔ رفتہ رفتہ مولانا کو دماغ کے ساتھ دل اور عقل کے ساتھ جذبات کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو گیا۔ تصوف و روحانیت کے ذوق نے اصحاب دل کی صحبتوں کی طرف متوجہ کیا اور بالآخر ایک دن حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کا رشتہ قائم ہو گیا۔

ان کے شیخ طریقت بھی بزرگ تھے لیکن انھوں نے روحانی فیض وقت کے ایک دوسرے شیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اٹھایا لیکن صحبت انھوں نے مولانا محمد علی اور اکبر الہ آبادی سے بھی اسی طرح کی جس طرح ایک مرید اپنے پیر و مرشد سے کرتا ہے۔ چنانچہ "اکبر نامہ یا اکبر میری نظر میں" اور "مکاتیب اکبر" "محمد علی: ذاتی ڈائری" (دو حصوں میں) اور "حکیم الامت: تفتیش و تاثرات" ان کی بلند پایہ ادبی تصانیف اور ان اکابر کو ان کا خراج عقیدت ہے۔

صحافی کی حیثیت سے مولانا کا مقام بہت بلند تھا۔ مولانا آزاد، محمد علی، ظفر علی خاں، مولانا غلام رسول مہر، صحافیوں کے اس طبقہ کھکاسے تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے صحافت سے علم اور ادب کا رشتہ قائم کیا اس سلسلے کی آخری کڑی مولانا دریابادی تھے۔ ۱۹۲۵ء میں "سچ" کے اجرا سے ان کی صحافیانہ زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا تھا، "سچ" کے بعد "صدق" کے نام سے اخبار جاری کیا، تقسیم ملک کے بعد اس کا نام بدل کر انھوں نے "صدق جدید" کر دیا تھا۔ اور زندگی کے آخری دنوں تک اس سے ان کا دیرینہ تعلق رہا۔ اور ان کے رشحات فکر و قلم سے "صدق جدید" کے صفحات مزین ہوتے رہے۔

روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ کے اجرا میں ان کے مساعی کا حصہ تھا۔ ۱۹۲۸ء میں وہ چند ماہ تک مولانا محمد علی کے ہمدرد دہلی سے بھی وابستہ رہ چکے تھے۔ ہندوستان کے مشہور علمی رسالہ "معارف" اعظم گڑھ کی مجلس ادارت میں تو وہ ہمیشہ رہے لیکن مولانا سید سلیمان ندوی کی غیر حاضری کے زمانے میں اس کی پوری ادارتی ذمہ داریاں بھی ان پر تھیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یا جزوی ترجمانی کی اور "ارض القرآن" یا جغرافیہ قرآنی اُن کی دو اور تصانیف قرآن سے ان کے کمالِ ذوق و شغف کو ظاہر کرتی ہیں۔ لیکن ان کی معرکہ آرا تالیف تفسیرِ ماجدی ہے مولانا کی تفسیر کو جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے نہایت مفید قرار دیا گیا ہے۔ مولانا دریابادی چونکہ خود تشکیک کے الحاد کے دور سے گزر چکے ہیں اس لیے راہ روی میں سب سے بڑا حصہ جدید تعلیم، فلسفیانہ اندازِ فکر اور مجرد عقلیت پرستی کا تھا اس لیے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نفسیات کا ان سے بہتر تناسب کون ہو سکتا تھا۔ مولانا نے اپنی تفسیر میں جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دل کے چور دل کی نشان دہی کی ہے اور ان کا علاج و تدارک بھی پیش کیا ہے، تحقیقی اور تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی تفسیرِ مولانا کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس بابت میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"تفسیرِ ماجدی کے بعد جن حضرات نے قرآن مجید کی تفسیر یا اس کی تفہیم کے سلسلے میں ان موضوعات پر لکھا ہے اس میں انھوں نے درحقیقت مولانا ہی کی خوشہ چینی کی ہے۔ مولانا کے خامۂ زرنگار سے جو مضمون نکل گیا سدا بہار ہو گیا۔ لیکن علمی، تحقیقی اور ادبی حیثیت سے تفسیرِ ماجدی مولانا کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی آب و تاب وقت گزرنے کے ساتھ اور بڑھے گی اور آئندہ نسلیں شکر گزاری کے ساتھ انھیں یاد کریں گی۔"

لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علم و ادب کا ذوق رکھنے والوں میں مولانا کے جن کمالات اور خصائص نے انھیں مقبول بلکہ محبوب بنایا ہے وہ ان کی ادبی تحریریں ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ شروع میں ان کا ذوق فلسفیانہ رہا۔ فلسفہ سے پیچھا چھوٹا تو مذہبیت نے ان پر قبضہ جمالیا، لیکن مجموعی طور پر ان کا تعلق زندگی بھر صحافت سے رہا۔ انھوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ "خالص ادبی زندگی پہلے بھی نہ تھی اس دور میں فلسفہ غالب تھا اور بعد کو مذہب غالب آگیا۔ ادبی حیثیت ضمنی اور ثانوی جب بھی رہی اور اب بھی ہے۔" لیکن ان کی خالص ادبی تحریریں بھی ان کی صحافتی اور فلسفیانہ و مذہبی تحریروں سے کم نہیں ہیں۔ یوں تو ان کی ہر قسم کی تحریریں اپنا بلند پایہ ادبی معیار رکھتی ہیں لیکن ان کی ادبی تحریریں واقعی اردو ادب کا شاہکار ہیں۔ ان تحریروں میں ان کی زبان، اسلوب اور فکر و انشا کی معجز نمائیاں حدِ کمال کو پہنچ گئی ہیں۔ انھوں نے بے شمار تنقیدی مضامین بھی لکھے اور آخر عمر تک وہ کتابوں پر جو مختصر تعارفی

مولانا دریابادی کو اختصار و ایجاز میں اعجاز کی حد تک کمال حاصل تھا۔ وہ روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے حکمت کے ایسے نکتے پیدا کرتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ گرد و پیش کے واقعات پر خواہ سیاسی ہوں، خواہ تہذیبی و معاشرتی وہ چھوٹے چھوٹے جملوں اور روزمرہ کی زبان اور بول چال کے اسلوب میں نہایت خوب صورتی کے ساتھ فکر انگیز تبصرہ کرتے تھے۔ ان کے طنز کا کوئی جواب نہ تھا ان کی نگاہیں واقعات کے پس منظر اور تحریر و بیان سے دل کے چور کا پتا چلا لیتی تھیں۔ حالات و واقعات پر یہ تبصرے "صدق جدید" میں مستقل طور پر چھپتی "باتیں" کے عنوان سے صفحۂ اول و دوم کی زینت بنتے تھے۔ مولانا کی ان چبھتی باتوں کی مقبولیت کا دائرہ ہندوستان سے پاکستان تک وسیع تھا۔ پاکستان کے بعض اخبار سہ ہفتے، نہایت پابندی کے ساتھ اپنے صفحات میں انھیں شائع کرتے تھے، ادبی لحاظ سے بھی یہی "باتیں" اردو کے طنزیہ ادب میں خاصے کی چیز شمار کی جاتی ہیں۔

۲۰ویں صدی کے آغاز تک فلسفہ اور نفسیات کے موضوع اور مباحث پر اُردو میں لکھنے والوں کی بڑی کمی تھی۔ مولانا دریابادی کی ذات گرامی کی بدولت یہ کمی بڑی حد تک پوری ہوئی۔ انھوں نے فلسفہ و نفسیات کے موضوع پر کئی کتابیں تصنیف بھی کیں اور متعدد بلند پایہ کتابوں کا ترجمہ بھی کیا۔ چنانچہ فلسفۂ جذبات، فلسفۂ اجتماع، مکالماتِ برکلے (مبادیِ فلسفہ (دو حصے) فلسفہ اور اس کی تعلیم ہم آپ، کتابیں بہت مشہور ہیں۔ اخلاق و تصوف کے موضوع پر ان کی نصابیت میں تاریخِ اخلاقِ یورپ (دو حصے) تصوفِ اسلام، فیہ ما فیہ (ملفوظات مولانا روم) قابلِ ذکر ہیں۔

جوں جوں مولانا دریابادی کی عمر پختہ ہوتی گئی ان کا ذوق قرآن اور سیرت سے بڑھتا گیا اور اسی ذوق کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے قرآن اور سیرت پر بلند پایہ تالیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ سیرت پر ان کی جو معرکہ آرا کتاب ہے فی الحقیقت وہ بھی قرآن سے ان کے ذوق و شغف ہی کا نتیجہ ہے اس کتاب میں انھوں نے سیرتِ نبوی کو قرآن کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔ سیرتِ نبوی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس میں نہ آگیا ہو اور کوئی بات ایسی نہیں جو انھوں نے قرآن سے اخذ نہ کی ہو۔ اسی طرح "بشریتِ انبیاء علیہم السلام" ان کی ایک مختصر کتاب ہے جس میں قرآن مجید کی روشنی میں حضرات انبیائے کرام کے مرتبۂ بشریت کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔ قرآن کی شخصیات پر ایک مفید اور معلومات افزا کتاب "اعلام القرآن یا قرآنی شخصیتیں" ہیں۔ "الحیوانات فی القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

نوٹ لکھا کرتے تھے وہ تبصرہ نویسی کی نہایت عمدہ مثالیں ہیں۔ وہ چند سطروں میں کتاب کی خوبیوں اور خامیوں کا اظہار کرتے تھے اور یہ جملے ادب و انشا کا شاہکار ہوتے تھے۔

ادب کے یہ شہ پارے ابھی مرتب کرنے کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی لیکن جو چیزیں ابھی تک مرتب ہو کر عوام و خواص سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں اور جن کے وجود نے مولانا کی انشا پرداز نہ حیثیت کو مستحکم اور ایک نقاد کی حیثیت سے مولانا کی شخصیت کو تسلیم کرایا ہے ان میں سے انشائے ماجد، اصغانیں ماجد، مقالات ماجد، نثریات ماجد، مثنوی بحر الہجت (از انشا) کی ترتیب اور اس کا مقدمہ وغیرہ خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں۔

مولانا دریابادی کے چونکہ وقت کے تمام مشاہیر اہل علم و ادب سے تعلقات تھے پھر یہ کہ انھوں نے ایک نہایت کامیاب صحافیانہ زندگی گزاری تھی اس لیے انھیں بہت بڑے بڑے لوگوں سے مراسلت کا موقع ملا تھا اور اس طرح ان کے پاس مکاتیب کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ ان تمام خطوط کی ترتیب و اشاعت کا تو انھیں موقع نہیں ملا لیکن مولانا سید سلیمان ندوی، اکبر الہ آبادی، مولانا شبلی، مولانا محمد علی وغیرہ کے خط انھوں نے کئی مجموعوں میں شائع کر دیے ہیں ان کی دو کتابیں اور جو بہت پسند کی گئیں وہ "سفر حجاز" اور "ڈھائی ہفتہ پاکستان میں" ہیں۔

لکھنؤ کی ادبی صحبتوں کا اثر تھا کہ شاعری کے چوچے میں بھی قدم رکھا۔ اور اگرچہ شاعری میں وہ نہ کامیاب ہوئے نہ شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوئے لیکن اس کوچے کے راہ و رسم سے ناواقف بھی نہ تھے۔ شاعری کے شوق کا زمانہ وہ ہے، جب مذہب کی طرف نیا نیا رجحان پیدا ہوا تھا۔ اور قوالی کا ذوق مزاج میں رچ بس رہا تھا چنانچہ قوالی کے طرز پر کچھ کلام کہا۔ مولانا محمد علی کی تعتیہ غزلوں سے بھی متاثر ہوئے اور ان پر تضمین کی۔ کچھ چیزیں قوالوں کی بدولت عوام تک پہنچیں اور خوب واہ واہ ہوئی۔ لیکن مولانا نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ قدرت نے انھیں شاعری کے لیے نہیں بلکہ نثر نگاری کے لیے پیدا کیا ہے۔ خود ان کا ادبی ذوق آتا پاکیزہ اور تنقیدی شعور اتنا بلند تھا کہ خود اپنی نظر میں اپنا کلام نہ جچا نتیجہ یہ ہوا کہ کلام محفوظ بھی نہ رہا ممکن ہے تلاش سے الفاظ کھنڈر اور اس و در کے دوسرے اخبارات و رسائل میں کچھ دستیاب ہو جائے۔ ادبی تحریریں میں "زود پشیماں" کے نام سے ایک ڈرامہ ۱۹۱۸ء کی یادگار ہے۔ استاد محترم پروفیسر سید حسنی احمد ہاشمی نے مولانا کی تصانیف کی ایک فہرست ۱۹۶۵ء میں مرتب کی تھی اس میں مولانا کی ۳۴ کتابوں کے نام درج ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں بھی مولانا کی کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

افسوس کہ اردو کا یہ سپاہی مسلمانوں کا یہ محسن، اردو ادب کی یہ مایۂ ناز شخصیت، بے مثال ادیب اور انشا پرداز، بلند پایہ صحافی، بہت بڑا مفسر اپنے وطن لوٹ کر یا بادیں ۶ جنوری ۱۹۷۷ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲)

مولانا دریابادی کی کئی حیثیتیں تھیں اور وہ اپنی ہر حیثیت میں ایک ممتاز مقام کے مالک تھے وہ ایک صاحب نظر فلسفی تھے۔ اگرچہ فلسفے کا ذوق دینی ذوق میں اضافہ کے ساتھ گھٹتا رہا تھا اور دور آخر میں تو ان کی فلسفے سے دلچسپی بہت کم ہو گئی تھی۔ وہ بڑے کامیاب صحافی تھے۔ انھوں نے حقیقت، ہمدرد، سچ، صدق جدید اور صدق جدید میں بڑی کامیاب اردو صحافت کے نمونے چھوڑے ہیں آخالذکر تین کلیتاً انھی کی ملکیت اور انھی کے زیر ادارت تھے۔ ان کے شذرات خاص طور پر مشہور تھے اور جس ذوق اور دل چسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے، وقت کی سیاسی، سماجی، ادبی، تعلیمی، تہذیبی مسائل پر ان کے خیالات، ان کا اسلوب خامے کی چیز ہوتے تھے۔ نئی کتابوں پر ان کی تنقید اور تبصرے، نہ صرف کتاب کے تعارف میں بلکہ اپنے ایجاز، بلاغت، فکر آفرینی اور نکتہ سنجی میں لاجواب ہوتے تھے۔ وہ نہایت مختصر فقروں میں کتاب کی خوبیوں اور خامیوں کی نشان دہی کر دیتے تھے۔ ان کے مسائل اخبار و معلومات کے لیے نہیں، صرف ان کے شذرات (پچھی باتیں) اور نقد و تبصرہ کے لیے پڑھے جاتے تھے۔

مولانا دریابادی ایک نامور مفسر بھی تھے۔ وہ چونکہ زندگی کے ابتدائی دور میں فلسفہ گزیدہ رہ چکے تھے اور تشکیک و الحاد کی مختلف منزلوں سے گزر کر ایمان و یقین کے لذت آشنا ہوئے تھے اور جدید تعلیم اور افکار و فلسفہ کی ان کمین گاہوں سے بہ خوبی واقف تھے، جہاں سے چھپ کر، خاموشی سے ایمان و یقین پر حملہ کیا جاتا ہے، جدید نفسیات بھی چونکہ ان کا موضوع رہا تھا، اس لیے انھوں نے اپنی تفسیر میں ان پہلوؤں اور گوشوں کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے اور اس چیز نے اردو انگریزی کے تفسیری لٹریچر میں ان کی تفسیر کو نمایاں مقام کا حامل بنا دیا ہے۔

مولانا دریابادی کی ہر تحریر اگرچہ ادبی خصائص کی حامل ہوتی تھی لیکن خاص ادبی موضوعات پر اور تنقیدی مضامین بھی انھوں نے کچھ کم نہیں لکھے۔ بعض مثنویات بھی تحقیقی تنقیدی شان سے مرتب کیں۔ ان کے شذرات (پچھی باتیں) کا ذکر ادب کے خاص شہ پاروں کے ضمن میں ضرور ہونا چاہیے۔ مولانا دریابادی اردو کے عدیم المثال ادیب اور انشا پرداز تھے۔ زبان پر عبور اور اس کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

باریکیوں پر نظر رکھتے تھے، الفاظ کے جوہر شناس تھے اور اس دور میں رعایت لفظی، مراعاۃ النظیر، حسن تعلیل، محاورہ اور بندش اور لکھنوی اسکول کے خاص مختارات، اضلع جگت وغیرہ کے استعمال میں وہ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ طنز کے وہ بادشاہ تھے اور ان کی تحریروں میں طنز کی بہتر ین مثالیں ملتی ہیں۔

ان کی ادبی تحریروں کا بہت بڑا حصہ خطوط کی شکل میں ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے بزرگوں، خوردوں اور برابر والوں کو جو خطوط لکھے تھے، ان کی تعداد ہزار کی دہائیوں میں شمار کی جائے گی۔ خطوط کے دو مجموعے چھپ چکے ہیں، تیسرا مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں ان کے بہت سے نئے خطوط بھی شامل ہیں اور ابھی ہزارہا خطوط ان کے ذاتی ذخیرے میں موجود اور اخبارات و رسالوں میں منتشر اور وقت کے اہل علم و اصحاب نظر کے سرمایۂ دل اور حرز جاں بنے رکھے ہیں۔

خطوط نگاری میں ان کا ایک خاص اسلوب ہے۔ اس طرز نگارش میں وقت کا کوئی ادیب اور انشا پرداز ان کا شریک نہیں۔ انھوں نے جو خاص اسلوب اور طرز انشا ایجاد کیا تھا وہ ان کے ساتھ اپنا کوئی مقلد چھوڑے بغیر صفحۂ دہر پر نقش ہو گیا۔ ان کا اسلوب اب شاید کوئی اختیار نہ کر سکے گا اس لیے کہ اب نہ کسی میں زبان کا وہ ذوق پایا جاتا ہے، نہ زبان پر نظر و عبور کا وہ عالم ہے، نہ کسی کے علم و مطالعہ میں وہ گہرائی و گیرائی ہے اور اس لیے کہ وہ در حقیقت گوناگوں مختلف علوم و فنون کی جامع شخصیت پیدا ہوتی تھیں اور وہ سانچے ٹوٹ گئے جن میں اخلاق و تہذیب اور ذوق علمی و ادبی کی جامع صفات و جامع جہات شخصیات ڈھلا کرتی تھیں۔

اردو خطوط نگاری کی تاریخ اور مختلف ادبا و فضلا کے خصائص نگارش پر نظر ہو تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا دریابادی اس میدان میں، اپنے خصائص میں منفرد ہیں۔ ان کے خطوط کے جو دو مجموعے مکتوبات ماجدی اور رقعات ماجدی شائع ہوئے ہیں، وہ اپنی خوبیوں میں بے مثال ہیں۔

مکتوبات ماجدی۔ ان کے عزیزوں نے مرتب کیا ہے۔ اس میں ان خطوط کا انتخاب ہے، جو انھوں نے اپنے بزرگوں، دوستوں، عزیزوں اور خوردوں کو لکھے تھے اور جن کی نقول موصوف کے ذخیرۂ علمی میں محفوظ رجسٹروں میں موجود تھیں۔ یہ خطوط بیس الدفتین دو حصوں میں ہیں۔ پہلے حصے کا عنوان "دل آویز خطوط" اور دوسرے حصے کا نام "دل دوز خطوط" ہے۔ یہ خطوط تاریخی ترتیب سے مرتب کیے گئے ہیں۔ حصہ اوّل کے خطوط علمی، ادبی، لسانی، مذہبی، تاریخی افکار اور بعض نجی کے مسائل سے پُر ہیں۔ ان میں معلومات کے ایسے جواہر ہیں کہ تاریخ ادب و زبان اور مذہبی لٹریچر کے ہزار ہا صفحوں کے مطالعے کے بعد بھی ان میں یہ مشکل بعض تک رسائی ہو سکے گی۔ دوسرے حصے میں جو خطوط

ہیں وہ عزیزوں، دوستوں، نیازمندوں وغیرہ کو ان کے متعلقین کے انتقال پر یا ان کے متعلقین کو ان میں سے کسی کے انتقال پر لکھے گئے تھے۔ ان دونوں حصوں کے خطوط کے مطالعے سے موصوف کی جو تصویر ذہن میں بنتی ہے، وہ نہایت سنجیدہ، متین، بزرگ، مشفق، ہمدرد، غم گسار اور زیادہ سے زیادہ ایک شائق علم و معلومات اور محقق زبان اور صحت الفاظ و محاورہ کے جویا کی ہے۔ حصہ اوّل میں افکار و مسائل کے تنوع کے باوجود سنجیدہ فضا قائم رہتی ہے۔ حصہ دوم میں چونکہ تمام خطوط تعزیتی ہیں، اس لیے ان میں مضمون کی اتنی یکسانیت ہے کہ کسی کے ماں، باپ، بھائی، بیوی، بچے کے انتقال کے چند خطوط پڑھ چکنے کے بعد آگے بڑھتے ہیں تو پڑھے ہوئے کو پڑھنے کا احساس ہوتا ہے۔ دوسروں کے ایسے خطوط کے مقابلے میں ان میں اسلوب کی ندرت بلاشبہ اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہے۔

مولانا دریابادی کے خطوط کا دوسرا مجموعہ "رقعات اجدی" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں نہ صرف رنگا رنگ افکار ہیں، بلکہ اس میں مولانا کے نفس و اخلاق کی بلندی، ذہن و دماغ کی رنگا رنگی، معاصر شخصیتوں کے بارے میں ان کے آرا اور نفرتوں اور محبتوں کا بھی پتا چلتا ہے۔ اوّل الذکر مجموعے کے خطوط چونکہ ذوق مجلس آرائی کی تشکیں کے لیے لکھے گئے تھے اور دوسرے مجموعے کے خطوط پر حکم خلوت کے راز و نیاز کی باتوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں مخاطب پر یہ اتھا جھلکتا ہے۔ کہ وہ ان اسرار و رموز پر پردہ کو افشانہ کرے گا ایسے خطوط میں بعض ایسی باتیں بھی زبان قلم پر آجاتی ہیں جو یا تو دل کا بھڑاس نکالنے کے لیے ہوتی ہیں یا تفنن طبع کے طور پر کبھی زبان قلم پر آجاتی ہیں۔ لیکن ان کے گھٹیا اور غیر ذمہ دارانہ ہونے پر اس کا اپنا دل بھی گواہی دیتا ہے۔ اگر ایسے موقع پر کوئی سنجیدہ اور نہ بزرگانہ سہی کم از کم برابر کی شخصیت اور مخلص دوست مخاطب ہو اور وہ ٹوک دے کہ یہ بات آپ کے شایان شان نہیں، تو وہ خود، نہ صرف خجل ہو جائے بلکہ مخاطب کا شکر گزار بھی ہو اور اگر کسی خط یا تحریر میں موجود چبھن نہ ہو تو وہ اسے لوز اٹم زد کر دے۔ البتہ کوئی نا آشنائے تہذیب اور عقلیہ محض مخاطب ہو تو اس کی زبان پر ایسے ساختہ ولہ دا اور سبحان اللہ کی صدا سے تحسین و آفرین آجائے گی۔ ترتیب و تدوین مقصد ہو تو اس پر کوئی تائیدی حاشیہ چڑھا کر اس مردم کمتوب نگار کی رسائی کا سر و سامان خود اپنے ہاتھوں سے مفت اخبار کر دے گا۔

دوسرے مجموعے میں متعدد مضامین ایسے ہیں جو حضرت مولانا دریابادی کی شان، مفرانہ ثقاہت اور موسنامہ وقار اور سنجیدگی کے خلاف ہیں مناسب ہوتا کہ فاضل مرتب ایسے جملوں کو حذف

toobaa-elibrary.blogspot.com

کر دیتے جیسا کہ مولانا مرحوم کا اپنا شعار تھا فاضل مرتب نے غور نہیں فرمایا اور انھیں جوں کا توں چھاپ دیا۔ بلکہ ان پر حاشیوں میں متون کی سنگینی کو اور نمایاں کر دیا۔ لیکن وہ اصحابِ ذوق مولانا دریا بادی کے محققوں، زبان و ادب کے شائقوں اور مشاہیر علم و ادب کے خطوط سے دل چسپی رکھنے والوں کے نزدیک بہت شکریے کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ اگر یہ خطوط من و عن شائع نہ ہوتے تو مولانا دریا بادی کے افکار و آرا اور نفس و اخلاق کے مطالعے کا ایک بڑا اور وسیع میدان نظروں کے سامنے نمایاں نہ ہوتا۔ اور ہم یہ معلوم نہ کر سکتے کہ مکتوب نگار کا قلب محبتوں ہی کا نہیں نفرتوں کا بھی خزینہ ہے، ان کی زبان دعاؤں ہی سے نہیں دشنام سے بھی آشنا ہو سکتی ہے، ان کا قلم اپنے خوردوں کے لیے دعا گو کے الفاظ ہی رقم نہیں کرتا اپنے معاصر کے لیے سب و شتم کے نقش و نگار بھی بنا سکتا ہے، کسی بات پر ان کا دماغ ہی مشتعل نہیں ہوتا بلکہ دل میں کُدورت بھی جگہ پا سکتی ہے۔ اس مجموعے کے ان خصائص نے ادب میں ان خطوط کی اہمیت اور مکتوب نگار کے تشخص اور افکار و اخلاق کے مطالعے میں ان کی افادیت کو بہت بڑھا دیا ہے۔ اس اعتبار سے مکتوباتِ ماجدی پر رقعاتِ ماجدی کی فوقیت قائم ہو جاتی ہے۔

اس مجموعے کے بعض خطوط میں سید سلیمان ندوی کی زندگی کے بعض گوشوں، خصوصاً مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت کے بعد ان کے ذوقِ دینی میں انقلاب اور ان کی علمی زندگی میں جو زوال آیا تھا، بلکہ اس کا جو اندوہناک خاتمہ تھا، اس پر روشنی پڑتی ہے۔ مولانا دریا بادی کی اس بارے میں رائے نہایت قیمتی ہے۔

فاضل مرتب نے اس مجموعے کا نام "رقعاتِ ماجدی" رکھا ہے۔ انھوں نے غور نہیں فرمایا کہ اردو میں "رقعہ" کا ایک خاص مفہوم ہے اور مولانا دریا بادی کے یہ خطوط، خطوط ہیں، رقعات نہیں۔

یہاں میں نے "رقعاتِ ماجدی" کی جس خوبی کی طرف اشارہ کیا ہے، اسے مثالوں سے واضح کرنا مناسب نہیں۔ اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے مجموعے ہی کا مطالعہ کرنا چاہیے البتہ اس مجموعے (خطوطِ ماجدی) میں رقعاتِ ماجدی کا ایک خط بہ طورِ نمونہ شامل کر لیا ہے، اس سے اس گلستان کی بہار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس مجموعے میں کچھ خطوط مکتوباتِ ماجدی سے اور بیشتر مخطوط اخبارات و رسائل سے

جمع کر کے مرتب کر دیے ہیں، اس کے بعد بھی بے شمار خطوط مختلف مجموعوں، رسالوں وغیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے ایک اور مجموعۂ مکاتیب کا انتظار کرنا چاہیے۔

اس مجموعے کے خطوط سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں نہ مکتوباتِ ماجدی کی طرح سنجیدہ فضا ہے نہ رقعاتِ ماجدی کی طرح صرف خلوت کی باتیں ہیں، بلکہ یہ مجموعہ مولانا دریا بادی کی خطوط نگاری کی تمام خوبیوں کا جامع ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خطوط

مولانا غلام رسول مہر (لاہور)

(۱)

برادرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مدینۃ المتقی، مدینۃ متقوہ کی ایک رپورٹ ارسال خدمت ہے۔ اگر "انقلاب" میں اس کے تذکرہ کے لیے وقت و گنجائش نکل سکے تو میری ممنونیت کے علاوہ مدینہ طیبہ کی بھی ایک خدمت کا اجر حاصل ہو جائے گا۔ والسلام

عبدالماجد دریابادی، ۱۲ اگست ۲۹ء

(۲)

مولانا مہر مرحوم مسلم کانفرنس میں شرکت کے لیے لکھنؤ گئے تھے اور سیدھے پاؤس میں ٹھہرے تھے۔ مولانا دریابادی نے "پاؤس آف نارڈک" اسی کو کہا ہے جو ظفر الملک علوی اس زمانے میں قید تھے۔ راجہ صاحب سے مراد راجہ صاحب سلیم پور ہیں۔

برادرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اتفاق سے کل صبح سے اپنی ذاتی ضروریات سے میں بھی لکھنؤ آ رہا ہوں ابھی محض اتفاقیہ مولوی غلام محمد علوی سے معلوم ہوا کہ آپ یہیں رونق افروز ہیں۔ آپ اس وقت "ماشاء اللہ" پاؤس آف لارڈز" میں ہیں، وہاں مجھ گمنام دگوشہ نشین کی کہاں گزر اور نہ اب اس قسم کے طبلوں دسلوں سے مطلقاً دلچسپی باقی رہی ہے البتہ آپ سے ملنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔

ایک ایکسپریس ٹرین یہاں سے لاہور کے لیے ۱۰ بجے شب کو چھوٹتی ہے۔ اگر اس میں تشریف لے جانا ہے تو چھ بجے شام سے پہلے سفر پر فاتحہ پڑھ لیجئے، اگر مناسب نہ ہو تو کے میل ہی سے جانا قطعی ہو تو پھر میں اسٹیشن ہی پر ملاقات کی کوشش کروں۔ "کوشش" اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج دو بجے کا وقت جیل میں ظفر الملک صاحب سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ملنے کا مقرر ہوا ہے وہاں سے بروقت واپسی اپنے اختیار کی چیز نہیں۔

یہاں میں دفتر "ہمدرد" میں نہیں بلکہ ایک ذاتی مکان، موسوم بہ خاتون منزل، اسماق مانت ندوۃ العلماء قریب قریب ماموں بھانجے میں مقیم ہوں۔ راجہ صاحب کے ہاں کا شوفر اس پتے سے پہنچا دیں گے۔ بشرطیکہ آپ شام تک ٹھہریں۔ اگر اس میں بھی زحمت ہو تو اس وقت آپ کی رہبری کے لیے میں آدمی بھیج دوں۔

مولانا شبلی مرحوم غزل بہت کم کہتے تھے، ان کی غزل کا شعر اس وقت یاد آ رہا ہے ؎

شبلی کا گھر بھی خانۂ دشمن کے پاس ہے
خنجر خرام! اور بھی دو اک قدم سہی!!

والسلام

عبدالماجد دریابادی

۲۹ جون ۳۰ء

(۳)

علیکم السلام

یورپ ابھی مابعد خواب کے بارہ میں خود ہی متفق نہیں ہے۔ ان کے اطباء کا ایک بڑا گروہ اس کا قائل ہے کہ حالت نوم کی فعلیت دماغی کا نام خواب ہے سائکالوجی کے قدیم ماہرین یہ کہتے تھے کہ حالت نوم میں جس قسم [illegible] پر حاصل ہو جاگنے کے بعد انہیں کے مطابق مگر زیادہ مبالغہ آمیز صورت واشکال کے ساتھ منافر خواب نظر آئیں گے آخر میں عامہ اس وقت سب سے زیادہ مقبول نظریہ "آسٹریا" کے نامور سائکالوجسٹ (Trend) کا ہے کہ "Dream is the fulfilment of suppressed wis[illegible] کے ساتھ آتے ہوئے خود بخود تھپکیاں نہ ہیں، وہ حالت نوم میں شعور غیر (Un-Consciousness) کے سامنے ابھر آتے ہیں اور یہی خواب ہے۔

اسلام نے کہیں یہ نظریہ مابعد خواب بیان نہیں کیا ہے قرآن کے مطالعہ سے تین قسم کے خواب متبادر ہوتے ہیں،

۱۔ اضغاث احلام۔ محض خیالات پریشان، جس طرح بیداری میں اکثر بے سروپا خیالات آتے رہتے ہیں۔

۲- خواب مبنی برحقیقت یا تعبیر طلب۔ مثلاً شاہ مصر کا خواب یا یوسفؑ کے رفقاءِ زندان کا خواب جس شخص کا قلب و نفس جس قدر زائد مطہر و مبرّا کی ہوگا، اسی قدر ان خوابوں کے معنی سمجھ سکے گا۔

۳- انبیاءؑ کا خواب، مثلاً حضرت خلیل اللہؑ کا اپنے صاحبزادہ کو ذبح کرنے دیکھنا، جو منزل وحی کے ہوتے ہیں۔ حدیث میں روایت صادقہ و صالحہ کو جزاء نبوت میں سے ایک جُز قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص جس قدر زیادہ راست گو ہوگا، اسی قدر صحیح خواب دیکھے گا۔

میری فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ بعض حقائق غیبی پر بیداری کی فعلیت حواس ظاہری پردہ ڈالے رہتی ہے۔ حالت نوم میں جب یہ فعلیت حواس رک جاتی ہے اور قلب کو کیسوئی کا موقع ملتا ہے، تو بعض رقیقہ حقائق اپنے تئیں بے نقاب کر دیتے ہیں۔ یہ وقیعہ کرام، بجائے خواب کے مراقبہ وغیرہ کے ذریعہ سے یہ کیفیت بالقصد اپنے اوپر طاری کرتے ہیں۔ ہپناٹزم، اکیوپنکچر وغیرہ انہیں کیفیات عالیہ کے نقوش سفلیہ ہیں۔ والسلام

عبدالماجد، دریاباد۔ ۱۶ جون ۳۴ء

(۴)

چودھری محمد حسین مرحوم نے حضرت علامہ کے مکاتیب کی فراہمی کا انتظام کیا تھا۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالباری کو مہر صاحب نے خط لکھا تھا، مولانا نے خطوط بھیج دیے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ صاف نقل میرے پاس آجائے تو میں حواشی لکھ دوں گا مشرقی سے مراد علامہ مشرقی ہیں، اس جگہ یہ کنایہ کی طرف اشارہ ہے جو علامہ مشرقی اور یورپ کی کانگریسی حکومت کے درمیان تقسیم پیشہ ہوا تھا۔ انقلاب نے اس سلسلے میں مشرقی کی حمایت کی تھی۔

برادرم السلام علیکم

حضرت اقبال کے جو مکاتیب محفوظ گئے، حسب ارشاد حاضر خدمت ہیں۔

چودھری محمد حسین صاحب سے بڑھ کر اہل اس خدمت کا اور کون ہوگا۔ لیکن بہرحال تعمیل ہونی چاہیے اب بھی تاخیر بہت زائد ہو چکی ہے۔

ان مکتوبات کی اصل جب مجھے واپس سرحمت ہو تو بہتر یہ ہوگا کہ ان کی صاف نقل بھی

ساتھ آئے تاکہ میں جا بجا ان پر حواشی لکھ دوں۔ خطوط کی تعمیمات و اشارات تو صرف مکتوب الیہ ہی سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ والسلام

عبدالماجد، دریاباد۔ ۴ اکتوبر ۳۹ء

کانگریسی حکومت سے مقابلہ ضرور کیا جاتا، لیکن اس کے لیے صحیح [illegible] کی کمی ہے، جو خواہ مخواہ مشرقی ہی کی ہمدردی کا غلط سہارا ڈھونڈا جائے۔ آپ کے اخبار میں قاضی قدوہ کو عہد جہانگیری کا عالم بتایا گیا ہے، قاضیؒ کا زمانہ اس سے بہت قبل کا ہے۔ ہم قدوائیوں کی خاندانی روایات کے بموجب، حضرت قاضیؒ خواجہ اجمیر کے ہمعصر تھے۔

(۵)

دریاباد ۱۰ ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

"نقش آزاد" کے تبصرے اور تذکرے فلاں اور فلاں پرچے میں دیکھ کر مدتی کی زبان سے

ع ہم سے پردہ رہا غیروں سے ملاقات رہی

والسلام دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

(۶)

دریاباد ۱۶ اگست ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

برادرم وہر عالم! وعلیکم السلام

مولاناؔ کے کسی مقالے متعلق "مریم زمانی" کا علم مجھے آج پہلی بار آپ سے ہوا۔ یہ میرے ذہن میں بالکل نہ تھا۔ عزیز کا دیوان "گل کدہ" اسی زمانے میں نکلا۔ مولاناؔ نے اس کے دو لفظوں "مستی" اور "تحریف" پر گرفت کی تھی کہ ان میں پہلو سے ذم نکلتا ہے (یہ پہلو سے ذم کی بحث علمی کمبخت مذاق کی تھی) اور حیرت ہے کہ مولانا نے صرف چند ماہ کے قیام لکھنؤ میں ان باریکیوں پر بھی عبور حاصل کر لیا تھا۔ عزیز خود مستند اہل زبان تھے ان غریب کو بھی وہ تنگ نہ سوجھے جو مولاناؔ کو سوجھ گئے تھے۔ بحث میں حصہ مشوق حسن صاحب الہ آبادی اگر وداغ) اور شاعروں اور ادیبوں نے بھی لیا تھا کچھ مضمون "مخزن" میں نکلے تھے اور کم سے کم ایک مضمون لکھنؤ کے رسالہ

۱؎ مولاناؔ سے مراد مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

صبح اُمید (ایڈیٹر) بکسٹ لکھنؤ (ہند) کے ذریعہ نام سے۔

اس رسالہ کی جلدیں لکھنؤ کی جس لائبریری میں ہیں اتفاق سے اس کی [illegible] اس وقت مجبور ہی ہے اس لیے کہ ابھی فوراً نہیں نکل سکتی ہیں۔

کراچی کے ابوسلمان شاہجہانپوری صاحب تو اردو لسانیات کے ماہر ہیں ان سے دریافت فرمایئے میرے خط کا تو شاید جواب نہ دیں مستعجب نہ ہوگا تو خود ہی لکھنا۔

سرورہ کی واپسی کا منتظر ہوں۔

والسلام عبدالماجد

ایک ظریف بیوہ اور اس کا بھائی

مولانا دریابادی کے یہ خطوط اور الم ناک داستان مرحوم دریابادی کی مطلقہ اور مولوی عبدالرحمن نگرامی کی بیوہ کی حرکت، عبدالماجد دریابادی بے تکلفانہ کے عنوان سے ایک کتابچے کی صورت میں چھاپ دی گئی تھی اس سلسلے کا ایک خط خواجہ حسن نظامی کے نام ہے مولانا عبدالماجد دریابادی کی زندگی کا یہ نہایت اہم اور افسوس ناک واقعہ ہے۔ مولانا نے اور مولانا کے متعلقے سے لوگوں نے پوری کوشش سے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک سیرت نگار اور تحقیق کا ذوق رکھنے والے کے لیے اس واقعے سے آنکھیں بند کر کے گزر جانا ممکن نہ تھا۔ پروفیسر تحسین فراقی کے ذوق تحقیق و قابل قدر سیرت نے اسے دوبارہ زندگی بخشا۔ آں موصوف کے شکریے کے ساتھ یہاں اسے شامل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میری شادی تیرہ سال کی عمر میں میرے حقیقی ماموں زاد بھائی مولانا عبدالرحمن صاحب ندوی نگرامی مرحوم سے ہوئی تھی۔ شادی کے چھے سال مولانا موصوف کا انتقال ہو گیا[1] اس وقت میری عمر ۱۹ سال کی تھی اور زیادہ سے زیادہ دو سال کی ایک بچی بھی تھی جس کا نام آصفہ ہے۔ شوہر کے انتقال کے تقریباً تین سال بعد میرے والدین کو میرے

[1] برسلان سے مصور الحق (ابوسلمان شاہجہانپوری) ہیں شعیب سلیمان ندوی، مولانا آزاد اور ابوالکلام میں ان کے مضامین سے متعلق ہو صاحب نے ایک خط لکھا تھا مولانا دریابادی نے صدق میں شائع کرنے کی اجازت چاہی، وہ صاحب نے وہ تعارف بھیجا مگر ایک شائعت کے نقطۂ نظر سے اس پر ایک نظر ڈالیں۔ اس وقت یہ خط (مسودہ) واپس نہ پہنچا تقریباً پندرہ بیس سال بعد پہنچا تو اس کی اشاعت مناسب نہ سمجھی گئی۔ [illegible] کے نماز جنازہ کے بعد بمبئی میں انتقال ہوا۔ جہاں وہ اپنے ایک عزیز کے ہاں جو صاحب بھی تھے معالجہ کے لیے گئے تھے۔ نعش گھر لائی گئی وہیں تدفین ہوئی انتقال کے وقت ہر گل ستائیس سال کی تھی۔ مرحوم نہ صرف ذہین فطین نیک اور شرافت کا مجسمہ اور علقہ مذہ کی محبوب شخصیت کے [illegible] ندوی نے "یادِ رفتگاں" میں اور مولانا دریابادی نے معاصرین میں بھی ان کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

[illegible] ناخ ثانی کی فکر ہوئی۔ مختلف جگہوں سے پیام بھی آئے لیکن کوئی قابل اطمینان نہ تھا۔

مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی جو ہمت ہی کتابوں کے مصنف اور صحافت [illegible] کے مالک اور ایڈیٹر ہیں میرے مرحوم شوہر کے بظاہر بھی دوست بنے ہوئے تھے اور مرحوم کے انتقال کے بعد سے ہم لوگوں کے ساتھ عہد وفا اور خلوص کا اظہار کیا کرتے تھے اس لیے ہم لوگ ان کو نہایت نیک خصلت سلیم الطبع اور بزرگ جانتے تھے۔

میری بیوگی کے چھ [illegible] کے بعد مولوی عبدالماجد دریابادی صاحب بڑے بھائی صاحب حبیب الرحمن صاحب کے درمیان میری شادی کی بات چیت شروع ہوئی اور انہوں نے میرے عقد ثانی کے لیے سخت سے سخت تقاضا کیا جس کی تفصیل کی اس مختصر تحریر میں ضرورت نہیں۔

اس کے بعد عبدالماجد کا ایک خط آیا جس میں انہوں نے لکھا "ڈرتے ڈرتے ایک بات صاحب کا نام لیتا ہوں کرتا ہوں، ایک صاحب ایسے ہیں [illegible] کہتے ہوئے دوسری بیوی کے خواستگار ہیں تب لوگ متفکر کریں تو بہتر ہے؟"

اس وقت میرے والد مرحوم زندہ تھے انہوں نے ایسے رستے کو کسی طرح گوارا نہ کیا۔

ہمارے بیان کے انکار پر عبدالماجد نے میرے بھائی کو کئی مرتبہ لکھا کہ ان سے (یعنی مجھ سے) کہ میری بیوی سے ملاقات کیجیے ہم لوگوں سے جو ان کے تعلقات تھے اس کے موافق یہ [illegible] صاحب بات نہ کی اور مجھے کچھ شبہ تھا کہ میری تقدیر کچھ اور [illegible] میں اپنے چھوٹے بھائی [illegible] کو ہمراہ لے کر لکھنؤ گئی اور ان کی عالیہ بیوی اندر [illegible] سے ملاقات ہوئی اور ہاں کی آئی وہاں کسی قسم کی کوئی ایسی گفتگو نہیں ہوئی جس سے مجھے

کچھ عبدالماجد کے دل کا حال معلوم ہوتا۔

اُن لوگوں سے ملے ہوئے مجھے [illegible] دن ہوئے گزرے ہوں گے کہ عبدالماجد کا ایک طویل خط [illegible] منجھلے بھائی صاحب کے نام آیا جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے "آپ کی [illegible] بیوی سے ملاقات ہوئی اور ان گفتگو میں کچھ الفاظ [illegible] (یعنی میں) نے ایسے استعمال کیے ہیں [illegible] کہ [illegible] زندگی کے ساتھی بھی ہوتے ہیں لیکن میرے بعد سے اور [illegible] میرے [illegible] سے یہ میرے دل پر [illegible] اور میں نے سب سے پہلے [illegible] میرے [illegible] مجھے زیادہ محبوب ہے جس طرح میں [illegible] اسی طرح [illegible] میری [illegible] تیسرے [illegible] کی جگہ نہ رکھ سکا ہوں۔ [illegible] ایک صاحب [illegible] سے [illegible] دل [illegible] کہا کہ [illegible] ہوں لہٰذا میرا یہ [illegible] سے نہیں [illegible] ہوں۔ [illegible] کے [illegible] میرے میاں بیوی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ے تعلقات ایسے خوشگوار ہیں کہ لوگوں کو رشک آتا ہے۔ میری البیلہ بیاہی رہتی ہیں۔ مقدر ثانی مسنوی ہی ہے"

یہ خط پڑھ کر بھائی صاحب نے مجھ سے شادی کی بات نہ کی تو میں نے انکار کر دیا لیکن بھائی صاحب اور والدہ صاحبہ نے سمجھا بجھا کر راضی کر ہی لیا چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں عبدالماجد کی نفسِ پرستیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ شادی میرے سسرال والوں سے پوشیدہ طور پر دریاباد میں ہوئی تھی کیونکہ دونوں خاندانوں کے غیر ہونے کی وجہ سے اس شادی کے سخت مخالف تھے۔ مہر صرف اکیاون روپے تھا۔ شادی کا ہونا تھا کہ عبدالماجد کے رجسٹری خطوط اکثر نکرام آنے لگے جن میں یہی لکھتے رہے کہ جلد سے جلد میں اعلان کے ساتھ دوبارہ نکاح کروں گا۔

چنانچہ میں اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ مع اپنی بچی آصفہ کے دریاباد گئی وہاں اعلان کے ساتھ دوبارہ پھر نکاح ہوا۔ میرا قیام تقریباً ایک ماہ عبدالماجد کے یہاں دریاباد میں رہا۔ اب میری مصیبت کا آغاز ہوتا ہے۔

میرے دریاباد جانے کے دوسرے ہی روز میرے مرحوم شوہر کے چچا زاد بھائی مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب میری بڑی آصفہ سلمہا کو نگرام لے جانے کی غرض سے دریاباد پہنچے جن کو دیکھ کر آصفہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور چھوٹ چھوٹ کر رونے لگی اس کے اس طرح کے رونے پر میری جو حالت تھی اس کا میری ہی جیسی مصیبت زدہ عورت اندازہ کر سکتی ہے میں نے اپنے تئیں اور دوسرے دل کو سنبھالا اور اسے تسلی دے کر رخصت کیا۔ تقریباً ایک ماہ بعد عبدالماجد کی اجازت سے میں اپنی چھوٹی بہن کی شادی میں دریاباد سے سندیلہ آئی کیونکہ اعزا اور سسرال والوں کے اختلاف کی وجہ سے ہم لوگوں کو وطنی (نگرام، چھوڑ پارہ اور سندیلہ میں جہاں میرے بڑے بھائی ملازم ہیں سکونت اختیار کرنی پڑی یہیں سے ۲۹ نومبر ۱۹۳۰ء کو میری چھوٹی بہن کی شادی مجھ سے ہوئی گئی۔

سندیلہ میں تقریباً ڈھائی مہینے رہنا پڑا۔ اس عرصے میں عبدالماجد کے خطوط میرے پاس بہت کم آتے تھے۔ میری طبیعت اکثر گھبراتی رہتی تھی۔ اس وجہ سے میں دو بھی چار چار خط بھیجا کرتی تھی۔ عبدالماجد نے مجھے کئی "اتنی جلدی خط بھیجنے کی گنجائش نہیں ہے ایک بار خط آنا چاہیئے"۔ عبدالماجد کی اس تحریر سے مجھے رنج ضرور ہوا۔ لیکن کیا کر سکتی تھی خاموش ہو گئی اس کے بعد عبدالماجد نے لکھ کر بھیجا کہ مجھے لکھ کر اپنے بھائی کے ساتھ دریاباد چلی آؤ چنانچہ میں جنوری میں وہاں پہنچ گئی، دو ہفتہ کے بعد عبدالماجد نے مجھ سے کہا کہ اس میں زیادہ دخل ان کے اقبال اقامات کو پڑا جیسے دریاباد کی لکھے ہے کہ شادی کے بعد بیوی کا نکالی نہ انھیں سے پہنچ آئی مذموم ہے یہ بھی اسی کا نتیجہ ہو سکتی ہے (محسن فراقی)

"میں باہر دریاباد آرہا ہوں تم اپنے بیک چلی جاؤ" یہ الفاظ سن کر مجھے صدمہ ہوا اور میں نے کہا کہ میں ابھی سندیلہ نہیں جاؤں گی کیونکہ مجھے آئے ہی کتنے دن ہوتے ہیں۔

عبدالماجد کے بڑے بھائی عبدالمجید سہانپور میں ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ انہوں نے بھی اس سے پہلے مجھے سہانپور بلایا تھا۔ اس لیے عبدالماجد نے مجھے سہانپور بھیج دیا۔ دو مہینے میں سہانپور رہی۔ اس درمیان میں عبدالماجد کے خطوط ان کے بھائی عبدالمجید کے پاس تو یہ لہجہ بدلا ہوا ہوتا تھا لیکن انہوں نے مجھے کوئی خط نہ لکھا ان کی بے رخی سے جو کچھ خیالات میرے دل میں پیدا ہوتے وہ ظاہر ہیں۔

تھوڑے دنوں کے بعد میرے بھائی صاحب نے مجھے لکھنے کے لیے عبدالماجد کو خط لکھا۔ عبدالماجد نے بھائی صاحب کو جو جواب دیا تھا اس کا مضمون یہ تھا "میں نے تو مہینہ سوا مہینہ اور اب بھی دو ماہ سے زیادہ ہے آصفہ سے ملنے جانے کے لیے کہا تھا لیکن انہوں نے خود ہی عذر کیا اور سہانپور چلی گئیں"۔ گویا اس کے یہ معنی ہیں کہ میں بغیر ان کی اجازت کے سہانپور گئی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے بلکہ عبدالماجد نے خود مجھے سہانپور بھیجا تھا۔ سہانپور سے ۱۰ مارچ میں عبدالمجید صاحب مجھے راستہ میں سندیلہ چھوڑتے گئے یہاں ایک ماہ تک عبدالماجد کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا میں روزانہ خط بھیجتی رہتی تھی۔ خدا خدا کر کے ایک خط آیا جس کے الفاظ یہ تھے "تمہارے جو خطوط میرے پاس آتے ہیں ان خطوں کو تو ہوتے ہیں یا ٹوٹی تار ہوتے ہیں یہ اس کو دیکھ کر میرا دل ٹوٹ جاتا ہے"۔ وہ خرچ کے لیے دن روپیہ ماہوار مجھے برابر بھیجتے رہے۔ جب سندیلہ آئے سے بے چارہ ہو گئے تو میرے اضطراب اور بے چینی کی کوئی حد نہ رہی میں نے مجبور ہو کر خود ہی لکھا کہ میں دریاباد آنا چاہتی ہوں اس کے جواب میں عبدالماجد نے لکھا "ابھی موقع نہیں ہے جب موقع ہوگا بلا لوں گا"۔ ماہ جون میں عبدالمجید صاحب نے میرے بھائی صاحب کو ایک گھنٹہ کے لیے سہانپور بلایا چونکہ بھائی صاحب گئے تھے اس لیے ان سے کہا کہ "عبدالماجد تو کچھ بولتے نہیں، ان کی بیوی (عدت کی وجہ سے) بدمزہ خراب ہو جاتی ہے اس لیے ہم لوگوں کا ارادہ ہے کہ آپ کی بہن کو ملا کر دیا جائے"۔ بھائی صاحب یہ الفاظ سن کر حیران رہ گئے ان کی عجیب حالت ہو گئی۔ عبدالمجید کو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور سندیلہ واپس آئے جہاں آکر تمام واقعہ بیان کیا۔ کیا تعلق یہ الفاظ سن کر میری والدہ محترمہ کا کیا حال ہوا۔ اور اپنی حالت میں تحریر ہی نہیں کر سکتی لیکن ساتھ ہی اس کے مجھے پھر خیال ہوا کہ شکر ہے انہوں نے مجھے علیحدہ مکان میں رہنے کے لیے کہا ہو۔ غرض میں اپنے درد بھرے دل کو طرح طرح سے تسلی دیتی رہی۔

اس کے چند ہی روز کے بعد طلاق نامہ آگیا اس وقت میری عجیب حالت تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے مجھے اندھیری فضا میں پھینک دیا ہے میری نظروں میں تمام عالم سیاہ ہو گیا چاروں طرف گہری تاریکیاں نظر

toobaa-elibrary.blogspot.com

آئے تھیں۔

باوجود اوپر کے شدید اختلاف کے جو خطوط تعزیت میں آئے ان میں سے ایک خط میرے حقیقی ماموں مولانا محمود الرحمٰن صاحب کا ملاحظہ کے لیے نقل کیا جاتا ہے۔

از پشاور حبیب الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

دعا ہا، خدا رحمت خوش ہو، آبادہ ہو، کل علی گڑھ سے عزیزی فرید سلمہ کا خط زبانی ابھی سیدھا سادہ سا پڑھ والم معمول ہوا اکمل سے اس وقت تک کئی بار تم کو خط لکھنے بیٹھا لیکن قلم نے یارانہ وفا کم کو کیا لکھوں۔ آہ، یہ خبر خبر نہ تھی بلکہ ایک صاعقہ تھی جس نے تن بدن کو جھلسا ڈالا۔ ابتداء تم لوگوں کی کوتاہ فہمی اور ناسمجھی کی وجہ سے عورتوں کی راسے کے پابند ہونے نے معاملہ کو ایک ناگوار اور ذلت آمیز طریقے سے تکمیل کو پہنچایا، اب اس نااہل اور ناخدا ترس انسان نے اس خاندان کی عزت و افتخار پر بزدستی داری ضرب لگائی ہے اگر اسی وقت جاتے آپ کے رسمی تعلقات ختم نہیں لیکن قدرتی واسطے کسی کے توڑے نہیں ٹوٹتے۔ اس ناگوار چیز نے کل گھر بھر کو بے چین بنا دیا ہے۔ یقیناً کل روز قیامت یہ ظلم کا معاملہ رب العزت کے حضور پیش ہوگا پھر میاں ملہو دیکھیں دہاں کیا جواب دے کر سرخروئی حاصل کریں گے۔ ظلم کی تہمی ہری نہیں ہوتی۔ ان کو خدا کے غضب سے ڈرنا چاہئے تھا۔ آہ آہ۔

ایسی نامبارک حالت میں ظاہر ہے کہ اہل معاملہ کا کیا حال ہوگا اور ان کی پریشانی کا افسوس معصوم بچہ پر کیا پڑتا ہوگا۔ ہر ایک کو اس واقعہ سے متاثر پاکر اس کے قلب نازک کی کیا کیفیت ہوگی۔ یہ نقشہ یہ وقت ہم لوگوں کے پیش نظر ہے اور مجھے خطوط ہے کہ اس کی صحت پر اس کا ناگوار اثر پڑے گا۔ والدہ فقط

محمد محمود الرحمٰن عفی عنہ

از گرم دم سرد ہوا سنہ ۱۹۴۰ء

طلاق نامہ بھیجنے کے تقریباً ایک ہفتے کے بعد عبدالماجد کا ایک خط میرے نام آیا، اس میں لکھا تھا: "میں عرصے تک تمہاری خدمت جاری رکھوں گا اور میرا ارادہ ہے کہ تمہارا ہاتھ کسی شریف کے ہاتھ میں دے دوں گا۔" یہ خط پڑھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ لیکن کہہ کر سکتی تھی۔ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

اس کے بعد بھائی صاحب نے عبدالماجد کے پاس خط لکھا جس کا مختصر مضمون یہ ہے۔ کہ آپ نے ہم لوگوں کے ساتھ بدعہدی کی ہم لوگوں پر ظلم کیا اور بالکل ذبح کر دیا۔ اور زندہ درگور کر دیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ باوجود اعزہ کی شدید مخالفت کے ایسا کیا گیا تھا، صرف والدہ رافت سلمہا کی صحت کے خیال سے ایسا کرنا کسی طرح آپ کے مناسب نہ تھا۔ کہ ایک مجبور و چارہ ہستی کو پامال کر دیا گیا۔ شریعت میں مثل نہایت

قبیح تو نہ ہمیشہ ہے۔ اس کا آپ نے کچھ خیال نہ کیا"۔ —— اس کے جواب میں عبدالماجد کا جو خط بھائی صاحب کے پاس آیا، بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:

بسم اللہ

دریاباد ۱۴ر جولائی سنہ ۴۰ء

منشی حبیب الرحمٰن صاحب! وعلیکم السلام

آپ کے دو خط ملے ایک بھائی صاحب کے نام، دوسرا خود میرے نام میں چار روز کے بعد ابھی کھنؤ سے واپس آیا ہوں اس لیے جواب آج سے قبل لکھنا ممکن نہ ہوا۔

آپ کو رنج و صدمہ ہوا قدرتی ہے۔ اور ایسی مغلوبیت کی حالت میں، انسان ایک بڑی حد تک مدافعۃ اللہ عند الناس معذور ہو جاتا ہے لیکن اس ممانعت کے لیے بھی کچھ حدود ہوتے ہیں بار بار ہم لوگوں کو گالیاں کاٹنے، ذبح کر دینے قتل کر ڈالنے، ظلم کرنے بدعہدی کرنے، تلوار چلانے کا مجرم قرار دینا، والدہ رافت سلمہا کی عالت کی نکٹ چھیڑنا یہ سب ان حدود سے تجاوز کر جانا ہے۔ اسباب افتراق کی تفصیل اب تک میں نے آپ ہی لوگوں کی دلشکنی کے خیال سے نہیں کی تھی ایسا نہ ہو کر آئندہ مجبوراً ایسا بھی کرنا پڑے —— صورت حال جو آپ نے تحریر کی ہے۔ وہ تمام تر خلافِ واقعہ ہے۔ آئندہ اس قسم کے خطوط لکھ کر مجھے مجبور نہ کیجیے کہ تمام سچائیوں کو ظاہر کر دوں۔

اپنے اعزہ کی جو شکایتیں آپ نے لکھی ہیں ممکن ہے صحیح ہوں لیکن ظاہر ہے کہ ان معاملات سے ہمارا کیا واسطہ ہوا اور ہم لوگ بجز زبانی ہمدردی و اظہار تاسف کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ جو کچھ کیا گیا ہے آپ یقین کریں بار بار کریں مگر واقعہ یہ ہے کہ اس میں بڑی حد تک آپ لوگوں کی بہتری اور بھلائی کو ہی پیش نظر رکھا گیا ہے —— یہ مسئلہ آپ کو کسی نے غلط بتا دیا ہے کہ طلاق ہر صورت میں عند اللہ موقوف ہے۔ طلاق تو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اور صحابہ کرام نے بہ کثرت طلاقیں دی ہیں مطلقہ کے ساتھ مباح بھی ان حضرات نے بہ کثرت کیے ہیں۔ اسے عیب تو جاری و موجودہ سوسائٹی نے بنا دیا ہے، جس میں عقد زوجیت بھی ایک ناقابل فسخ بندھن ہی داخل عیوب ہیں۔ شریعت نے جس طلاق کو ناپسند کیا ہے وہ ہے جو سو سر بلا رجعۃ معقول عورت کو ستانے کے لیے یا محض اپنی نفس پرستی کے لیے دیتا ہے۔ نہ کہ وہ طلاق جس کا مقصد یہ ہو کہ زن و شوہر دونوں ایک دوسرے کی صحبت ناموافق سے آزاد ہو جائیں، یہ تو عین دفع ظلم ہے نہ کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ظلم ــــ آپ نے جس جذبہ ہمدردی کا واسطہ دلایا ہے یہ اسی کا تقاضا ہے، جو افتراق و قطع تعلق پر مجبور کر رہا ہے۔ ظلم اگر مقصود ہوتا تو اس کی متعارف صورتیں دوسری ہیں، ان سے میں آپ بھی ناواقف نہیں ہو سکتے۔

عبدالماجد

یہ خط دیکھ کر مجھے اور بھی صدمہ ہوا کہ واللہ اعلم وہ کون سی سچائیاں ہیں، اور اسباب افتراق کی خدا جانے کیا تفصیل ہے۔ میں تو بالکل بے قصور ہوں، مجھ سے کوئی ایسی شدید خطا سرزد نہیں ہوئی کہ یہ نوبت آئی ــــ اس کے بعد میں نے خود ایک خط لکھا کہ آخر مجھے دنیا کیا کہے گی اور خدا جانے میرے متعلق لوگوں کا کیا گمان ہو۔ عبدالماجد نے میرے خط کا جو جواب دیا بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ

دریا باد ۲۱ جولائی ۱۹۲۵ء

والدہ آمنہ سلمہا۔ وعلیکم السلام کئی دن ہوئے خط ملا تھا۔ اللہ کی مشیت میں جو ہوتا ہے، وہی ہو کر رہتا ہے۔ بندہ کا کام یہ ہے، کہ جو کچھ بھی پیش آئے، اس پر صبر کرے۔ تم نے لکھا کہ لوگ تم پر طرح طرح کی تہمتیں لگائیں گے ان تہمتوں کی تردید میں جو کچھ میں لکھ بھیجوں۔ جھوٹی تہمت لگانے والے خود اپنا نامۂ اعمال سیاہ کریں گے۔ میں نے کئی دن ہوتے تمہارے بھائی کو لکھا تھا کہ تکمیل ضابطہ کے لیے ہر ہر کل رقم کی رسید میرے پاس بھیجدیں تو فیصد رقم فوراً بھیج دوں۔ رسید ابھی تک آئی نہیں۔ رقم تیار رکھی ہے۔ صرف تمہاری رسید کا انتظار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بیوی حضرت سودہؓ کی طلاق واپس لی ہے، باقی دو بیویاں ایسی اور ہوئی ہیں جنہیں طلاق دے کر واپس نہیں لی ہے۔ بشرطیکہ ایسی کوئی بری بات نہیں ہے صرف ہمارے کو جوہ روا نے اسے اتنا گراں بار سمجھا ہے جیسے دوسرے عقد کو گویا سمجھ لیا گیا ہے۔

عبدالماجد

خ۔ خط عبدالماجد کا میرے بھائی صاحب کے نام ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں میں خطاوار ہوں اور اگر افتراق کی تفصیل اور سچائیاں یہی ہیں تو مجھے ضرر پہنچ رہا ہے۔ اس کے ہفتہ بھر ہی کے بعد میرے نام جو خط آیا ہے اس میں ہر قصور باطل بری الذمہ قرار دی جاتی ہوں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ صحیح بات عبدالماجد کے نزدیک پہلی ہے یا دوسری ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہؓ کا بیویوں کو طلاق دینا یہ میری تسلی کے لیے لکھا گیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم پر صلوات بھیجنے کے لیے طلاق ہنوز نہ ہوگی، دنیا دی۔ ہمیں بری ہیں مگر شریفوں کے جذبات کے موافق جیسی ہو سکتی ہیں فاہر ہے ــــ عبدالماجد نے مہر کے روپے بھی بھائی صاحب کے پاس روانہ کیے تھے۔ لیکن میں نے واپس کر دیے ــــ اس کے بعد میں نے تھانہ بھون مولانا اشرف علی صاحب کے پاس اور دارالعلوم دیوبند مولانا حسین احمد صاحب کے پاس خطوط بھیجے کیونکہ عبدالماجد مولانا اشرف علی صاحب کے معتقد اور مولانا حسین احمد صاحب کے مرید ہیں۔ ان حضرات کے پاس خطوط بھیجنے کی غرض شرف یہ تھی کہ ممکن ہے اس صیبت قبیحہ سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے مولانا اشرف علی صاحب نے تو میرے خط کا کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ مولانا حسین احمد صاحب نے جو خطوط بھیجے اور بھائی صاحب کو تحریر فرمائے وہ نقل کیے جاتے ہیں۔ اصل خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔

محترمہ من سلکم اللہ تعالےٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ کا والا نامہ حسرت اور رنج سے بھرا ہوا پہنچا۔ نہایت زیادہ قلق اور افسوس ہوا۔ اللہ تعالےٰ آپ کی دستگیری فرمائے آمین ــــ میں مولانا عبدالماجد صاحب کو کچھ زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ پہلے مجھے بہت سی باتوں کا وہم و گمان بھی نہ تھا جو کہ بعد کو معرض پیش آئیں۔ وہ آپ کے کسی معاملہ میں بد خلقی وغیرہ کے شاکی نہیں ہیں۔ انہوں نے نکاح سے پہلے مدت دراز تک فکر و غور اور جدوجہد جاری رکھا نہ کوئی مناسب اور مفید موقعہ ہاتھ آجائے جہاں پر آپ کا مقدمہ ثانی ہو جائے گو وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتے۔ تب انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ میں خود ہی عقد کر لوں اور جیسا کہ انہوں آپ سے وعدہ کیا تھا۔ اسی ارادے میں پختہ تھے گو عقد کرتے ہی ان پر جانبین طرف سے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ گھاٹی اس قدر دشوار گزار ہوگی۔ بالآخر وہ صبر نہ کر سکے۔ اور یہ معاملہ پیش آیا۔ خط و کتابت میں جو آخری جواب ہوگا میں پھر پیش کروں گا ــــ محترمہ من! قسمت کی بات کوئی نہیں جانتا۔ راضی بہ تقدیر رہنا چاہیے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے لیے بہترین صورت پیدا کر دے۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو چاہیے۔ والسلام ۲۰ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

دوسرا خط ملاحظہ ہو۔

محترمہ من سلکم اللہ تعالےٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ کا والا نامہ باعث سرفرازی ہوا تھا۔ چونکہ میں تقریر بخاری سے پھوٹے پھنسی وغیرہ میں مبتلا ہوں۔ اور ہر مشاغل تدریس وغیرہ سے فرصت بلیت کم ہوتی ہے۔ اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ مولانا عبدالماجد کا والا نامہ آیا تھا، وہ اپنی انتہائی بھول پن

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا ذکر کرتے ہیں ان کو اس قسم کی مجبوریوں کا خیال تک بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ جو ان کے پہلے کمالات سے اور اب کے کمالات سے پتہ چلتا ہے وہ یہ بھی ہے کہ ان کو آپ سے پہلے بھی ہمدردی ہی نے مجبور کیا تھا کہ مقدمہ کریں۔ ان کی ہرگز نیت نہ تھی کہ مفت خواستہ وہ جدا کریں گے۔ مگر یہ واقعات اعزہ و اقارب اور خصوصاً والدہ ماجدہ وغیرہ کے احکام کے ایسے بیچ آئے کہ سوائے مرجھکانے کے کوئی چارہ کار ہی نہ سجھا کو بھی سخت افسوس ہے کہ ایسا واقعہ کیوں پیش آیا اور ان کو بھی بہت ہی زیادہ رنج اور الم ہے۔ مگر تقدیر الٰہیہ میں کس کا چارہ ہے۔ آپ کے لیے اگر خوش قسمتی مقدر ہوتی تو مولوی عبدالرحمٰن صاحب ہی کا منقل کیوں ہوتا۔ مالک تضاء و قدر نے جس طرح چاہا مقرر فرمایا، کسی کا اس میں کیا اختیار ہے۔ آپ نے بہت بڑا جہاد کیا تھا کہ نکاح ثانی قبول فرمایا۔ اب یہ دوسرا جہاد پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دستگیری فرمائے اور دین و دنیا میں آپ کی فائز المرامی اور خوش کامی کی صورت فراہم فرمادیں لائے۔ اب بجز صبر و شکر کیا چارہ ہو سکتا ہے۔ مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں مصارف روانہ کرتا ہوں مگر آپ کی طرف سے واپسی ہوتی ہے اس لیے مرض کرتا ہوں کہ وہ جو کچھ اخراجات کے لیے روانہ کریں قبول فرمایا کریں کیا عجب ہے کہ وہ اپنی زندگی بھر آپ کی اس قسم کی خبر گیری فرماتے رہیں۔ آپ کو اب بجز صبر کیا چارہ ہے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ کریم و کارساز آپ کی پردہ غیب سے اعانت فرمائے۔ آمین

از ڈیوبند — ننگ اسلاف — حسین احمد غفرلہ

۱۹ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

اسی سلسلے میں بھائی صاحب کے پاس جو یہ فاحسین احمد صاحب کا خط آیا ہمیں بھی مدرج ذیل کیا جاتا ہے۔

محترم المقام جناب فیض آب انشی حبیب الرحمٰن صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ باعث مسرت ازدیاد ہوا۔ میں نے مولانا عبدالماجد صاحب سے اس امر میں خط و کتابت کی۔ یہ تو سراسر کہا سنا والا خاتمہ کون و مکان ہی ہے مگر جہاں تک ان کی پہلی اور اب کی تحریرات اور زبانی گفتگو میں بتلاتی ہیں ان کی نیت بد نہ تھی اور اس عقد ثانی میں ان کو محض ہمدردی اور خیر خیری پیش و مرحمہ کی مقصود تھی، اسی کے ساتھ ساتھ عقد ثانی کا امر بھی منظور تھا۔ اگرچہ انہوں نے اس امر میں مستقبل کی دشواریوں کو سوچا سمجھا تھا مگر ان کو اندازہ میں غلطی ہوئی جس قدر وہ سمجھے تھے اس کے متعلق ان کا گمان تھا کہ میں تحمل کروں گا، مگر خلاف امید ان کو اس قدر مشکلات کا سامنا ہو گیا جس کو تحمل کرنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ اور پھر بھی ایک عرصہ تک وہ برداشت فرماتے رہے مگر جب یہ بالکل ہی مجبور ہو گئے اس

لہ بالکل غلط ہے صرف سو روپیہ جس کو رقم کے لفظ سے مولوی صاحب نے تعبیر کیا ہے روانہ کیے تھے وہ میں نے واپس کر دیئے تھے۔ عبدالماجد نے طلاق کے بعد میرے پاس ایک پیسہ نہیں بھیجا۔

وقت بجز اس صورت کے کہ وہ سے کوئی مفر کا نظر نہ آیا۔ انہوں نے اپنی قادیانی سسرال والوں کے حوالہ کر دیا۔ ان کو برداشت کیا اور کے اعزہ و اقارب کے طعنوں اور تشنیع کو جھیلا۔ قریب کے رشتہ داروں کی بھی گوارا جدہ کے احکام کا مقابل و مناسخت دشوار اور دین و دنیا کی بربادی کا باعث تھا جناب کو معلوم ہے کہ حکم شرع کی رعیت انسان مجبور ہوجاتا ہے کہ اگر والدین بلا سبب بھی لڑکے کو طلاق کریں تو اس پر ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی خوشی الیہ سے جدائی اختیار کرلے اگرچہ انہوں نے عقد سے پہلے اپنی قادیانی اہلیہ اور والدہ ماجدہ اور بڑے بھائی وغیرہ کو راضی کر لیا تھا مگر بعد از عقد یہ سب کچھ دل میں بدل گئے اور ایسی ایسی مشکلات ان کے سامنے آگئیں کہ ان کے موجود ہوتے ان کا اپنے وطن اور گھر بار میں رہنا اور زندگی بسر کرنا دشوار تر یکہ آقر یبا محال ہو گیا۔ یہ سب بھی جھیل جاتے اگر والدہ ماجدہ کا حکم نہ ہوتا۔ میں مولوی صاحب موصوف کو جھوٹا نہیں سمجھتا۔ مجھ سے اس امر کے متعلق بہت زیادہ رد و قدح کی، اور نرمشت و خواند کی نوبت آچکی ہے۔ ادھر آپ کی مشکلات بھی واقعی اور بہت زیادہ رنجدہ ہیں افسوس یہ تقدیری معاملات ہیں ان میں دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ جس طرح آپ نے ایک ایسے ہونہار قابل بھائی کی موت پر صبر کیا اور یہی وہ مصیبت تھی جو کہ تمام خاندان کے لیے ایک ناقابل تلافی مصیبت تھی تو پھر اس مصیبت پر بھی صبر فرمائیں۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں مولوی صاحب موصوف رد و قدح کو مکتفی۔ شہوت پرست نہیں ہیں کہ قدر بری معاملات کے سامنے ریس بڑوں کو گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں اور جن باتوں کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ان کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وجود خاتی کا اقرار کرنا مشکل ہو جائے۔ آپ کی حالی فرقی اور شرافت کا مقتضی یہی تھا جو جناب نے کیا کہ ایسی صورت کو گوارا کر لیا اور اپنے سے پرہیز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے اور آپ کی مشکلات کو دور فرمائے۔ دعوات صالحہ اور خدمات لائقہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام از دیوبند ۱۹ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

ننگ اسلاف — حسین احمد غفرلہ

میری حالت شدت رنج و غم سے بالکل دیوانوں جیسی ہو گئی، مجھ میں بالکل سکت نہ رہی، ہاتھ، پیر اور بقیہ تمام جسم ٹھنڈا ہو گیا تھا مگر میں ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کا علاج ہوا۔ میں اپنی اس روی حالت سے ذرا بھی شکر یہ نہ تھی۔ میری دلی تمنا یہی تھی کہ موت آکر جلد میرے مصائب و آلام کا ایک لخت خاتمہ کر دے ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے علاج سے مجھے قدرے سکون ضرور ہوا۔ لیکن اب چار پانچ دن سے میری حالت روز بروز بالکل مدھی ہوتی جاتی ہے۔ اٹھنے بیٹھنے سے بالکل معذور ہوں۔ اب چار پائی پر سے ہلنے کی طاقت بھی نہیں ہے۔ اعضا میں وہی کیفیت تھی، حرارت قائم ہو گئی تھی اکھائی بے حد

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھی گرب چار پانچ روز سے بلغم کے ساتھ کچھ خون کی آمیزش ہے، علاج ہو رہا ہے لیکن بظاہر کوئی امید نہیں خدا نہ کرے کہ میری دلی تمنا یہی ہے کہ مجھے جلد از جلد ان دنیاوی مصائب سے نجات دے اور اپنے حبیب پاک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل میں ایماں کے ساتھ اپنی اس ادنیٰ کنیز کو آغوش رحمت میں لے کر خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین یارب العالمین۔ ان تمام واقعات میں سب سے زیاں قابل لحاظ یہ امر ہے کہ عبدالماجد نے پیر مولوی حسین احمد صاحب کو تو طلاق کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ والد نے مجبور کیا اور میرے بھائی کو جو خط لکھا ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسباب افتراق کی تفصیل اب تک میں نے آپ ہی لوگوں کی دلشکنی کے خیال سے نہیں کی تھی مایسانہ ہو کہ آئندہ مجبور یہ بھی کرنا پڑے۔۔۔۔۔ آئندہ اس قسم کے خطوط لکھ کر مجھے مجبور نہ کیجیے کہ تمام بھائیوں کو ظاہر کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں تحریروں میں سے ایک بھی سچی نہیں لیکن عبدالماجد نے چال چلی کہ ادھر تو اپنے پیر کو بھی خوش رکھنا چاہا اور ادھر میرے امر کو ایسا خلط ملط کیا، جس سے وہ ڈھائیں اور اس معاملہ کو آگے نہ بڑھائیں، دوسرا جھوٹ انہوں نے اپنے پیر سے یہ بولا کہ وہ معاف رواۃ کرتے ہیں لیکن میں واپس کر دیتی ہوں۔ حالانکہ یہ بھی بالکل غلط ہے۔ علاوہ اس کے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ پہلے شادی کے وقت عبدالماجد ایسے مدعی نہ ہوں تعالیٰ نے اپنی والدہ سے اجازت نہ لی تھی یقیناً ہے، پھر نکاح کے بعد ان کی مخالفت کیسی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیر مولوی حسین احمد صاحب کو (خلاف والدہ کا) جو سبب بتایا وہ بھی بالکل بے بنیاد ہے۔

بہر حال میں ان تمام واقعات کو پبلک اور علماء دین و اکابر ملت کے سامنے رکھ کر متمنی ہوں کہ وہ خود فیصلہ کریں اور دیکھیں کہ دنیا میں ایسی بزرگ صورت، حلیم پوش، تسبیح خواں عورتیں بہت ہی ہوتی ہیں جن کے دل خواہشات نفسانی، مکر و فریب اور نفاق سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور وہ اسی طرح غیظ طور پر ظلم کرتے رہتے ہیں جن کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔

میرا ارادہ تھا کہ یہ واقعات ملک کے سامنے پیش کیے جاتے کہ مگر عبدالماجد کے مظالم سے مجھ پر تو جو کچھ مصیبت گزرنا تھی گزر رہی ہے۔ دق و سل جیسے لاعلاج مرض میں مبتلا ہو کر زندگی کے دن گن رہی ہوں لیکن میں چاہتی ہوں کہ میرے اس جگر لازد افقہ سے میری بہنیں اور اُن کے والدین عبرت حاصل کریں اور ایسی مقدس ہستیوں سے بچنے اور بچانے کا ہمیشہ خیال رکھیں اور ملک کو بتائیں کہ ایسے لوگوں سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

لہ مرحومہ کی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں مستجاب ہوئی اور وہ جلد ہی اس زخم کو سینے سے لگائے ہوئے خلد کی پیاری ہو گئیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

زندہ درگور

از: بیوہ مولانا عبدالماجد صاحب ندوی مرحوم

مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۳۶ء

مکرم آفسن۔ نظیر آباد

لکھنؤ

باہتمام

کے۔ بی۔ اگروال شانتی پریس۔ الہ آباد

خواجہ حسن نظامی (دہلی)

مولانا عبدالماجد کی بیوی سے مولانا عبدالماجد دریابادی کے نکاح، پھر طلاق پر ان کے حالات جو ترتیب الحکم کھڑی ہوئی تھی[1] اس میں لکھنؤ کے ایک رسالے اور خواجہ حسن نظامی کے ہفت روزہ "روزنامچہ" دہلی نے خاص حصہ لیا۔ مولانا دریابادی نے معاملے کی صفائی اور اپنے دفاع میں متعدد حضرات کو خطوط لکھے تھے۔ ان میں مولانا حسین احمد مدنی کو خط لکھا کہ والدہ ماجدہ کے حکم کی تعمیل میں طلاق دینی پڑی، حافظ عزیز حسن بقائی کو لکھا کہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو شرع کے خلاف ہو۔ لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر سید خواجہ عبدالرشید کو خط لکھا کہ پہلی بیوی کی تو حاصل کرنے کے لیے نکاح کیا تھا، مقصد حاصل ہو گیا تو طلاق دے دی، مطلقہ کے بھائی کو دھمکی آمیز خط لکھا:

"اسباب افتراق کی تفصیل اب تک میں نے آپ ہی لوگوں کی دلشکنی کے خیال سے نہیں کی تھی، ایسا نہ ہو کہ مجبوراً یہ بھی کرنا پڑے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے مادر کو کسی نے تسلی نہیں کی، سب کا فیصد یہی تھا کہ مولانا نے بے ضرورت نکاح کیا اور بے سبب طلاق دی اور اپنے اس فعل کے جواز کے لیے شریعت کا نام استعمال کیا[2] اس سلسلے میں نہیں مختلف خطابات سے نوازا گیا۔ مولانا دریابادی نے خواجہ حسن نظامی

---

[1] ماخذ: ہفت روزہ روزنامچہ، دہلی۔ بابت یکم مئی ۱۹۳۶ء

[2] خواجہ حسن نظامی نے اس واقعے کو صرف مولانا دریابادی کے ذوق تفریح، عیش طبعی سے تعبیر کیا، بلکہ مولانا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے نام مندرجہ ذیل خطابات کو خود ہی نقل کر دیا ہے۔

بسم اللہ

ایڈیٹر مرزہ ناچیز کے نام نہیں، بلکہ ہر اس بیسرے والے خواجہ سن نظامی کے نام

اے جفائے تو ز دولت خوب تر — وانتقام تو ز جاں محبوب تر
ماشتم بر قہر و بر لطفت عجب — اے عجب من عاشق ایں ہر دو ضد
ناخوش تو خوش بود در جان من — جاں فدائے یار دل رنجان من

(عارف رومی)

از سابق "فلسفی شاہ" وغیرہ وغیرہ

حال "غلام و جلاد" مفسری "کذاب نفس پرست" دجاش وغیرہ

حیدرآباد

۲۲ر اپریل ۳۳ء

مولانا اشرف علی تھانوی (دفاع بیان، مطبع سہانپور)

مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کے رسالے "الاصلاح" میں کوئی مضمون نکلا تھا، اس کے بعض خیالات کو بنیاد بنا کر تھانہ بھون سے کفر کا فتویٰ جاری کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں مولانا حمید الدین فراہی نے مولانا اشرف علی تھانوی کو خط لکھا کہ یہ تو دین میں غلو ہے جس کا الزام آپ بریلوی حضرات کو دیتے ہیں۔ یہ دو خط ہیں جو حکیم الامت کی تالیفات کے وقت چھوٹ گئے تھے۔ مکتوب نگار نے ان کے تمہیدی نوٹ میں کہا تھا کہ خیال "حکیم الامت" کے دوسرے ایڈیشن میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا جائے۔ افسوس کہ کتاب کے پاکستانی ایڈیشن میں یہ پھر چھوٹ گئے۔ اس فتوے پر مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا تھانوی کے دستخط

اور مہروں کے جرائم میں شمار کیا ہے۔ وہ اس سلسلے میں آگے بڑھ گئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بڑھاپے میں ایک معتقد کی، اپنے ہی زیر تربیت و تعلیم بیٹی سے نکاح پڑھوا لینے اور مولانا شوکت علی کی اپنی ۲۳ سالہ اگھڑ بیوہ سکر بڑی سے، جسے اس کے بیٹے، اہل دل پسند کرتے تھے، نکاح کر لینے کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ مولانا علی صاحب اپنی والدہ کو لیکر اسی سے بھاگ نکلے تھے اور کراچی میں سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کے مکان پر رکھا تھا۔

عہ مثنوی میں "لطفت" اور "نوش تو" کی جگہ "لطفش" اور "نوشِ او" ہے۔ مکتوب نگار نے یہ تصرف حسب حال کر لیا۔

تھے۔ بعد میں دونوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔[1]

(۲)

۲۶ر جولائی ۳۶ء

سیدی و مولائی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا مناظر احسن صاحب کی مطبوعہ تحریریں بہ غرض ملاحظہ ارسال خدمت ہیں۔

صورتِ حال میں جو کچھ ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ میں نے بہت چاہا کہ قبل اس کے کہ ادھر سے سلسلۂ تحریر شروع ہو آپ کا اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا بیان شائع ہو جائے۔ فتویٰ تکفیر کی نوبت میرا تو خیر ذکر ہی کیا، مولانا سید سلیمان اور مولانا سید مناظر احسن (حضرت مولانا حسین احمد، تمام علمائے دیوبند) اور بہت سے علماء و دیوبندی سب ہی آ رہے ہیں۔

ایک اہل علم نے جو میری ہی طرح جناب والا اور حضرت مولانا دونوں سے یکساں اخلاص و عقیدت رکھتے ہیں۔ بڑی حسرت و دلسوزی سے کہا کہ اب تک تو ہم اسی کو رو رہے تھے کہ دیوبند اور تھانہ بھون کی سیاسیات الگ الگ ہیں، اب دنیا پر اس کا بھی اعلان ہو کر رہا کہ دونوں کا دین بھی الگ الگ ہے۔

منصبِ مفتی سے جناب نے جو ارشاد فرمایا وہ ضابطہ سے بالکل درست سہی۔ لیکن پھر آخر بریلی والے کیوں بدنام ہیں وہ بھی تو یہی کرتے ہیں کہ صاحب تقویۃ الایمان، حفظ الایمان وغیرہ کے اور سارے عقائد سے۔ ان کے تقویٰ و تقدس سے قطع نظر کر کے درمیان سے ایک آدھ فقرہ یا ایک آدھ لفظ لے لیتے ہیں۔ اور اسی پر تکفیر کر ڈالتے ہیں۔

رسالہ الاصلاح صفحہ ۱۰ کی یہ کیا ہے کہ خود جناب ہی کے ایک وعظ کا بڑا طویل حصہ جو اعتیاد اور بار بار تکمیر میں ہے میں نے خود بھی کلیہ مثنوی ہیں یہ مضمون پڑھا تھا اصل الفاظ یاد نہیں خلاصۃً لکھ رہا ہوں، کہ مولانا کا کوئی ایک جملہ جو خلافِ شریعت نظر آئے۔ اس پر رائے نہ قائم کی جائے۔ بلکہ سارے کلام کو ملاحظہ رکھ کر کی جائے۔ ابھی وہی چلہ جیسکن کی بات ہے کہ مولانا سید سلیمان نے اپنی شدید علالت کے دوران میں جناب کو خواب میں دیکھا تھا اور کہتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے یہ حضرت مجھے چھوڑیں گے نہیں۔ یعنی اغیر اپنے حلقۂ

[1] مولانا تھانوی کے جوابی خطوط کے لیے دیکھیے "حضرت تھانوی کے دو اور مکتوب" صدق جدید ۸ر اگست ۱۹۵۸ء ص ۱۰ تا ۱۲۔ اشاعت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی طرف ہے۔

اسادت میں لیے نہ رہیں گے۔

کہاں میرا دل اس سے باغ باغ ہو رہا تھا۔ کہاں آج یہ دن دیکھنا نصیب ہو رہا ہے!

والسلام

محتاج دعا: عبدالماجد

(۳)

کتب نگاہ کے آخری جملوں سے مولانا تھانوی کو اس مطلب کا شبہ ہوا کریں تو انہیں آپ کا مرید بنانے کی فکر میں تھا، آپ نے ان پر کفر کا فتویٰ لگا کر انہیں اپنے سے اور بھی دور کر دیا۔ کتب لیہ نے اس کی تردید کی تھی۔ یہ معذرت نامہ اس شبہ کے مذہبیں ہے۔

سیدی و مولائی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

پچھلا والا نامہ ملفوف ہے۔ آخری سرخ نشان زدہ عبارت سے شبہ ایسا ہو رہا ہے کہ گویا میں نے جناب کے کسی عمل کے اخلاص میں اشتباہ ظاہر کیا تھا۔ اور اسے لوگوں کے معتقد رکھنے، جانے پر محمول کیا تھا۔

استغفر اللہ۔ یہ خیال تو آپ کے ادنیٰ خدام کے لیے بھی نہیں رکھتا چہ جائے کہ خود جناب سے متعلق۔ اس تصور ہی سے تکلیف ہو رہی ہے کہ میرے کسی عبارت سے ایسا سمجھا ہی کیوں گیا۔ مولانا سلیمان کے خواب کا ذکر اور دوسرے تذکرے سے تو انتہائی حسرت کے اظہار کے لیے تھے کہ دین کے دو مخلص خادموں میں تعلقات یگانگت کی بنیاد پر کر پھر کارڈ پیدا ہو گئی اور دُنیوی نامی صدور ہم من خلل کا نظارہ بھائے رہنا کہ پھر آخرت پر اثر پڑ رہا۔ کوئی شفیق باپ اور بڑے بھائی کے درمیان ایک مدت تک ان کے بچھڑے رہنے کے بعد خوشگواری دیکھے گا۔ تو طبعاً مسرت ہوگی۔ اور جب پھر انقباض پائے گا تو اپنا دل بھی حسرت سے مرجھا جائے گا۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ باپ کو کسی درجہ میں بھی مخالفت برتنا چاہیے۔ والسلام

محتاج دعا

عبدالماجد

طوکت تھانوی

(۱)

اس خلاصہ منشی ہی سے اقتباس عزت تھانوی کے مزاحیہ نمبر کی طرف ہے جو لکھنؤ ریڈیو سے نشر ہوتا تھا اور گرامافون سے شائد عبدالرقت رقت اسرد ہوی کے بھونڈے کلام کی طرف

ہے جس پر تھانوی صاحب مولانا سے مقدمہ لکھوانا چاہتے تھے۔

دریا باد

۲۲ مارچ ۱۹۳۶ء

بسم اللہ

وعلیکم السلام

بندہ نواز!

میں تو منتظر خود "منشی جی" کی آمد کا تھا بہ نفس نفیس اصلاً بالشرکت غیرے وآمیزش۔ وہ آتے تو سہی لیکن اس سج دھج سے کہ کسی کا ہاتھ پکڑے ہوتے لا رہے ہیں اور کسی کے سہارے پیری بنے ہوتے ہیں!

یہ منشی جو کیل کب سے ہو گئے۔ خود "منشار" تو ہمیشہ سے تھے یہ "منشاری" کا جبہ کب سے پہن لیا۔؟

"لکچر" سونگھ لیا۔ "گرامافون" کے "رنگ وروپ" کی سیر کر لی۔ آپ کے شائد صاحب تصنیف کے کلام کا انتخاب خوب اور بہت خوب کرتے ہیں یہ دلیل ہے ان کی سخن بینی، سخن گوئی کی۔

والسلام

دعاگو: عبدالماجد

(۲)

تھانوی صاحب نے "مذلہ" کے عنوان سے نقوش لاہور میں مولانا دریا بادی پر مضمون لکھا تھا اس سے مطلع ہو کر یہ خط لکھا۔

دریا باد

۱۷ فروری ۱۹۳۶ء

بسم اللہ

"مذلہ" کی طرف

سے

عزیزی سلمہ کو

تو تبسم بھی شریک ناز ہوا

آج کچھ اور بڑھا گئی قیمت میری

والسلام

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳)

شرکت تھانوی کا ایک مضمون "سانپ اور خاں" پڑھ کر مولانا ردیابادی نے یہ خط لکھا۔

ردیا باد
۲۲ مارچ ۱۹۵۶ء

نحمدہ اللہ

عنوان "سانپ اور خاں" پڑھ کر

یہ سانپ مکے لیے "مار" کیا خوب
یہ تحول شعشعے "ن م ر ا ہ"

عبدالماجد

(۳)

ردیا باد
یکم مارچ ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

برادرم!

وعلیکم السلام

فرمایئے آپ بدستور لاہور ریڈیو میں ہیں؟ ماشاء اللہ یہ مضمون ہے کہ
ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

بہرحال اڑتی سی خبر کان میں پڑی ہے کہ آپ حال میں اڑ کر چانگام پہنچے تھے اور عنقریب لندن کی پرواز کے لیے "پر تول" رہے ہیں، "اندری" "بلند پروازیاں"

والسلام

دعاگو: عبدالماجد

(۱)

ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی[1]

"عزیز" اور "مکرم" مکتوب الیہ نے اپنے دو مضمون صدق میں اشاعت کے لیے بھیجے تھے۔ مولانا علی مکتوب الیہ کے چچا تھے۔

دریاباد ضلع بارہ بنکی
۱۴ دسمبر ۱۹۴۵ء

عزیزی سلمہ! وعلیکم السلام

خط میں تو کوئی بات جواب طلب نہیں

[1] ڈاکٹر صاحب کے نام یہ خطوط خود انہوں نے صدق جدید ۲۱ ستمبر ۱۹۸۳ء میں شائع کرا دیے تھے۔

غریب کی آمد آمد، اچھا مضمون ہے۔ صدق کے پاس باہر کے مضامین کا ایک انبار عظیم اکٹھا ہوا ہے۔ گنجایش ہوتی تو ضرور درج کر دیتا۔ محرم کے لئے میں تلی ہوئی ہے اسے کوئی مشکل ہی سے چھاپے گا اور مقصد الصلاح بھی اس سے حاصل نہ ہوگا۔

میاں سلیمان کی شادی معلوم نہیں کہاں ہوئی۔ دعوت نامہ تو آیا تھا۔

یکم جنوری سے انشاء اللہ ردیاباد کی طرح سندیلہ کے مسافروں کی بھی مشکل آسان ہو جائے گی۔ پنجاب ایکسپریس سب اوقات سابق چلنے لگے گا۔ علاوہ موجودہ دھرہ ایکسپریس کے)۔

بھائی ارتضیٰ علی صاحب کا وہی حال ہوگا۔ عمر سے کچھ سنا نہیں

آغاز یہ تھا کہ دل بڑھاتا تھا — جو بت تھا نگاہ پر چڑھاتا تھا
انجام یہ ہے کہ سر رہے ہیں — اللہ اللہ کر رہے ہیں (اکبر)

والسلام

دعاگو: عبدالماجد

(۲)

دریاباد ضلع بارہ بنکی
مورخہ ۵ ستمبر ۶۶ء

عزیزم! السلام علیکم

پروفیسر عبدالرحمٰن بارکر کی خبر آمد لکھنؤ کل سرِ پہر کو ٹی آواز سے معلوم ہوئی۔ لکھنؤ سے باہر رہنے کا نمایاں ایسے ہی موقعوں پر اٹھانا پڑتا ہے۔ اب تو شاید چلے گئے ہوں گے۔ خدا معلوم کب آئے؟ کہاں ٹھہرے تھے؟ علم ہو جاتا تو ضرور ان سے ملنے پہنچ جاتا۔ دو ڈھائی سال ہوئے میری ان کی مراسلت اردو میں ہوئی تھی۔ ان کا مفصل خط بہت اچھا تھا بیٹھ کر مشرقی انداز کا لکھا ہوا۔ اگر اب بھی ہوں تو میرا سلام پہنچا دیا جائے اور یہ مصرع بھی

؎ بھول جانا ہمارا یاد رہے۔

لکھنؤ میں وہ مسلمان کس کے ہاتھ پر ہوئے تھے؟ اور محرکات اسلام کیا ہوئے تھے، یعنی کیا پڑھ پڑھ کر؟ اس طرح کے معلومات بطور خود ان سے حاصل کر لیجیے گا یہاں سے کہاں گئے؟

(۳)

بس تحریر میں مکتوب الیہ کی فکر اور علی نوید پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ علی احمد مکتوب الیہ کے عزیز، دوست اور مولانا مدیاباد کی کے عقیدت مند

دریاباد ضلع بارہ بنکی ۲۶ اپریل ۱۹۵۵ء

عزیزی سلمہ اللہ السلام علیکم

لکھنؤ ریڈیو کی فرمائش ۲۷ کی شام کے لیے پہنچی۔ اول تو ۲۴ کو میرا پروگرام لاہور وغیرہ کے لیے (ڈیڑھ ہفتہ کا) ہے خیر اس کے لیے تو یہ ممکن تھا کہ ۲۴ ہی کو ۱۰ بجے ریکارڈ کرا لیا جائے لیکن بڑی بحث یہ نکلی کہ گفتگو نہیں، مباحثہ ہے ـــــ مباحثہ میرے لیے تکلیف دہ چیز ہے۔ بڑا وقت اس میں صرف ہو جاتا ہے۔ ایک بار مجھے ظفر حسن خاں اور آپ یا عبدالاحد خاں خلیل کے ساتھ گھما دیا گیا تھا۔ بجائے ۵ منٹ کے ۴۵ منٹ لگ گئے اور جب بھی کسی شکل سے ختم ہو پایا۔

ظاہر ہے کہ اس کے لیے Script تیار کر کے کیسے لا سکتا ہوں۔ وہ تو عین اسی وقت تیار ہوگی۔ اس دور سر کے پیش نظر میں تو انکار لکھے بھیجتا ہوں۔

محض اسکرپٹ تیار کرنی ہوتی تو ایسا انداز رکھتا کہ بحث و مباحثہ کی گنجائش ہی اس میں بہت کم نکل سکتی۔ ریڈیو کا خط ۳ کی شام کو ملا تھا۔ ۴ کو صبح اگر جواب لکھتا تو بھی آج ہی ۱ بجے کو وہاں پہنچا۔

والسلام

دعاگو، عبدالماجد

ارنظم زبانی ہی سن کر پسند آئی معاف میں پڑھ کر اور زیادہ لطف آیا۔ ماشاء اللہ وجزاک اللہ۔ نور ملی نور علی احمد سے داد زبانی کہلا بھیجی تھی۔

(۴)

سید منزل حسین مرحوم کتب بینی کے بڑے شوقین اور کتب نگاری کے رشتے میں جناب مسقد اور انہی کے ہم عمر تھے۔

دریاباد ضلع بارہ بنکی ۲۷ مئی ۵۵ء بوقت شام

عزیزم سلمہ اللہ وعلیکم السلام

بچی کی شادی اللہ ہر طرح مبارک کرے ـــــ اللہ کی شان کہ ابھی کل تک جو خود ایک کم سن لڑکا تھا، آج باپ ہے اور باپ ہی نہیں بلکہ بیٹی شادی کے قابل ہو گئی۔ اور عنقریب خود نانا یا دادا بن جانے والا ہے۔ تقریبات میں شرکت کا اتفاق اب کم ہی ہوتا ہے۔ آں عزیز کے یہاں شرکت کر یوں بھی سوچ رہا تھا کہ معلوم ہوا کہ یہاں منزل جلیل ہو کر آئے ہیں۔

اب تو حاضری لازمی ہو گئی۔ تہنیت پر اضافہ عیادت کا۔ انشاء اللہ آؤں گا۔ دعاگو،

عبدالماجد

(۵)

دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی ۳۰ مارچ ۱۹۵۶ء

عزیزم السلام علیکم

کچھ متفرق اوراق ایک اردو ڈکشنری کے لکھتے میں ایک کباڑیے کی دوکان سے مل گئے تھے۔ میں نے یہ گمان کر کے کہ Platters کے ہوں گے خرید لیے اور انہیں مجلد کرایا یہاں آ کر جو مقابلہ کیا تو وہ گمان غلط نکلا۔

آپ اپنے ہاں کے ذخیرے سے پتہ لگا کر یکھیے کہ یہ کس ڈکشنری کے ہیں؟

Fallon کی دونوں ڈکشنریاں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر مل سکتی ہیں تو کہاں سے ملیں گی۔

ایک کام اور یاد پڑ گیا۔ عبدالرحمان بارکر وقتاً فوقتاً لکھنؤ آتے رہتے ہیں، مجھے الاح بیشہ بعد از وقت ملی ہے ایک بار انہیں امریکہ خط لکھا کہ۔

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر

آپ لکھنؤ آتے ہیں اور اسی نواح کے سوداگر بنے پائے ہیں ہمیشہ نظر انداز کر جاتے ہیں جواب اردو میں بڑے طنطنہ کا آیا کہ اب کی آؤں گا تو ضرور ملوں گا، مگر آئے تو پھر بھول گئے۔ اب آئندہ یہ کے علم میں ان کی کبھی آمد ہو تو ذرا یاد کر کے انہیں یاد دلا دی جائے۔ والسلام

عبدالماجد

(۶)

مکتوب الیہ نے بیٹے دوسرے بیٹے سید الحسن ہاشمی کا رشتہ مولانا مرحوم کی نواسی منیبہ بنت عبدالعلیم قدوائی سے تجویز کیا تھا۔ مولانا نے آئندہ عبدالعلیم قدوائی سے اس سلسلے میں مراسلت کی ہدایت فرمائی تھی اور مولانا کی چھوٹی صاحب زادی جو عبدالعلیم کو بیاہی تھیں۔

دریاباد ضلع لکھنؤ ۲۶ جنوری ۱۹۶۳ء

عزیزم۔ وعلیکم السلام

ماشاء اللہ میاں سعید کی جو سعادت مندیاں سننے میں آتی ہیں، وہ تو بیگانہ کو یگانہ بنا دینے

toobaa-elibrary.blogspot.com

والی ہیں پہ جائے کہ جو عزیز پہلے سے ہو، اُسے عزیز تر بنا لینے میں تامل کس کو ہو سکتا ہے۔
اللہ کا شکر گزار رہنا چاہیے، اپنے عزیز زندہ کے حقیقی والدین کو اور شکر گزار تر رہنا چاہیے ایسے سعید کے مجازی والدین کو۔

بہ مسرت تمام اس رسم شکر کی سفارش علیم و زاہد سلمہا سے کیے دیتا ہوں۔ البتہ ان لوگوں کا سیتا جاری کا معلوم نہیں ہوتا وقت وہ لوگ ضرور کچھ چاہیں گے آنعزیز کی معقولیت کا بمقبولیت کا بمسرت کا۔ تھوڑا بہت علم ہے۔ اگر اُدھر کی اس معذوری کا خیال رکھ لیا جاتے تو انشاء اللہ ایک مزید تجربہ شرافتِ نفس، بلکہ کرامتِ نفس کا ہو جائے گا

آئندہ مراسلت بہتر ہوگا۔ کہ براہ راست میاں علیم سلمہ سے رہے۔ والسلام
دعاگو عبدالماجد

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

السلام علیکم
مسلم کانفرنس[1] لکھنؤ میں آپ کی تقریر پڑھ کر حج
غازی چوتھی رواست کا ذبیحہ دن
جزاک اللہ خیر الجزاء۔ والسلام
دعاگو و دعاخواہ:
عبدالماجد
یکم جنوری ۱۹۴۸ء

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

(۱)

آرزو صاحب!
آپ کے ذوق ادب کا قائل تو میں میگزین کا پہلا نمبر پڑھ کر ہو ہی چکا تھا۔ آپ کی جرأت کا قائل ہونا پڑ رہا ہے کہ آپ اس "ترقی" اور "ترقی پسندی" کے دور میں غالب مرحوم کا نام زندہ کرنے

ماخذ: جمعیت علمائے ہند کی بنیادی دستاویزات، ص ۲۸

[1] یہ کانفرنس ۲۰، ۲۱ دسمبر ۱۹۴۷ء کو جمعیت علمائے ہند کے زیر اہتمام مولانا ابوالمحاسن آرزو کی صدارت میں ہوئی تھی جس میں مولانا سیوہاروی نے نہایت پرجوش اور فکر انگیز تقریر سے پیش آمدہ حالات میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی تھی۔

کی فکر میں لگے ہوتے ہیں!
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں!
آپ کو یہاں طریقت کی اس ہستی کا بھی وجود نہیں کہ پیر بڑے مُرشد الکبیر نا نہیں تو اور کیا ہے!
غالب بیچارہ محمد نعت کہنے والا، توجہ حضرت تصوف یا سلک کو تو تزلزل طرح پر نظم کرنے والا، قدیم عاشقانہ غزل گوئی کا دم بھرنے والا، "بوزنہ و" موسائٹی کا شاعر، زندہ و قافیہ کی پابندیوں میں جکڑا ہوا، معریانی و خاشی کے آرٹ سے ناآشنا، صنعت بے ہنری سے بے بہرہ، رکاکت و ابتذال سے محروم، اس قابل ہی کب تھا، کہ آج کوئی اس کے نام کو جگائے اور اس کے حق میں فاتحہ خیر کو اٹھ جائے!
حضرت غالب کا مرتبہ فارسی شاعری میں بھی یقیناً بہت بلند تھا۔ لیکن مجھ بے بصر تنگ نظر کے علم میں تو اردو میں جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے، کوئی شاعر اس پایہ کا نہ غالب سے قبل پیدا ہوا تھا۔ نہ غالب کے بعد آج تک ہوا ہے۔ گو اس میں شبہ نہیں کہ بعض بعض معاندین نے اپنے اندر خالیت و خوب خوب پیدا کر لی تھی۔
اور یہ کم سواد بے استعداد، تو حضرت غالب کی شاعری ہی کی طرح اُن کی اردو نثر کا بھی دلدادہ بلکہ قتیل ہے۔ خصوصاً جب سے کہ اُن کے خطوط کا مجموعہ مرتبہ مولوی مہیش پرشاد جاری نظر سے گزرا ہے۔ البتہ ہدیت سطر سطر نمایاں ہے۔ غالب اس آئینہ میں ایک مکمل انسان، ایک بیدار خاص نظر آتے ہیں اور اسی حقیقت کی جلوہ آرائی انشاء پردازی کا منتہائے کمال ہے؟
دُعاگو، عبدالماجد
دریا باد، ۲۳ مئی ۴۹ء

(۲)

برادرم وعلیکم السلام
بیدار آرزو میں تو میں خود ہی حسرتِ مجسم بنا رہا! غالب کے لیے مضمون کی فرمائش مجھ، منکوب سے! وقت کس کے ہاں سے لاؤں۔ آپ کا کارڈ دیر ہی غفلت سے انبار کاغذات کے نیچے دب گیا تھا۔ اتفاق سے نوک نظر پڑی، دل نے بڑی شرمندگی محسوس کی۔ بہر حال چند سطریں اُلٹی سیدھی لکھے دیتا ہوں۔ الغالب اگر یہ چلیں تو اتم سلمہ سے پڑھوا لیجیے گا۔ والسلام
دُعاگو: عبدالماجد
دریا باد، ۲۶ مئی ۴۹ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

برادرم، وعلیکم السلام

ملی گڑھ اللہ اکبر! تیر نکالے! اللہ اکبر!

ہفتہ بھر شدید خانگی تردّدات میں مُبتلا رہا۔ بیوی، محبوب بیوی (محبوبیت کے لیے قید کسی سن و سال کی نہیں۔) موت و زیست کی کشمکش میں تھی۔ اللہ نے دوبارہ زندگی دی۔ میرا ایک قدم لکھنؤ میں ایک دریا باد میں۔

"عطاءِ طاہر" کے نام سے تاج کمپنی نے میری ترتیب کی ہوئی ایک کتاب ۳۴ سال ہوئے شائع کر دی ہے۔ اس کتاب کا سب سے بڑا حصّہ اکبر نامہ میں ہے۔ کچھ کم چھوٹے بڑے دو سو خطوط کا مجموعہ! اس میں سے کسی خاص خط کا نوٹو اگر منظور ہو تو تلاش کر کے وہ اصل خط آپ کو بھیج دوں۔

خود حضرت اکبر کی جوانی کا ایک بہت اچھا نوٹو میں نے اُن کے صاحبزادہ حضرت حسین مرحوم کے کمرہ میں دیکھا تھا۔ اُسے حاصل کیجیے۔ ممکن ہے نعیم الرحمٰن صاحب ایم اے (شعبۂ فارسی، عربی، الہ آباد یونیورسٹی) کے ذریعہ سے مل جائے۔ عام طور پر ایک ہی نوٹو ان کی منعینی کے زمانے کا ملتا ہے، جس سے چہرہ کی ذہانت ظاہر نہیں ہوتی۔

خواجہ حسن نظامی، مُلّا واحدی، حضرت موہانی، ماہر القادری، طالب لہ آبادی، نوح ناروی، حکیم عبدالقوی (ایڈیٹر روزنامہ "تنویر" لکھنؤ) مولوی حشمت اللہ فرنگی محلی، شاہ محیی الدین احمد ندوی ان سب کو لیجیے۔ بعض سے ضمنیں حاصل ہوں گے۔ بعض سے معلومات ملا دونوں سے۔ مرثیہ کے آخری دور میں حضرت اکبر علی گڑھ میں منتقل تھے۔ اسی دور کے لوگوں کا پتہ چلائیے۔

حضرت اکبر پر اتنا زائد اور اتنے مختلف عنوانات سے لکھ چکا ہوں کہ اب نوٹا تو ذہن کسی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ آگے اللہ مالک ہے۔ غالب نمبر پر لکھنے کی نوبت دیکھیے کب آتی ہے! والسلام

دُعاگو، عبدالماجد

۱۲ر جنوری ۵۰ء

(۴)

عزیز مکرم۔ وعلیکم السلام

کیا کہوں آپ سے کتنا شرمندہ ہوں ——— کارڈ مل گیا تھا اور اسی نے شبہ کی شام

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا مُشتاق بنا دیا تھا۔ ریڈیو ایک عرصہ سے اپنے پاس نہیں۔ ایک عزیز کے پاس ہے اُن کے ہاں کہلا دیا تھا۔

لیکن ادھر تو رکاوٹ پر رکاوٹ نے ذہن کیا اِدھر اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے بعد مغرب تیز و تُند اور باد شرر ہو گیا اور خفیف ترشح ہو گیا۔ بس عین وقت پر ہمت جواب دے گئی۔ اور سب سے بڑھ کر ہمت ممکن یہ خیال رہا کہ ایسے میں سُنائی کیا دے گا

غرض یہ کہ اب تو اس محرومی کی تلافی کی کوئی صورت اکبر اس کے نہیں کہ آپ خود ہی اس سورہ کی نقل عنایت فرمائیں۔ والسلام

دریا باد ۲۲ دسمبر ۵۲ء — دُعاگو عبدالماجد

(۵)

برادرم سلمہ اللہ وعلیکم السلام

ڈاکٹریٹ مبارک ہو ——— اللہ سے دُنیا و آخرت دونوں میں نافع کرے۔

مقالہ کس عنوان پر تھا، یہ خیال نہ آیا۔

شعبۂ عربی نیا تقرر از زیادہ قابلِ مُبارکباد ہے۔ اُستادوں کے دیندار ہونے کی ضرورت زیادہ ہی سے تھی اب کئی گنی اور بڑھ گئی ہے۔

آپ کا ۲۳ کا لکھا ہوا کارڈ ۲۵ کی شام کو ملا حالانکہ امکان ۲۴ کی شام کو ہی مل جانے کا تھا، ظاہر ہے کہ حسرت ہی بڑھانے والا ہوا۔ والسلام

دریا باد، ۶ فروری ۵۳ء — دُعاگو: عبدالماجد

(۶)

برادرم۔ السلام علیکم

جی ہاں۔ آپ کے متعدد یدِ طولیٰ خوشخبریاں پہلے پڑھ چکا تھا ——— اور دل مسرور ہو چکا تھا۔

اللہ نے عین کی خدمت کا ایک بہتر موقع آپ کو دے دیا ہے۔ اس سے پورا فائدہ اٹھائیے اور ہر لمحہ اپنے کو دین کا خادم سمجھیے۔ اگر یہ کہیں اور کسی حال میں ہو پر اپنے کو اگر یہی سمجھتا ہے اور یہی حال رہتا ہے، امریکی جرسی سب کا ہے۔ کاش ہم بھی اپنے کو ہمہ وقت اور ہر حال میں مسلمان سمجھنے کی عادت ڈال لیں۔

علم کی خدمت، وطن کی خدمت یہ ہی بڑی خدمتیں ہیں لیکن سب دین کی خدمت کی ماتحت۔

آج ۵ ہے۔ آپ سفر پر روانہ ہو چکے ہوں گے۔ دیکھیے یہ نیاز نامہ آپ کو کب اور کہاں ملتا ہے؟

اپنا مستقل پتہ ضرور لکھ بھیجیے گا۔

جب دوسروں سے بہت غنیمت ہے۔ ان کی کتاب مولانا ازم پر ریویو عرصے کرنا چاہ رہا ہوں۔ اگر لکھا گیا تو آپ کو بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ۔

یہ آرزو کچھ جانتے ہیں؟ نہ جانتے ہوں تو اس راہ پر انھیں لائیے۔ بغیر آرزو کے بذاتِ خود پاکستانی اسلامیات کو کیسے سمجھ سکیں گے؟

جی ہاں لندن میں تو مسلمان کثرت سے ہیں۔ ضرورت ہمیشہ کا انتظام ہوگا۔ کسفرڈ میں بے شک دشوار ہے۔ ذبح کا طریقہ یہود کے ہاں تو اب تک قائم ہے۔ خدا کرے وہاں بھی کوئی یہودی بذبح مل جائے۔ بس اتنا کافی ہے۔

سب سے زیادہ دشوار سوال جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے۔ چربی کا ہے۔ اس کا حل یہاں سے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ سوا اس کے کہ بجز گائے وغیرہ کے کمس کے ہر روغنی چیز ہی سے پرہیز کیا جائے ـــــ ڈاکٹر حمید اللہ پیرس میں ہیں اور شاء اللہ ہر طرح دیندار ہیں۔ ان سے مسئلت کر کے اس کا حل دریافت کیجیے۔ اور مجھے بھی لکھیے ـــــ سفارت خانہ پاکستان وغیرہ میں کچھ مسلمان قوم فرد دیندار قسم کے ہوں گے۔ انہوں نے بھی کچھ حل نکالا ہی ہوگا۔ اور دو کنگ والے بھی اس مذکر توسان ہی ہیں۔

احوالِ غالب خوب رہی۔ ماشاء اللہ۔ ریویو اس وقت لکھ رہا تھا۔ گنجائش شاید اسی ہفتہ کے پرچہ میں نکلے۔ تراشہ بلیٹر کر بھیجوں گا۔

مدت قیام کتنی ہے؟ واپسی میں کب کہ بھی ملاقات کی صورت دیجیے گا۔ کچھ خیال پڑتا ہے کہ وہ پاکستان اور ہندوستان آپ کے ہیں۔

حسبِ فرصت وہاں کے حالات ضرور لکھیے گا جو میرے کام کے ہوں۔ والسلام

دعاگو: عبدالماجد

دیا باد۔ ۵ اکتوبر ۵۳ء

(۷)

برادرم سلمہ اللہ السلام علیکم۔

ڈیلی ٹیلی گراف کی کٹنگ سے دعائیں نکلیں۔ جزاک اللہ۔ ایسے ہی کرم کا آئندہ بھی منتظر رہوں گا۔ اپنی خیریت، مشاغل اور ہر ایسی چیز جو صدق یا معاملات کے کام کی ہو ان سب کا مشتاق ہوں گا۔

اس شرط کے ساتھ کہ آپ کے وقت اور جیب پر بار نہ پڑنے پائے۔

بحمد اللہ آج ۱۸ ہفتے مئی کے مہینہ میں ہم کم ہمتوں اور ناتوانوں کے بھی ہو گئے۔ والسلام۔

دعاگو و دعاخواہ: عبدالماجد

دیا باد۔ ۲۲ مئی ۵۲ء

(۸)

برادرم وعلیکم السلام

مرحبا و جزاک اللہ۔ پراگریسو اسلام کا ذکر انشاء اللہ کر دیا جائے گا۔ "نیوز آف دی ورلڈ" ڈیلی میرر وغیرہ کا عطیہ لطف بالا لطف۔ آنکھیں مدت سے انہیں دیکھنے کے لیے ترسی ہوئی ہیں۔

امریکن میگزین بھی اگر آسانی سے مل جائیں تو سبحان اللہ.....

دیا باد۔ ۲۲ دسمبر ۵۲ء

شکر گزار و دعاگو: عبدالماجد

(۹)

برادرم وعلیکم السلام

خوب مفصل و تاریخ نامہ۔ میری عین خواہش کے مطابق۔ فجزاکم اللہ۔ بگرام کی کتاب، پراگریسو اسلام کے دو نمبر اور متعدد لفافے پرسوں سب پہنچ گئے تھے۔ اور سب کی رسید بھی فوراً لکھ چکا تھا۔ حیران رہ گیا یہ سن کر کہ وہ خط نہیں پہنچا۔ خدا کرے بعد کو پہنچ گیا ہو۔

آپ کے اس مکتوب مرقومہ کا بیشتر حصہ صدق میں انشاء اللہ نکلے گا۔ اس کے قبل والا مکتوب تو نکل ہی چکا ہے۔ لندنی پرچوں کے لیے شکر گزار خاص طور پر ہوا۔ اب ان پرچوں کو ہندوستان میں آنکھیں ترستی رہتی ہیں۔

آپ کے لیے دعا زبان سے نہیں دل سے نکلتی ہے۔ اللہ خیریت دارین کے ساتھ واپس لائے۔

آپ کا ایڈریس کارڈ کہیں بھول گیا۔ اینی کالج کا نام یاد رہا۔ فقرہ بھیجے دیتا ہوں اگر وہاں درج ہو تو وہیں ڈاک میں پہنچا دیجیے گا۔

والسلام

دیا باد۔ ۱۷ جنوری ۵۵ء

دعاگو و محتاج دعا: عبدالماجد

عبدالعزیز کمال

(۱)

مکرمی مسٹر! علیکم السلام

میمیو پتا اس کارڈ میں درج ہے۔ لکھنؤ کے پتے سے ظاہر ہے دیر میں ملتا ہے۔

۱۔ حضرت جوہر کا تو کہنا ہی کیا، باقی جتنی واکبر بھی۔ میرے حق میں بڑے مہربان تھے چھوٹوں

کے دل بڑھانا، اُن کی ہمت افزائی کرتے رہنا، بزرگوں کے معمولات میں داخل ہے، اور تینوں حضرات میرے بزرگ ہی تھے۔ اُن کے حوصلہ افزا یا نہ الفاظ میں میری اہلیت کو ذرا بھی دخل نہیں۔

۲۔ آپ جو دیانت فرمانا چاہیں بے تکلف دیانت کر سکتے ہیں۔

۳۔ اُس زمانہ میں تو میں اسرار خودی کے کچھ ہی سے حصے سے نابلد تھا۔ اگر ہیریٹ اور الحاد میں فرق تھا کئی سال بعد جب ذرا ہوش آیا، جب سے اقبال ہی کو حق پر سمجھتا ہوں۔ اکبر یوں بھی دوسرے شاعروں کا کلام کم ہی پڑھتے تھے اور اقبال تو اُن کے خود ہی تھے۔ اس وقت کی عام فضا سے متاثر ہو کر حضرت کبر بھی انہیں تصوف کا دشمن سمجھے، حالانکہ اقبال منکر تصوف کے نہیں بلکہ صرف رہبانی اور غیر اسلامی تصوف کے تھے۔ بہر حال غلطی اور غلط فہمی کے شکار اکابر ہی یہ جانتے ہیں۔

والسلام

۹ر اپریل ۵۱ء

دعاگو عبدالماجد

آپ کے مکہ میں ایک افسر میرے ایک عزیز بھی تھے۔ اسی وقت مری میں تعینات ہیں۔

(۲)

۱۷ر اپریل ۵۱ء

مکرم مستر اد علیکم السلام

۱۔ اُن عزیز کا نام فہیم الزماں ہے۔ مری میں R P A S کے چیف افسر کر رہے ہیں۔

۲۔ تعارف کو پر چھے۔ چند برسوں کے اندر خدا معلوم کس کس طرح اپنے کو بچا رہا ہے۔ ریڈیو میں جب تقریر کرنے جاتا ہوں، تو وہاں تو یہ بلا اکثر ہی مسلط ہوتی رہتی ہے۔

شرعی ناجوازی کے علاوہ اس میں دخل طبیعی کراہت کو بھی ہے۔ اپنی صورت مجھے نہایت درجہ ناپسند ہے۔ ایک بار مُو ہو گئی جب سے آئینہ نہیں دیکھا۔ اتفاقی نظر پڑ جانے سے تکلیف ہی ہوتی تھی، تو تصویر کیا کھنچواتا۔

جن حضرات کے نام آپ نے لیے اُن میں اس اعتبار سے مستند صرف مولانا سلیمان ندوی ہیں۔ وہ اب سالہا سال سے اس باب میں محتاط ہیں۔ کوئی چوری چھپے کھینچ لے تو اور بات ہے۔ اس سے تو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تک نہ بچ سکے تھے۔

باقی گناہ کبیرہ کے درجہ میں کیوں بھی تصویر کو نہیں رکھتا۔ حدیث میں ممانعت کی بھی تاویلیں ہو سکتی ہیں اگرچہ ضعیف۔

۳۔ اقبال کے سلسلہ میں آپ نے جو کچھ کہا، بالکل صحیح ہے۔ راہیں منزلیں بہت ہی آگیں۔ گم و بیش سب جگہ ٹھہرے۔ لیکن منزل مقصود قرآن ہی رہی۔

"اور بجمل" فلسفہ اپنے اصل اور لفظی معنی میں کسی کا بھی نہیں۔ خود دیانتی۔ مطالعہ کے بعد ہر ایک کسی نہ کسی کا خوشہ چین ہی نظر آتا ہے۔ اقبال کو طالب علمی کے زمانہ میں بڑا زور دار و شاکر سیکنڈ نے کاٹا تھا۔ ان سے کچھ نہ کچھ متاثر ہونا لازمی تھا۔ اور بس۔

۴۔ سنہا کی کتاب پر ریویو وغیرہ پڑھے تھے۔ اصل کتاب کا مطالعہ خیال میں نہیں آتا۔ قلت سے فلسفہ کا مطالعہ بہت کم ہو گیا ہے۔ اسّے دنوں پڑھا، کچھ بھی حاصل نہ ہوا بجز الفاظ و اصطلاحات کے۔ بیاز کی طرح چھلکے ہی چھلکے۔ اب بجز بہت سی مغلوں کتابوں کے فلسفہ بالکل نہیں پڑھتا، صرف قرآن مجید اور۔ اس کی شرحیں کافی ہیں، یا پھر دل بہلانے کے لیے ادبیات۔

۵۔ آج کل (دہلی) والا مغلوں میں سے نہیں پڑھا۔ اپنے متعلق کوئی بھی مغلوں نہیں پڑھتا۔ اپنی صورت کی طرح اپنی سیرت سے بھی کچھ مستقل بیزاری ہی رہتی ہے۔ ؎

خیر کیا خود سے نفرت مری اوقات سے ہے

۵۔ انگریزی اور اردو دونوں ترجمے تاج کمپنی ہی کے بس میں ہیں۔ والسلام

دعاگو عبدالماجد

(۳)

۲۹ر مئی ۵۱ء

مکرم مستر اد علیکم السلام

ہر کسے از ظن خود شد یار من

وز درون من نہ جست اسرار من!

آپ نے بھی حسن ظن، مبالغہ کی انتہا کر دی۔ اور اپنے مفروضات و مفروضات سے خدا معلوم مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا!

جواب نہیں کیا عرض کروں۔ بجز اس دعا کے کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ اور آپ کی ہر خطائی کسی واقعی اور حقیقی ناتجربہ کاری پر معاف کر دے۔

تصویر کی ممانعت تو حدیث سے بالکل ثابت ہے۔ میں نے اس کے صرف معصیت کبیرہ سمجھنے سے انکار کیا تھا۔ اور یہ کیا پتہ کہ میں جو بچا رہا، اس میں دخل میری ذاتی کوشش کو ہی ہے۔ کہ اس پر

اگلے کوئی سوال کیسے اُٹھایا جائے؟

حدیث نفس صافقت میں دار و ہے۔ باقی حکمت صافقت کا سوال بالکل الگ ہے۔ تاویل و توجیہ ہر شخص اپنے ذہن کی رسائی کے مطابق کر سکتا ہے۔

رہا مسئلہ خود اختیاری و خود داری کا۔ تو میں نے تو قرآن ہی میں پڑھا ہے کہ خدا کے رسول معصوم تک اپنے لیے یہ سمجھتے ہے کہ حشر میں خدا علم کیا معاملہ ان کے ساتھ ہو۔ ما اذیری ما یفعل بی تو پھر صابہ کیا ذکر اور مجھ جیسے تباہ کار و نامہ سیاہ کا نام بھی اس سلسلہ میں آنا سنجیدگی و متانت کے حدود سے تجاوز کر جانا ہے! والسلام

دعاگو عبدالماجد

غلام یزدانی

مخدوم کرم۔ السلام علیکم

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں اور دکن میں بند ہوں۔ قدت دراز ہوئی، یعنی وسط ۱۹۲۷ء میں آپ کو کئی مجموعہ مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم و مغفور پر شائع کر رہے تھے۔ اور مجھے حکم دیا تھا کہ میں بھی کچھ اپنے معروضات پیش کر دوں۔ تعمیل ارشاد اسی وقت کر دی گئی تھی۔ پھر جب سے کچھ پتا نہ چلا کہ آپ کی ان کوششوں کا حشر کیا ہوا۔ کل محض اتفاق سے اپنے پرانے کاغذات میں اس تحریر کی نقل نکل آئی۔ اس سے یہ خیال تازہ ہو گیا۔

اب تو قدت کے بعد ہمارے یوپی کی طرح حیدرآباد میں بھی کچھ تھوڑی بہت جان پڑتی ہوئی معلوم ہو رہی ہے۔

دُعاگو: عبدالماجد

دریابادہ۔ بارہ بنکی، ۱۹ر اپریل ۵۱ء

میکش بدایونی

مہربان بندہ و علیکم السلام

رُباعیاں پہنچیں۔ ماشاءاللہ و سبحان اللہ۔ صدق کی محدود گنجائش کے قدر نظر دو ایک تو اس میں انتخاب کر کے انشاءاللہ دے دی جائیں گی اور باقی کے لیے کوشش ہو گی کہ کسی اور پرچہ میں نکل جائیں۔ والسلام

دُعاگو: عبدالماجد

دریابادہ ۲۸ر اپریل ۵۲ء

صادق الخیری (دہلی)

(۱)

۱۷ر اگست ۳۹ء

دریابادہ۔ ضلع بارہ بنکی۔

عزیز مکرم! السلام علیکم

اب کے پرچہ اچھا نکلا۔ اس معیار کو قائم رکھیے۔ آپ کے والد مرحوم ہر لحاظ سے رخ پر چلنے والے تاجر نہ تھے، مصلح تھے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے اور ضرورتِ اصلاح اب پہلے سے کہیں زیادہ ہے:

ورائے تری زن چہ ذوق نغمہ کم یابی!

موقع ملا تو آج شام کو آپ کی زبان سے نکلے ہوئے بول ریڈیو پر سنوں گا۔ عورتوں کی جرنلزم پر مشرقی دایہ میری زبان میں معصوم نقطۂ نظر سے تقریر کرنے والی آپ کے علم میں کوئی خاتون ہیں؟ لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن والوں نے مجھ سے مشورہ کیا ہے کیپٹن A.M. IU [illegible] کی کتابیں موقع ملے تو ضرور مطالعہ کر ڈالیے:-

Truth about child birth, The women vindication, Rubire of women

وغیرہ نیز "یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ" میں مضمون Feminine Influence in Politics

والسلام عبدالماجد

(۲)

خلکی پہلی ہی سطر میں انجمن خدام الدین کے رسالے اسلام کا ذکر آیا ہے۔ یہ رسالہ خواجہ عبدالوحید مرحوم کی ادارت میں نکلتا تھا۔

۱۴ر اگست ۳۹ء

دریابادہ ضلع بارہ بنکی

عزیز گرامی! وعلیکم سلام

لاہور کا انگریزی جریدہ اسلام آپ کی نظر سے گزرتا ہوگا۔ احتیاطاً ایک نمبر بھیج رہا ہوں۔ اس نمبر میں شذرات Iudiminci کی ایک کتاب پر مبنی ہیں۔ اکثر شذرات ایسے ہی ہوتے ہیں۔

کمنٹری کے لیے آپ نے خوب یاد دلایا۔ ان شاءاللہ اب خیال رکھوں گا۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ کوئی خاتون آپ کے علم میں اگر ایسی ہوں جو عورتوں کی جرنلزم پر مشرقی،

اسلامی نقطہ نظر سے بول سکیں تو ان کا پتا لکھ دیجیے۔ اس کا کچھ جواب نہ ملا۔ اب ایک خاتون کو میں نے خود سوچا ہے۔ دیکھیے تجربے کے بعد کیسی نکلتی ہیں۔

میں ریڈیو عموماً صرف رات کے ۹ بجے سے ۱۰ بجے تک سنتا ہوں تازہ خبروں اور واقعی تقریروں کے لیے آپ کا نام دیکھ کر اسی روز شام کو وقت نکالا۔ افسوس ہے کہ فضا بہت خراب تھی۔ تڑ تڑ تھم تھم، برابر لگا ہوا۔ یوں تو الفاظ بہت صاف آ رہے تھے لیکن معاً اس شور میں دب جاتے تھے۔ گویا کل ملا کر ۵ منٹ آپ کی تقریر سنی ہوگی۔

subjucation of women کا حال نہ پوچھیے۔ کالج کے زمانے میں (۱۹۱۰ء) میں تو اس کے عشاق میں تھا۔ سطروں کی سطریں حفظ تھیں۔ خود یہ کتاب بھی بار بار پڑھی، بلکہ ترجمہ بھی اس کا شروع کر دیا تھا۔ اب "اُس ایام جاہلیت" پر ہنسی آتی ہے۔

ہاں، خوب یاد آیا۔ میں نے مدت ہوئی اپنا انگریزی بار قرآن آپ کو بھیجا تھا۔ اب یقیناً خالی ہوگا۔ اس کی ضرورت کئی بار پڑی۔ اگر بہ آسانی واپسی ممکن ہو تو سپرد ڈاک کر دیا جائے وقت ہو تو جانے دیجیے۔

والسلام، عبدالماجد

(۳)

دریاباد۔ بارہ بنکی۔ ۱۴ر اگست ۳۳ء

عزیز مکرم! وعلیکم السلام

عجب نامہ بڑی مدت کے بعد ملا۔ دل خوش ہو گیا۔ کتابیں رکھ لی ہیں۔ صدق میں بلا (یا ویو) انشاءاللہ ضرور کر دیا جائے گا۔ خود اب fiction کی کتابیں صرف مفوّضہ ہی پڑھتا ہوں، ورنہ جی بالکل نہیں لگتا۔ والسلام

دعاگو، عبدالماجد

مسعود حسن رضوی ادیب (لکھنؤ)

(۱)

بزم ادب اور شاہی اسٹیٹ پر اردو اضافی کمیٹی کے فیصلے پر دو ہزار کے انعام پر مبارک باد کا خط۔ بزم ہائے سے مراد شاہی اسٹیٹ ہے جس میں واجد علی شاہ کے زمانے کی اندر سبھا کے تفصیلی حالات ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دریاباد ۵ مارچ ۵۲ء

کرم گستر! السلام علیکم

دونوں کتابوں پر دو ہزار کے انعام کی خبر تو اس سے قبل ہی مل چکی ہوگی۔ مبارکباد پیش کرنا محض رسم ادا کرنا ہے۔ رزم نامہ کی داد دل سے دیتا ہوں۔ صدق میں بھی لکھ چکا ہوں واقعی آپ کی زندگی کا ایک کارنامہ ہے۔ لیکن اس رزم نامہ کے ساتھ اس دوسرے بزم نامے کے لیے کیا عرض کروں۔ تلاش و تحقیق بلکہ توفیق اس کی بھی قابل داد کیا قابل رشک لیکن اس سب کا آخر کیا حاصل؟ دنیا اگر ان خدا دینی جزئیات سے بے بہرہ رہ جاتی تو کیا مضائقہ تھا۔ لاشۂ بے جان کو بنا سنوار کر رکھنے لباس فاخرہ پہنانے عطر لگانے کا معترف مجھ کم فہم کی سمجھ میں تو آ نہیں۔ کاش اتنا وقت عزیز آپ نے کسی اعلیٰ موضوع پر صرف کیا ہوتا۔ اس جسارت بلکہ گستاخی کے حق میں میرا اخلاص شاید کچھ شفیع ہو جاتے۔

دعاگو: عبدالماجد

(۲)

کرم گستر! وعلیکم السلام

بڑے انتظار کے بعد آج اپنے عریضے کی رسید مجھ کو ملی ہیں تو ایوس ہو چکا تھا۔ یہ آخر آپ لوگوں کو تبوں کا کیا شوق چرایا ہے! اپنی لنگوٹی کی خیر منایئے!

چھ نمبر تو آپ کے اس دور اتحاد و شرافت میں بھی نہ ہو سکے تھے پھر جانکہ اب اس کے خواب دیکھیں! بڑے چھ نام پیش کر کے تو آپ کو شکست دینا ہے۔

زیادہ سے زیادہ دو کی گنجائش نکل سکتی تھی، دو نہ ہیں تو توحید ہی کا قائل ہوں۔ میرے مذہب میں تو دو ئی کی بھی گنجائش نہیں۔ اس شرک جلی پر آپ کیسے کہہ سکتا ہوں: زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے میں ایک نام پر ہو سکتا ہے وہ ڈاکٹر صدیقی ہی کا نام ہے۔

سفرت صدارتی اپنے ضعف ہمت کی بنا پر ہے، دین کی کسی سستی کی بنا پر نہیں۔ جو عالی ہمت ہیں وہ اس سے بھی کڑے موسم میں رزم سے رکھ کر ہو کر سکتے ہیں۔

اکیڈمی کی سرکاری نامزدگیوں پر مصری میں جو نوٹ لکھا تھا، حاضر خدمت ہے۔ یہ ترانہ بھیجنے لگا تو اسی نمبر میں تفسیر سورۂ قریش پر بھی نظر پڑ گئی، وہ بھی ملفوف ہے۔ والسلام

دعاگو: عبدالماجد

دریاباد، ۱۲ر مئی ۵۲ء

(۳)

مولانا کے سننے میں یہ خبر آئی تھی کہ مسعود صاحب اور حیات اللہ انصاری صاحب انجمن ترقی اردو کی مالی مدد کے لیے اردو بازار میں دہی بڑے کی دکان لگانے والے ہیں۔

دیا باد

۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

کرم گستر!

السلام علیکم

اردو بازار میں دکانداری تک میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن خدا کے لیے کہیں دہی بڑے کچالو یا چنا چور گرم کی دکان نہ کھول بیٹھیے گا۔

آتے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

دکان لگانا ہی ہے تو یا تو کباب پراٹھے گرما گرم یا پھر شیرمال کشمیری چائے یا دونوں ناممکن ہوں تو پھر گوٹا مالا۔ بہرحال بازاریت میں بھی بانکپن نہ چھوٹنے پائے۔

تقلید میں بھی کچھ رہے ایجاد کا مزہ

والسلام

دعاگو: عبدالماجد

(۴)

زیر نظر خط میں ڈرز نامہ، واقعات کربلا میں مکتوب الیہ کی مرتبہ اور شاہی اسٹیج ریاست اودھ کے حالات میں مکتوب الیہ کی دوسری تالیف کا ذکر آیا ہے۔ انعامی کمیٹی کی مجلس سے مراد حکومت یوپی کی مقرر کردہ اس کمیٹی کی مجلس ہے جو کتابوں پر انعامات کے فیصلے کے لیے بنائی گئی تھی۔

دیا باد

۱۰ مئی ۱۹۵۸ء

کرم گستر! السلام علیکم

ڈرز نامہ عرصہ ہوا پڑھا تھا اور اپنے تاثرات اسی وقت سپرد قلم کر دیے تھے لیکن صدق میں گنجایش کا انتظار ہفتوں نہیں مہینوں کرنا ہوتا ہے۔

آپ کے حسن انتخاب، حسن ترتیب کا کیا کہنا اور کلام کا کمال یہ ہے کہ مجھ جیسا بے عقیدہ اور واقعات سے کم تاثر طبیعت سے بڑی حد تک متکر شخص بھی گہرا اثر قبول کیے بغیر نہ رہ سکا۔ آنکھ میں آنسو آ گئے۔

جی نہیں، شاہی اسٹیج نہیں آئی مجھے زیادہ انتظار تو آپ کی دوسری کتاب تذکرۂ نادر کا

تھا۔ اس انعامی کمیٹی کی مجلس دیکھیے اب کب تک ہوتی ہے ابھی تو کتابیں بھی نہیں وصول ہوئی ہیں۔ والسلام

دعاگو: عبدالماجد

(۵)

اس خط میں سرکاری کونسل سے اشاریو پی کی قانون ساز اسمبلی کی طرف ہے اور ہر شارہ جنگ سے شاہ کتب نگار کے دوست نواب ہر شار جنگ کی طرف ہے انھوں نے "شاہانِ اودھ کے دامان سے جو اپنی خود نوشت کہی ہے اس میں حیدرآباد کی مجلس معاشرتی زندگی کی بہت سے جھلکیاں موجود ہیں بس سے کسی مدتک ضرورت پوری ہوتی ہے جس کی طرف مکتوب نگار نے اشارہ کیا ہے شاہانِ اودھ کی زندگی کے بارے میں ایسی کوئی کتاب تیار نہیں ہو سکی جس کی آئندہ مولانا امید لے کی تھی۔

دیا باد

۴ نومبر ۱۹۵۸ء

کرم گستر! السلام علیکم

کے خبر تھی کہ آپ کا اس اردو کمیٹی سے استعفا خود اسی کمیٹی کی موت کا پیش خیمہ ہو گا ہر گورنمنٹ تو جیسے کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی تھی میں نے ایک خط سکریٹری صاحب کو ضابطہ سے لکھا اور کچھ تھوڑی بہت کوشش کسی ذریعہ سے کرائی۔ دونوں صورتیں بالکل بے نتیجہ رہیں۔ ممکن ہو تو زر احیات اللہ انصاری صاحب کو ٹھوکر ٹھکرائیے۔ قومی آواز کے ایڈیٹر ہیں اور سرکاری کونسل کے ممبر بھی۔

ہاں صاحب آپ لکھنؤ میں رہتے ہیں کسی صاحب کو پکڑ کر شاہانِ اودھ کی پوری زندگی پر کتاب لکھوائیے جس میں مندرج ہر نہ جو محض واقعاتی (OBJECTIVE) حیثیت سے جس میں صبح و شام دن رات کے حالات درج ہوں۔ کھاتے کیا تھے اور کیوں کر؟ دلچسپیاں کیا کیا رہتی تھیں؟ امیروں، وزیروں، عام رعایا کے ساتھ برتاؤ کیا رہتا تھا؟ دربار کے آداب کیا تھے؟ عبادات، اعتقادات، مذہبی تقریبات کا کیا رنگ تھا تمام بیت الخلا، کے آداب کیا تھے؟ لکھنے پڑھنے کا شوق کہاں تک تھا؟ شادی، بیاہ، جلسی زندگی کی تفصیلات وغیرہ وغیرہ۔

ہوش جگر امی مرحوم سے میں نے وعدہ لیا تھا کہ اس قسم کی ایک مکمل کتاب دکن امراء حیدرآباد، والیان بھوپال ورام پور پر اپنی ذاتی معلومات سے لکھ دیں گے۔ خیر وہ بے

چارے تو گزر ہی گئے۔

اب کسی اور سے یہ کام شاہان اودھ سے متعلق لیجیے۔ کچھ دن بعد کوئی اتنا جاننے والا بھی باقی نہ رہے گا۔

دعاگو، عبدالماجد

(۶)

مولانا دریابادی نے لکھنؤ ریڈیو سے میری ابتدائی زندگی کے ناقابل فراموش واقعات کے عنوان سے ایک تقریر کی تھی جسے کتوب الیہ نے بہت پسند کیا، اس کی تعریف میں ایک خط لکھا جس میں کوئی شعر بھی نقل کیا تھا۔ مولانا کا یہ خط اسی خط کا جواب ہے۔

دریاباد ! ۲۰ر اگست ۳۶ء

مکرم گستر! السلام علیکم

کشمیری جھانڈوں کا شعر صاحب عوامی اسٹیج و شاہی اسٹیج کی زبان سے سن کر اگر بے ساختہ داد نہ لکھ بھیجوں تو ظلم ہے شعر سنانے والے اور سننے والے دونوں پر۔

کہاں کو کشمیری جھانڈوں کو کوئی ادیب اب تک ایسا قدرداں ملا ہوگا۔ والسلام

دعاگو، عبدالماجد

(۷)

زیر نظر خط میں ذکر پروفیسر احتشام حسین صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی کا آیا ہے۔ مرحوم اپنی ظرافت کے لیے مشہور اور مولانا دریابادی کے بڑے عقیدت مند تھے۔ آگے چل کر ذکر مولانا دریابادی کے کالج کے ساتھی اور دوست الغزجین خاں کا آیا ہے جن کی کتاب "انوار فلسفہ" دارالمصنفین اعظم گڑھ نے شائع کی ہے۔

دریاباد ! ۳۱ر اکتوبر ۳۶ء

مکرم گستر! السلام علیکم

۲۷ر کو لکھنؤ ریڈیو پر بھی ادبی ملاقات ریکارڈ کرا آیا۔ تجربہ محکمہ والوں کی طرف سے بڑا ہی تلخ بلکہ میر آزما رہا۔

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے نکل پڑے
یہ ہری جبین نیاز تھی کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

نامنظر۔ اب دہلی سے جب کبھی کوئی فرمائش آجاتی ہے یہی صورت پیش آتی رہتی ہے۔ لکھنؤ اور دہلی کی نقابتوں کی روایت اور جہاں کہیں ختم بھی ہو چکی ہو بہر حال لکھنؤ ریڈیو میں زندہ ہے۔ ہر گریہ کے عقب میں خندہ۔ ان تلخیوں کے ساتھ اپنے احتشام صاحب کی شرارت، مظلومیت، انسانیت کا بھی تجربہ ہو گیا۔ لڑائی میری طرف سے لڑتے رہے۔ اور ہر قدم پیچھے کو چھپ کر کے بھی کو آگے کیا۔

لفظ مکالمہ کا ہر استفسار، استقبار، استفہام، استفہام پروفیسرانہ تھا اور میری گزارش طالب علمانہ۔ کیمبوں کے ساتھ گھن بھی پسا۔ میرے ساتھ ان کی تقریر پر بھی سنسری لشٹرا اچھا خاصا چلا۔ بہر حال کٹی پٹی، منڈی مندڑی لولی لنگڑی تقریر جیسی بھی ریکارڈ ہو پاتی ہے انشاء اللہ ۸ر نومبر کی رات ۹½ بجے دہلی سے آئے گی آپ کی قدر افزائی کے اعتماد پر یہ رام کہانی آپ لکھ بھیجیں۔

مکرم ظفر حسین خاں صاحب کو بلرام پور اسپتال کمرہ ۹ میں دیکھ آیا بے چارے سخت علیل ہیں۔ والسلام

عبدالماجد

(۸)

امرد کے مسئلہ کا جائزہ لینے کے لیے حکومت یوپی نے جو کمیٹی تشکیل دی تھی اس کے مرتبہ سوال نامے کا ذکر اس خط میں آیا ہے۔ انجمن سے مراد انجمن ترقی اردو لکھنؤ ہے، جس کی طرف سے جواب بھیجا جانا تھا دوسری خاص بات جس کی طرف اشارہ مقصود ہے، یہ ہے کہ پروفیسر آل احمد سرور نے نظر حسین خاں کے انتقال پر ہماری زبان علی گڑھ میں جو تعزیتی نوٹ لکھی تھا اس میں مرحوم کو علامہ شبلی کا شاگرد لکھ دیا تھا، حالانکہ حقیقت یہ نہ تھی۔

دریاباد ! ۱۷ر اگست ۳۶ء

برادرم! السلام علیکم

اگر بہ آسانی ممکن ہو تو جواب اردو سوال نامے کا آپ کی انجمن کی طرف سے جاتے ہوں میری نظر سے بھی گزر جاتے۔ جب کیا جو میں اس کی تائید کر دینا کافی سمجھوں۔

بھلا اللہ اعلم میری جانشینی کس کے حصے میں آئی۔ پرسوں لکھنؤ جا کر مرحوم نظر حسین خاں کی قبر پر فاتحہ پڑھ آیا۔ بالکل پائیتی ان کے بھوکی قبر کا کتبہ بڑا موٹر نظر آیا۔ سرور صاحب نے خدا معلوم یہ کہاں سے لکھوایا کہ مرحوم مولانا شبلی کے شاگرد تھے۔ والسلام،

دعاگو، عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۹)

زیر نظر خلیں یو پی گورنمنٹ کی اس کمیٹی کا ذکر آیا ہے جو آچاریہ کرپلانی کی صدارت میں وزیر مال یو پی، سی بی گپتا نے اردو کے مسائل کا جائزہ لینے کے لیے قائم کی تھی۔ مولانا دریا بادی اس کمیٹی کے رکن تھے، بعد میں اس سے مستعفی ہو گئے تھے۔ اوپر کے خط میں جس جانشینی کا ذکر آیا ہے، وہ اس کمیٹی سے مولانا دریابادی کے استعفے کے بعد کا مسئلہ ہے۔

دریاباد ۷ر اکتوبر ۶۱ء

کرم گستر السلام علیکم

کل سرکار کے ہاں سے اطلاع آئی کہ تمہارا استعفا اس لسانی کمیٹی سے منظور کر لیا گیا اور اب تمہاری جگہ کسی اور ممبر کے انتخاب کی ضرورت نہیں۔ سچ کہا جس نے کہا تھا:

گھر اسکے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

اور اس نے بھی سچ کہا جس نے یہ کہا تھا:

یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

والسلام

عبدالماجد

(۱۰)

پرنس معظم جاہ حیدرآباد (دکن) کے حادث پر دربار دربارہ مسئلہ صدق جائسی کی طرف اشارہ ہے۔

دریاباد بسم اللہ

۸ر ستمبر ۶۲ء

محترم! السلام علیکم

دربار در دربار مرسلہ۔

خدا خدا کر کے اس طوفان کا زور گھٹا۔

اے سبحان اللہ یہ "طوفان" کی مناسبت سے "گھٹا" کیا خوب! دیکھیے اس دار و رسن پر جو مضمون پر زبردست پڑے گا۔ والسلام

دعاگو عبدالماجد

(۱۱)

اس خط میں مبلک بار کتوب الیہ کے کسی منصب پر تقرر پر ہے اور اداس بیان کی معقولیت کی ہے جو لکھنؤ میں محافل میلاد کے قیام و اتہام کے سلسلے میں شیعوں اور سنیوں میں پیدا ہو جانے والے اختلاف کے سلسلے میں تھا۔

دریاباد ۸ر ستمبر ۶۳ء

کرم گستر السلام علیکم

تقریر جدید پر مبارک باد کئی دن سے پیش کرنے والا تھا بس رہ ہی رہ گیا۔ صدق کا نوٹ بھی لکھنؤ سے اس خط کے ساتھ موصول ہو جائے گا۔

لکھنؤ کی محفل میلاد کے سلسلے میں آپ کا بیان خوب نکلا پہلا بیان تو محض غنیمت کے درجہ کا ہے۔ لیکن آپ کا بیان واقعی قابل داد ہے۔ اس لیے یہ خط لکھتے پر فوراً آمادہ کیا۔ والسلام

دعاگو و دعاخواہ:
عبدالماجد

(۱۲)

حامد علی خاں امروہہ کے رہنے والے، لکھنؤ کے مشہور بیرسٹر اور اجتماعی امور میں کانگریس کے حامیوں میں سے تھے۔ کرامت حسین مشہور قانون دان اور کرامت حسین گرلز کالج لکھنؤ کے بانی تھے۔ حامد علی خاں کی کتاب "انگریز کشمکش دربار" پر ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی نے یہ نوٹ تحریر کیا ہے، ہوم منسٹر یو پی نے ۱۹۱۰ء میں عدالتوں میں اردو کا سرکاری رسم الخط میں درخواستیں قبول کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ بڑے ہندی نواز اور اردو مخالف تھے۔ اس کے خلاف محسن الملک کی قیادت میں اردو کی حمایت میں تحریک شروع ہوئی۔ گورنر نے ایم اے او کالج کی ایڈمنسٹریشن کو دھمکی دی اور محسن الملک کو انجمن حمایت اردو کی صدارت سے استعفا دینا پڑا۔ یہ کتاب حامد علی خاں نے اسی موضوع کے متعلق مرتب کی تھی اور اس میں اردو رسم الخط کی حمایت میں مضامین اور مراسلات کو جمع کیا تھا۔

۱۴ر جون ۶۲ء

عبدہم مکرم السلام علیکم

toobaa-elibrary.blogspot.com

حامد علی خان مرحوم کی ایک کتاب جسٹس کرامت حسین پر تھی میرے ہاں سے مدت ہوئی غائب ہو گئی۔ اب اس کی ضرورت آپڑی ہے۔ عجب نہیں کہ شیعہ کالج لاہر بریری میں ہو اور آپ کے تعلقات شیعہ کالج سے ضرور قائم ہوں گے۔ اگر آپ کے ذریعے سے دو چار دن کے لیے حاصل ہو سکے تو کسی کو بھیج کر آپ سے منگوا لوں۔

ہاں صاحب کئی سال ہوئے میں نے انہیں حامد علی خان کی ایک انگریزی کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ نام غالباً [illegible] تھا اور ناگری رسم الخط سے متعلق مراسلات اور مضامین کا مجموعہ تھی۔ آپ نے واپس تو یقیناً فرما دی ہو گی۔ لیکن احتیاطاً ذرا ایک بار پھر نظر ڈال لیجیے گا۔ والسلام

دعاگو عبدالماجد

(۱۳)

حکومت ہند نے مولانا کو عربی میں نیشنل اسکالر کا اعلیٰ ترین علمی اعزاز سے نوازا تھا اس کے ساتھ ڈیڑھ ہزار سالانہ کی پنشن بھی تھی جو بعد میں تین ہزار کر دی گئی تھی۔ مسعود سی صاحب نے اس اعزاز کے ملنے پر مبارک باد کا خط لکھا تھا۔ زیر نظر خط اسی کے جواب میں ہے۔

دریاباد ۲۴ اگست ۱۹۶۱ء

برادر مسعود علیکم السلام

سرکاری سند سے کہیں بڑھ کر قابل قدر تو آپ سے مخلص اہل علم حضرات کا اخلاص و حسن ظن ہے۔ رہی اہلیت اور نااہلی تو نااہل ترین تو میں خود ہی ہوں۔ یہ محض کسی کی صفت ستاری ہے جو ہر عیب پر پردہ ڈالے ہوئے ہے۔

والسلام و دعاگو:
عبدالماجد

(۱۴)

اس خط میں وہ ذکر اس سرکاری تقریب کا آیا ہے جو سال گزشتہ علمی اور دیگر خدمات کے صلے میں اعزاز پانے والوں کو عطا کئے جانے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔ مولانا دریابادی نے صفوں کی ترتیب پر اپنے تنقید کا اظہار کیا ہے۔ آخر میں ذکر مولانا کے نبیرۂ رشید الدین حسین نیوتنی صاحب انائر یٹائرڈ پوسٹ ماسٹر اور سید آل رضا شہود اور خوش گو شاعر کا آیا ہے۔ جو جسٹس محمد رضا بیرسٹ ایٹ لا کے بیٹے تھے۔

دریاباد ۱۹ اپریل ۱۹۶۲ء

مخلص فدا زادہ علیکم السلام

آپ کے وفور اخلاص نے دوبار آپ سے تنبیہ نامہ لکھوا دیا۔ یہ کوئی نیا اعزاز نہیں وہی پرانا ۱۵ اگست والا ہے اس کی باضابطہ عطائے سند کی تقریب اب ہوتی تھی آگے کی صفوں کی صفیں پدم بھوشن پدم شری وغیرہ سے بھری ہوتی تھیں۔ انھیں میں فلاں گویئے فلاں سازندے فلاں سار نگیے بھی تھے اور آخر میں بالکل آخری صف ہم خاکسار اہل علم کے لیے تھی۔ دو سنسکرت والے اور ایک ایک عربی و فارسی والے کے لیے۔ منظر صبر آزما ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ آموز بھی رہا۔

صدق جائسی مرحوم کی صاحب زادی کا خط آیا تھا کہ مرحوم کا دیوان بھی تیار ہے اور دربارۂ بار کے دوسرے حصے بھی، کچھ تم ان پر لکھ دو۔ جواب لکھوایا کہ دربارۂ بار کی مدتک تو حاضر ہوں۔ باقی دیوان پر لکھنے کے لیے مجھ سے کہیں زیادہ اہلیت جناب مسعود حسن رضوی رکھتے ہیں۔ دو ہفتے کے بعد یہ خط مردہ خطوط سے زندہ ہو کر واپس آیا کہ مکتوب الیہ کا پتہ نہیں چلا۔ حالانکہ پتہ انھیں کیپٹن سنگھ کا لکھا ہوا تھا۔

ہاں صاحب میرے مگر میں ضیاء الدین حسین مرحوم کی بھانجی ہیں۔ گویا نیوتنی ان کا ننھیال ہے۔ اکثر ذکر اپنی ایک خالہ کا کرتی رہتی ہیں بڑی محبت سے۔ یہ سید آل رضا کی والدہ تھیں اور بیان کرتی ہیں کہ آپ کی بھی کوئی قریبی رشتہ ہوتی ہیں۔ یہ بیان صحیح ہے؟ محض اتنے کے لیے خط کی ضرورت نہیں۔ لیکن بہرحال اسے ذہن میں رکھیے آئندہ جب کبھی کسی ضرورت سے لکھیے تو اس میں اس کا جواب بھی ہو۔ والسلام

عبدالماجد

(۱۵)

اس خط میں تفسیر ماجدی کے دوسرے ریلی ایڈیشن کی طرف اشارہ ہے۔

دریاباد ۱۸ اپریل ۱۹۶۲ء

برادر مسعود السلام علیکم

تفسیر جلد اول کو نکلے ہوئے اب کئی مہینے ہو چکے۔ جی بے اختیار چاہا کہ آپ کی نظر سے ضرور گزر رہے۔ بے تکلف ایک نسخہ ارسال خدمت ہے۔ اسے ہفتہ دو ہفتے جب تک جی چاہے بہ اطمینان اپنا ہی نسخہ تصور فرمائیں۔ افسوس ہے کہ شیعہ تفسیر دو نمک دست

رسائہ ہو سکی۔ صرف طبری کے مطالعہ کا موقع کبھی کبھی ملا۔ وہ بھی بہت کم۔

والسلام

عبدالماجد

(۱۶)

مسعود حسن صاحب کے تعلقات مہینی صاحب سے بھی بہت قریبی تھے اس لیے اُن کے نام بھی مولانا نے تعزیت نامہ لکھا۔

دریاباد۔

۲۹ ستمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

بندہ مہربان!

السلام علیکم

علی عباس حسینی مرحوم کی سانحہ کل دوپہر کو سخت اچانک دل دھکے سے ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ تعزیت آپ کو پیش کر رہا ہوں

مرحوم میرے مخلصوں میں تھے۔ تہذیب و شائستگی کی تصویر بڑے شریف متعلق بھی سے کچھ دن کچھ برائے نام پڑھ لکھ لیا تھا وہ رشتہ آج ٹوٹ گیا۔ مکھ ہے بڑے ہو کر میرے سامنے چھوٹے ہی بنے رہے۔ قبر پر چل کر فاتحہ پڑھنا ہے اور آپ اس کی رہنمائی اگر کر سکیں تو بہت خوب۔ ۵ اکتوبر کو انشاء اللہ لکھنؤ پہنچ جاؤں گا اور قیام کچھ روز رہے گا جس دن اور جس وقت آپ کو سہولت ہو کچھ قبل سے اطلاع کر دیں خط سے یا ٹیلی فون سے ۲۲۔۔۔ آپ کے ہاں حاضر ہو جاؤں گا۔

والسلام دعاگو:

عبدالماجد

(۱۷)

مقامی اخبارات میں مسعود حسن صاحب کی بیوی کے انتقال کی خبر پڑھ کر یہ خط لکھا۔

لکھنؤ

۲۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

صوت انبے صوتی آمد بروں۔

باز شد انا الیہ راجعون۔

برادرم!

السلام علیکم

ابھی ابھی سانحہ کی خبر ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

رفیقہ حیات کی جدائی اور وہ بھی یوں آناً فاناً جس درجہ کا صدمہ بشر کے لیے ہے وہ میری سمجھ میں آپ ہی آتا ہے اس لیے ہمدردی اور تعزیت آپ کے ساتھ رسمی نہیں بلکہ سو فی صدی دل رکھتا ہوں۔ اللہ ہی آپ کو صبر عطا فرمائے۔

ان شاء اللہ فاتحہ سوئم میں حاضری دوں گا۔

والسلام دعاگو:

عبدالماجد

(۱۸)

دریاباد

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء

برادرم السلام علیکم

امراؤ جان ادا کے نئے ایڈیشن پر تصویر نمبروں میں خدمت گرامی میں پیش کر چکا ہوں۔ امید ہے کہ اس کی چھپائی میں متعدد غلطیاں رہ گئی ہیں۔

بہر حال بہ نظر اصلاح دیکھ لیجیے گا اور اگر تحریر میں زیادہ زحمت نہ ہو تو میری غلطیوں سے مطلع کر دیجیے گا۔

والسلام دعاگو:

عبدالماجد

(۱۹)

اس خط میں ذکر اس پنج ہزاری انعام کا ہے جو حکومت یوپی کی طرف سے ہر سال اردو، ہندی وغیرہ کے مسلم الثبوت ادیب کو اس کی ادبی خدمات کے صلے میں حکومت کی مقرر کردہ انعامی کمیٹی کی سفارش پر دیا جاتا تھا۔ مولانا دریابادی اس کمیٹی کے ممبر رہے تھے۔ ۱۹۷۳ء کے انعام کے حق دار مسعود حسن رضوی صاحب قرار پائے تھے۔

۱۴ اپریل ۱۹۷۳ء

مخدوم و مکرم السلام علیکم

"پنج ہزاری" اللہ مبارک کرے۔

یہ انعام اگر وہی ہے جو ہندی سمیتی یا بو سمپورنا نند کے زیر صدارت بہترین اردو والے کو ہر سال دیا کرتی تھی تو اس کے صلے میں خواہ مخواہ اتنی دیر ہو گئی۔ یہ تو آپ کو شروع میں آنا تھا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کئی سال قبل مل جاتا تھا۔

میں اپنی جگہ پر بھی شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کا نام کیوں نہ پیش کیا۔ یہ تو میرے فرائض میں داخل تھا۔

والسلام دعاگو:
عبدالماجد

سید آل عباء پر ایک آواز

سید صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول سیتاپور میں مولانا کی طالب علمی کے زمانے میں طالب علم تھے اور اسی وقت سے دوستانہ تعلقات تھے۔ ان کی ایک تقریر لکھنؤ ریڈیو سے نشر ہونے والی تھی مولانا سے اسی کو سننے کے لیے وقت نکالنے کا اظہار کیا ہے۔

دریاباد
۱۷ر جولائی ۱۹۵۲ء

برادرم! وعلیکم السلام

"آوازِ رفتگاں" کے پردے میں یہ صدائے آلِ عباء خوب نکلی۔ سبحان اللہ!

ہلدی کم نگاہی تم کہاں تھے ہم کہاں تھے
دل نے کہا، فرقہ ناطقیہ ابھی زندہ ہے۔

کل اتوار جو آئی کی شب میں وقت نکال کر ضرور آپ کی پیش کردہ "بی ہیڈاری" سے دل بہلاؤں گا اور جی میں آئی تو پھر آپ کے اسٹیشن ڈائرکٹر کو اپنے تاثرات بھی بھیجوں گا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ:
عبدالماجد

مولانا سبحان اللہ شہید انصاری فرنگی محلی لکھنؤی (۱)

مولانا شہید انصاری مرحوم دریاباد کے بے تکلف اور مخلص دوست تھے۔ ان کی اہلیہ کی وفات پر مولانا نے یہ خط تعزیت فرمایا۔ اس خاتون جن صاحب کا مسکن سنا ہے جو اس زمانے میں نکل بہا تھا مولوی ہاشم مولانا شہید کے ماموں زاد بھائی ہوتے تھے مولانا کے بڑے بھائی حکیم عبدالقوی دریاباد کے رہنے والے ہیں۔ باغ مُلّا انوار حضرت فرنگی محلی کا خاندانی قبرستان ہے اور جمیر امروہہ (۱۹۳۴ء) مولانا شہید کی بڑی ہمشیرہ ادی تھیں جو مولانا عبدالصمد انصاری کو بیاہی گئی تھیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دریاباد
۱۳ر اگست ۱۹۵۲ء
۵ بجے شام

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

کیا عرض کروں کہ حق ۱۲ر اگست میں ابھی خبر صاعقہ اثر بھور ڈال پر کیا گزر گئی! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کتنی پرسپ پرانی یادیں تازہ ہوگئیں ——— اب ان سب پر حسرت اور ۳۰، ۳۵ کی وقت لوٹنا کوئی معمولی بات ہے۔

تعزیت کن الفاظ میں کروں اور کیا کہہ کر خود آپ کو اور پھر مولوی ہاشم سلمہٗ کو تسکین دوں! پڑھتے ہی اخبار ہاتھ سے جھٹک کر مغفرت کی اور اس کے بعد یہ کارڈ لکھنے بیٹھ گیا۔ یہ کارڈ اب کل صبح ڈاک میں پڑے گا اور آپ کو کہیں پرسوں ملے گا۔

بہر حال آپ کو مبارک ہو کہ جس نے اپنی عمر بہ خدمت بحیثیت اکبر شوہر کاٹ دی اپنا یا کفنایا دفنایا سنت کا اضطراری اتباع آپ کو نصیب ہوگیا۔

آپ کی زندگی میں ایک مستقل خلا پیدا ہوگیا، لیکن آپ کو کیا خبر کہ کتنا اجر بے حساب بھی آپ کے لیے مقدر ہو چکا ہے!

رافت تکلیا لکھنؤ میں ہیں اسی ڈاک سے ابھی انھیں بھی لکھے دیتا ہوں کہ فرنگی محل فوراً جا کر ماموں دیں ——— میں خود مغرب لکھنؤ آنے کو تیار ہو رہا ہوں تو سوچتا ہوں کہ بجائے فرنگی محل کے باغ ملا انوار ہی میں حاضری دوں مرحومہ کی خاکی آرام گاہ پر اور آپ کو بھی وہیں زحمت دوں۔ مرحومہ اس وقت کیسی باغ باغ ہو رہی ہوں گی اپنے والد ماجد سے اپنے بھائی مرحوم سے، جیمر امروہہ سے اور سب سے مل کر۔

آپ میں ان کی خوشی کا تصور کر کے اپنے کو خوش کرنے کی کوشش کیسے! اس دنیا کم بخت میں رکھا ہی کیا ہے بجز تکلیفوں اور مصیبتوں کے اب انہیں ہر بیماری ہر تکلیف سے آزادی مل گئی۔ گھر میں اور لڑکیاں سب اپنی ایک عزیز قریب ہی کی وفات کا صدمہ محسوس کر رہی ہیں۔

والسلام

دعاگو و شریک غم: عبدالماجد

(۲)

مولانا شہید انصاری کے مرسلہ آموں کے تحفے کے جواب میں۔

دریاباد

۱۸ر جولائی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم!

وعلیکم السلام

ضلع کے اس پورے ضلع آباد کا جواب میرے قلم کی دسترس سے باہر ہے۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

(۳)

مکتوب الیہ دھوکے میں اپنے بیٹے مولوی حبیب فرنگی محلی سے ملاقات کے بعد لکھنؤ لوٹے تھے اس پر مرقومہ نے انہیں مبارک باد دی اور ان کے تحفہ پنیر (Cheese) کا شکریہ ادا کیا۔

دریاباد

۲۶ر فروری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم!

السلام علیکم

مع الخیر مراجعت وطن پر دلی مسرت محسوس ہوئی اور مبارک بادیوں بھی پیش کرتا اس چیز کے تحفہ نے اب لازم کو لازم اور واجب کو واجب تر کر دیا جزاک اللہ وہاں تو انشاء اللہ سب خیریت ہی ہوگی۔

ملاقات آپ سے مہینوں نہ سہی لیکن احساس قرب اور امکان ملاقات خود کچھ تھوڑی نعمت ہے۔؟

"بازار یت" کی صحت میں شبہ میں اپنے قصور فہم سے نہ سمجھ سکا، لاحقہ "یت" تو ہر اردو لفظ میں لگا کر حاصل مصدر بنایا جا سکتا ہے ——— خواہ اصلاً دکھی زبان کا بھی لفظ ہو جیسے لگریت، عیاشیت، شہریت وغیرہا۔

عید سے ایک ہفتہ بعد انشاء اللہ لکھنؤ آنے کا پروگرام ہے۔

والسلام

عبدالماجد

وارث کامل صاحب دیر، دیر (دیکھنور)

برادرم السلام علیکم

ذاتی طور پر آپ کا ہم خیال ہوں۔ لیکن اخبار میں لکھنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔

ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

اور وقت نکالنے سے بالکل معذور ہوں۔

صدق کے علاوہ مستقل مصروفیت قرآن مجید کی ہے۔ اردو تفسیر کی نظر ثانی کر رہا ہوں۔ کئی گھنٹے روزانہ اس کی نذر ہوتے ہیں۔ کام یہ ہے کہ پھیلتا اور نکلتا ہی چلا آتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ پہلی بار نئی چیزیں چھوٹ کیسے گئی تھیں ——— کثرت سے آئی ہوئی فرمائشیں اس پر مستزاد۔

خیریت نامہ پاکر خوشی ہوئی۔ تو نے اخلاص اسی سے جمع کر آئی ہے۔ یوں بھی آپ کی تو پریں مخلصانہ معلوم ہوئیں ——— اور یہ نعمت اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ والسلام

دعاگو، معذرت خواہ: عبدالماجد

دریاباد ۱۸ر مارچ ۵۴ء

عبدالرؤف عباسی (لکھنؤ)

(۱)

قبل صاحب صدق جدید کے پیش رو صدق ہفتہ وار کے منصہ شہود پر اجرا دفتر صدق لکھنؤ سے جاری کیا۔ مرحوم یاد باری سے اخلاص رکھتے تھے۔ انہیں اپنے ہاں مستقل سیاری کی صدارت کے لیے بلایا تھا۔

دریاباد۔

۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

وعلیکم السلام

برادرم!

۔ اس رحمتی سے سرتابی کی مجال کسے لیکن گوش "حق نوش" میں عرض ہے کہ ۳۱ کی صبح سے مجھے لکھنؤ میں موجود رہنا ہے اور یہ پروگرام دو ہفتہ قبل سے طے ہو چکا ہے۔ اب کیا صورت ہو سکتی ہے کہ حاضری ۲۹ کو بھی رہے اور ۳۱ کو بھی۔ یوں بھی سند صدارت ترک کیے ہوئے ہوں۔

والسلام معذرت خواہ:

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲)

مکتوب الیہ کے بھائی کے انتقال پر تعزیت نامہ

دریاباد۔
۲۴ر اگست ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

السلام علیکم

برادرم!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن حادثہ کی خبر کل ۱۲ بجے دن ریڈیو کی آواز میں پڑھی۔ یہ کارڈ پہلی ڈاک سے روانہ ہے

بھائی کی جدائی کا صدمہ خانگی صدمات میں سے ایک سخت ترین صدمہ ہے۔ خصوصاً جب مرحوم بھائی عاشق زار بھی ہو۔ میں اس صدمے کا مزہ چکھے ہوئے ہوں۔

بہر حال اب دعائے مغفرت کے بجز اور ممکن ہی کیا ہے اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ

والسلام

عبدالماجد

(۳)

مکتوب الیہ کے بھتیجے ہم نام بھتیجے عبدالودود جونیر کے انتقال پر۔ مرحوم اسکرکے ایک اخبار سے بحیثیت صحافی وابستہ تھے۔ وہیں کار کے ایک حادثے میں انتقال ہوا تھا:

دریاباد
۲۰ر دسمبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

السلام علیکم

برادرم!

خدا کرے بہتی سے واپسی منہ الغیر ہوئی ہو اور مرض میں تمہارا افاقہ ہو گیا ہو، آپ لوگوں پر جو آسمان ٹوٹ پڑا اس پر ہوا اس کے ادر کیا عرض کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کو کوئی بڑا امتحان لینا اور اسی کی مناسبت سے بڑا نے عظیم دینا مقصود ہے جب ہی اتنی حیرت انگیز، حسرت انگیز، عبرت انگیز موت واقع کر دکھائی گئی۔ بچے اور بوڑھے اپنے اور پرائے سب ہی انگشت بدنداں! پردیس کی موت اور بھی ایسی بے کسی سے خود ہی ایک پروانۂ مغفرت ہے اور موت کس کی! ایک جوان صالح کی۔ اپنے سارے کنبے کی پرورش کرنے والے اور اپنی ملت کی قیمتی خدمت میں لگے رہنے والے کی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کے لیے کوئی سبیل معاش جلد سے جلد نکال دے۔

اس جنوری میں لکھنؤ حاضری کا قصد ہے اور پہلا کام آپ کی خدمت میں تعزیت اور عیادت دہرے فریضے کے لیے حضوری ہے۔

مرحوم جب مجھے خط لکھتے یا جب ملتے تو اس ادب و احترام اور اس اخلاص و محبت سے کہ بالکل سگے بھتیجے کا لطف آجاتا دل سے دعائیں بے اختیار نکل رہی ہیں ——

والسلام و مالکو دود عا خواہ:

عبدالماجد

محمد مقتدا خاں شروانی (علی گڑھ) (۱)

دیاباد
۹ر جنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

السلام علیکم

محترم!

جی آپ کے قلم کا کیا کہنا۔ پڑھنے والوں کا دل باغ باغ کر دیا۔ ایسی شگفتہ و شاداب تحریریں اب کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ اہل قلم کے متقدا جو ٹھہرے۔ قلم پر پوری رعنائی و برنائی اس سن میں آئی! بہ قول شخصے ؎

بڑھاپے میں بھی جواں ہو رہا ہوں
لیکن پیر بھی بہ قول شخصے ہی

دین اللہ کی ہے اس میں اجارہ کیا ہے:

والسلام دعاگو:

عبدالماجد

(۲)

مولانا شبلی پر مکتوب الیہ کے مضمون کے جواب میں۔

دریاباد
۲۵ر فروری ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

وعلیکم السلام

حضرت والا!

آپ ماشاء اللہ پیدائش کے وقت سے متقدا ٹھہرے آپ کی ہر قرارت پر ہم مقتدیوں کو آمین کہنا واجب خواہ بالجہر ہو یا بالسر۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ:

(۳)

مکتوب الیہ کے مصنفہ و مرسلہ مثنوی "نان و حلوا" کے جواب میں

دریاباد

۶ دسمبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

معلی الالقاب! السلام علیکم

تحفہ لطیفہ دلنذیر کا کیا کہنا۔ صاحب "نان و حلوا" کہیں کسی پاتے تو منہ میں پانی بھر آئے تو جان سے لبھائے۔

مثنوی کی بلاغت و متانت۔ سبحان اللہ! لیکن عنوان ثانی "نام فہم دلیس بھی ہونا تھا مثلاً مثنوی شیر مال و قورمہ۔ مثنوی بریانی و زندہ وغیرہ اور سب سے بڑھ کر مثنوی اشتیاقی آفرین برلے دل حزیں۔

والسلام دعاگو:

عبدالماجد

(۴)

مکتوب الیہ نے اطلاع دی تھی کہ انہوں نے علی گڑھ ہی میں "شرشرہ" کے نام سے اپنے بیٹے کو جوتے کی دکان کھلوادی ہے۔ کیلوے کے عنوان سے دوشنائی پر ایک نظم بھی ارسال کی تھی نیز مولانا دریابادی کو ان کے خط کی عربی کی بنا پر "نون ثقیلہ" کے خطاب سے نوازا تھا۔

دریاباد

۱۷ اپریل ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

والاصاحب! وعلیکم السلام

"چارہ" صاحب زادہ کے لیے یہ "شرشرہ" کا شوشہ آپ نے خوب چھوڑا۔ اداسی ضلع میں ایک بات نوک کی رکھ دی زمانے کے سر پر ایک ٹھوکر جادی۔ "داستان کیلوہ" کا کیا کہنا۔ پڑھنے والے کو چارہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ شروع سے آخر تک ہر شعر پر ہی ہی کرتا رہے۔

رقیبوں، حریفوں کے چہرے پر خوب ہی سیاہی مل دی یا "کیلوہ" کی مناسبت سے یوں کہیے

لیے کمان کے نابودت میں کیل ٹھونک دی۔

اس بدخط کو موزن رقم کا خطاب دے کر آپ نے ادھر تو کیسوئی حاصل کرلی ادھر معترض کا گلا ناپ دیا۔

دعاگو:

عبدالماجد

دریاباد

(۵)

۲۴ فروری ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

مخدوم و معتدا! وعلیکم السلام

آپ کے اشہب قلم نے ضلع کے سبزہ زار میں ماشاء اللہ جو لانیاں دکھائی ہیں وہ کلیلیں بھری ہیں وہ کاوے کاٹے ہیں، وہ وہ طرارے بھرے ہیں کہ میری ہمت تو تقلید کی بن نہیں پڑتی۔ اس میدان کے غازی مرد تو آپ ہی ٹھہرے۔ میرا بلق خامہ اگر داد کی منہ زوری کا حوصلہ کرے تو پہلے ہی قدم پر ٹھوکر کھائے۔ دامن پر داغ اٹھاتے۔ ایک ہی گردنی میں درست ہو جاتے نعل در آتش ہو کر زبان بند کرتا ہوں۔ قافیہ تنگ ہے۔ زیادہ آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہیں کرتا۔ اللہ آپ کا کارساز ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۶)

دریاباد۔

بسم اللہ

۱۱ اپریل ۱۹۶۶ء

کرم گستر! السلام علیکم

نظم نے مولوی نذیر احمد مرحوم کی یاد تازہ کردی۔ وہی رنگت وہی ڈھنگ وہی سازوہی آہنگ تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں ٹیک کے متابعہ لینا کیا خوب ایک نئی صنعت "ضلع ذولسانین"

والسلام

عبدالماجد

دریاباد

(۷)

۵ دسمبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

بندنواز! وعلیکم السلام

اس دورِ علمت میں آپ کو التوبہ[1] کی خوب سوجھی۔ میں نے اُس وقت پیش مفرد ہو گی لیکن اتنے عرصے کے بعد کہاں یاد ——

والسلام

عبدالماجد

(۸)

دریاباد

۲۸ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

وعلیکم السلام

کرم گستر!

مرض سے طول کے عوض کیا کہنا۔ سطح بلند پر زاویہ نظر ہے۔ فقط رکھنے کی گنجایش نہیں ہے۔ خط ختم کیے دیتا ہوں کہ کہیں مقالۂ اقلیدس کی شکل نہ اختیار کر لے۔

دعاگو!

عبدالماجد

(۹)

ملی گزٹ کے مضمون کو تو بہ الیکا کلام سن کر اور ملی گزٹ کی گزک سے لطف اندوز ہو کر شکریہ کا خلعہ لکھنؤ کی زبان میں گزک کو نمک شکری کہتے ہیں۔

دریاباد

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کلام حسن کو رج

قیامت ڈھائے گا جنت میں یہ بوڑھا جواں ہو کر

نمک شکری کھا کر ؎

نمک شکر اس کے کیا مقابل ہو

آم بھی اس گزک کے آگے ہیچ

والسلام

عبدالماجد

---

[1] مراد مولوی سلیمان اشرف صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی پرانی تصنیف جو تحریک ترک موالات کی مخالفت میں تھی مکتوب الیہ نے یہ کتاب مولانا مرحوم کو بھیجی تھی۔

دریاباد

۱۱ر جنوری ۱۹۶۳ء

(۱۰)

بسم اللہ

۱۶ر دسمبر ۱۹۶۲ء کی شام ایک نوشگوار شام تھی جب چہاری کپاؤنڈ علی گڑھ میں ایک مقتدا کے چلاتے ہوتے شبینہ اسکول کو ایک مقتدی نے دیکھا اور دیکھا کیا یہ کہیے کہ چند منٹ کی سرسری سیر میں اس کی چند جھلکیاں دیکھ لیں! مسلمان بچوں اور بچیوں کا یہ منظر کہ بجائے سینما دیکھنے، تاش و شطرنج و فضیحت میں وقت کی دولت لٹانے کے دینی تعلیم اور درس قرآن میں مشغول! بس آنکھوں میں ٹھنڈ دل میں سرور پیدا کرنے کو کافی تھا۔

ملی گزٹ جس کا تذکرہ غالباً سید محمود مرحوم نے ہمارے مرتقوی کیا تھا آخر ملی گزٹ ہے اور اس کا فیض حدود یونیورسٹی تک محدود نہیں شہر شہر اجالے ہیں ہے اور دینی تعلیم کی فوقانیت تو دوسرے مادی علوم سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے جواں ہمت کارکن کو کلمہ خیر عطا فرمائے[1]

میکشوں کے مترپو یارب پیر مغاں رہے

والسلام

عبدالماجد

دریاباد۔

۷ر دسمبر ۱۹۶۳ء

(۱۱)

بسم اللہ

حضرت سلامت!

والسلام علیکم

خیر مقدم، پڑھا قلم اٹھلاتا ہوا، گنگناتا ہوا نہیں صاف رقص کرتا ہوا نظر آیا کیا قلم کی حد تک رقاصی آپ کے مذہب میں جائز ہے۔

والسلام

عبدالماجد

دریاباد

۲۹ر مارچ ۱۹۶۵ء

(۱۲)

بسم اللہ

وعلیکم السلام

مکرم گستر ہنر مند!

یہ سب ہنر تو اپنے ہنرکی ہر تحسین کو یہ حکم عقل تحسین ناشناس ہی کے حکم میں رکھتا ہے پھر بھی نفس

---

[1] جو اس ہمت کار کی سے اشارہ خود مکتوب الیہ کی طرف ہے۔ [2] مکتوب الیہ کی قلم کی طرف اشارہ ہے۔

کا تقاضا ہے کہ کچھ قدر افزاؤں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے اور اس مستثنیٰ جماعت کا مقتدا آپ سے بڑھ کر کون ہے گا۔

دعاگو و دعا خواہ:

عبدالماجد

(۱۲)

دریاباد
۱۷ اپریل ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

ہم سب کے اہم و مقتدا! السلام علیکم

خط پر خط بھیج رہے ہیں۔ اور ہر دفعہ لطف عبارت سے محظوظ کر رہے ہیں جواب میں کوئی بات عرض کرنے کی نہ سوجھی۔ کیوں خواہ مخواہ طول دوں ——

والسلام

عبدالماجد

(۱۴)

دریاباد
۵ نومبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

مقتدی کا سلام مقتدا کو

ارسال کا شکریہ افضل ہے۔

لکھنؤ میں موسم بیچ کمیٹی میں آپ کی ذات برادری کے ایک صاحب سے وفات ہوئی آپ کا ذکر خیر چھیڑ کر اکبر کا مصرع آپ کی شان میں بلکہ آپ کی آن میں انہیں سنایا۔

ع قیامت ڈھائے گا جنت میں یہ بوڑھا جوان ہو کر

سن کر پھڑک گئے اور کہنے لگے اللہ نے تخلیق ہی آپ کی ایسی کی ہے پڑھے لکھوں کی نابلد میں ایک مجموعہ عالم اور خواص والوں کی بولی ٹھولی میں بوڑھے بالم۔

والسلام

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

جعفر علی خاں اثر لکھنوی

(۱)

خط میں بقلم لکھنوی کی کتاب سرمایۂ زبان اور دو پر کتب بینی کی تائید کی طرف اشارہ ہے۔

دریاباد
۲۲ اپریل ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

"علی گڑھ میگزین" کا مطبوعہ نمبر ۲ ابھی نظر سے گزرا۔ عالم، عجائب میں "حقیقت" ایک ہی نظر آئی اور وہ ہے آپ کا مضمون "لکھنؤ کی زبان" یا "سرمایۂ زبان اردو" پر تنقید۔ ماشاء اللہ و سبحان اللہ نہایت کے بعد زبان پر ایسا محققانہ مضمون نگاہ سے سامنے آیا ہے، اختیار آپ کو لکھنے کا دل چاہا، اللہ انکی عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے یہ تو وہ ہے کہ آپ کی یہ ساری تحقیقات، اصل کتاب پر بطور حواشی نقل کر لوں۔ صرف گھم گھم اور گھمی کے سلسلے میں جو ارشاد ہے اس سے پوری طرح مستفید نہ ہو سکا۔ پنواڑی کا بھی دونوں معنوں میں استعمال اس ہیچ مدان کی نظر سے گزرا ہے۔ دعاگو:

عبدالماجد

(۲)

دریاباد
۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

انشاء اللہ ۱۷ ستمبر (دو شنبہ) کی سہ پہر کو تقریباً بیٹھ آدھ گھنٹے کے لیے حاضر خدمت ہوں گا۔ برسات کا موسم ہے ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر شدید بارش ہو جائے اور مجھے شرمندگی سے پانی پانی ہونا پڑے۔

والسلام و دعاگو!

عبدالماجد

(۳)

دریاباد
۱۸ اکتوبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

اس روز یقین فرمائیے کہ آپ کی گفتگو سے بہت کچھ مستفید ہو کر آیا، پھر گفتگو کی لذت پر مزید کی حلاوت میں مستزاد —— دماغ اور معدہ دونوں اپنے اپنے حصہ سے بہرہ ور۔

یہ فرمائیے کہ اودھ پنچ (اول) اور فسانۂ آزاد میں جو کثرت سے ترکیب "یا ان سر" کی آتی ہے

یہ اس بات سے پتا لگی ماہیت کیا ہے اور صحیح تلفظ کیا رکھتا ہے۔ کسی لغت وغیرہ میں اس کا نظر سے گذرنا یاد نہیں پڑتا۔

والسلام کو مگو۔ عبدالماجد

(۴)

۱۰ر دسمبر ۵۶ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

کل اتفاق سے لغات النساء مولفہ مولوی سید محمد دہلوی صاحب فرہنگ آصفیہ میں نظر گھما گھما کر پڑ گئی۔ تلفظ وہی ہے جو آپ نے بیان فرمایا تھا یعنی گھما کہ نہ کر گھما گھمی۔ جی میں آیا کہ بہ تاکید آپ کو لکھ بھیجوں۔

والسلام

دعاگو، عبدالماجد

(۵)

"نوبہاران" از گھمنوی کا مجموعہ کلام ہے جو اس زمانے میں شائع ہوا تھا۔

۱۴- اپریل ۵۵ء

مخلص نوازا! السلام علیکم

"نوبہاران" کا کیا کہنا۔ وقت نکال کر ایک، ایک شعر بغیر درمیان سے کچھ چھوڑے پڑھتا جاتا ہوں۔ اتنی توجہ کم ہی کسی کتاب کے حصے میں آتی ہے۔

مدت پر اس شعر نے غضب ہی ڈھا دیا۔ اس سے بڑھ کر شعر تو اس دیوان میں بھی عاشقانہ رنگ میں نہ ملے گا۔

چپ بھی رہتے ہو تو گفتار کا ہوتا ہے گماں
شاذ اس طرز کی شیریں سخنی ہوتی ہے

سبحان اللہ! ماشاء اللہ تصوف و معرفت کے شعر بھی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اس سلسلے سے الگ۔ بارک اللہ۔

والسلام۔

دعاگو، عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۶)

اثر لکھنوی نے مولانا دریابادی سے یقیناً اپنی پسند کے اشعار کے انتخاب کے لیے کہا ہوگا۔

یکم مئی ۵۵ء

ذرہ نوازا وعلیکم السلام

آپ خواہ مخواہ میری عزت افزائی کے درپے ہیں۔ بہرحال جون توں ڈرتے جھجکتے تعمیل ارشاد کر دی ہے۔ ایسا تو کوئی شاعر آج تک ہوا ہی نہیں جس کا ہر شعر یکساں مرتبے کا ہو۔ غالب کا سا نفز گفتار اور پھر منتخب شائع شدہ کلام اس پر بھی پڑھنے والا اپنے رنگ کے شعر ہی کہہ پاتا ہے۔

ایک صاد، علامت میری پسند کا ہے اور ڈبل صاد علامت بہت زیادہ پسند کی ہے۔ باقی ناپسند کا کوئی سوال تو آپ کے کلام میں پیدا ہی نہیں ہوتا۔

مرزا امداد علی رسوا مرحوم سے میں نے کسی مشکل شعر کا مطلب دریافت کیا جواب میں لکھا کہ میں کبھی شعر پر غور و فکر نہیں کرتا۔ بس جو شعر پہلی ہی نظر میں پسند آگیا چن لیتا ہوں۔ باقی کو یہ سمجھ کر چھوڑ دیتا ہوں کہ میرے لیے نہیں ہیں۔ سات خوب اور میرے دل کی کہی۔ جس شعر کے سمجھنے میں زور لگانا پڑے وہ شعر نہ رہا فلسفہ ہو گیا۔ جواب میں فیر معمولی دیر ہو گئی، معافی چاہتا ہوں۔ والسلام

دعاگو، عبدالماجد

(۷)

"چنتائی" سے اشارہ مرزا سید الظفر چغتائی کی طرف ہے۔ مولانا دریابادی کے ہم وطن اور ان کے پاس روزہ کے آنے جانے والوں میں تھے۔ اثر مرحوم کے ہاں بھی ان کا آنا جانا تھا۔ کاپی نے مراد اثر صاحب مرحوم کی بیاض ہے جو انہوں نے مولانا کو انتخاب کلام کے لیے بھیجی تھی۔

۱۲ر جون ۵۵ء

کرم گستر! السلام علیکم

قلمی کلام کے مطالعہ سے اب فرصت ہوئی۔ چغتائی اگر شام کو آتے تو کاپی ان کے حوالے کر دوں گا۔ سرخ نشان بنا گیا ہوں کوئی دس شعر ایسے نظر آتے کہ طبیعت بے اختیار پھڑک اٹھی۔ ان پر دہرے نشان بنا دیے ہیں۔ اشارۃً وہ شعر حاضر ہیں۔

(۱) جس نے دیکھا وہ دیکھتا ہی رہا الخ
(۲) اس کے مائل کثرت ہوتی "
(۳) سارا عالم آمنہ ہے "
(۴) میری عرفی ہر جہاں "
(۵) نگاہ مل نہ سکی حشر "
(۶) جب کہا اس نے مدعا کہیے "
(۷) خدا کے بندے مطلب "
(۸) نہ پڑی فرد عمل میری "
(۹) شوق بڑھتا گیا گناہوں کا "
(۱۰) میر کی ایک عمر و فا میری الخ

آپ کے ماشقانہ کلام سے تو حیرت توقع ہی یہ تھی لیکن حیرت ہے کہ آپ کو تصوف اور معرفت سے اتنا درک کہاں سے حاصل ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس دریا کے شناور ہیں۔ بچپن سے سنا آیا تھا کہ شیعہ حضرات تصوف کے دشمن ہوتے ہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ والسلام

دعاگو: عبدالماجد

دریاباد
۸ مارچ ۱۹۳۵ء

(۸)

بسم اللہ

مخدوم و مکرم!
السلام علیکم

خدا کرے ہر طرح خیریت ہوں۔

(۱) فسانۂ آزاد میں کئی جگہ محاورہ آیا ہے "حکم بس آیا داخل ہے"، "حکم بس آیا ہی چاہتا ہے کہ عمل پر داخل"، کا یہ استعمال مجھے نامانوس معلوم ہوا۔

(۲) شہر یا منزل لکھنے کے بجائے فعل کہنا بڑا برابر استعمال میں ہے لیکن اپنے لڑکپن میں مجھے یاد پڑتا ہے جو فعل کہنا میں نے کتاب کی تصنیف کے لیے جو مناسب مشورہ کتاب کس کی کہی ہوئی ہے؟ ان دونوں محاوروں سے متعلق براہ کرم اپنی تحقیق سے مستفید فرمائیں۔ والسلام دعاگو:

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۹)

اثر مرحوم نے اپنا لغت و فرہنگ لکھنؤ خود شائع کرنے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔ مولانا دریابادی کی رائے اس کے برعکس تھی۔ وہی مخلصانہ مشورہ اس خط میں دیا اور ہندشائع اداروں کے نام بھی تحریر کر دیے جو اس لغت کی اشاعت پر آمادہ ہو سکتے تھے۔

۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء

بندہ نواز! علیکم السلام

آپ کی کتاب لغت کا کیا کہنا۔ بے پڑھے ہوئے بھی اس پر ایمان بالغیب رکھتا ہوں لیکن بجائے اس کو خود چھپوانے کی زحمت میں پڑنے کے کیا کسی ناشر کے حوالہ کر دینا بہتر نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ نقد نذرانہ یا رائلٹی یہ لوگ کچھ زیادہ نہ دے سکیں گے تاہم یہ کیا کم ہے کہ آپ کو سارے خرخشوں سے نجات مل جائے گی۔ ذیل کے ادارے ضرور قابل غور ہیں ان میں جس کسی سے بھی معاملت طے ہو جائے راجہ رام کمار پریس سابق نول کشور پریس۔ کتاب گھر مسعود حسن رضوی والا۔ دائرہ محل امین الدولہ پارک۔ فروغ اردو امین آباد۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ جس کے سرور صاحب سکریٹری ہیں۔ چھپ جانے کے بعد یوپی سرکار کی انعامی کمیٹی سے قدردانی یقینی ہے لیکن خود میری صدارت کی مدت تھوڑی رہ گئی ہے۔

کتاب کا نام معلوم نہیں آپ نے کیا رکھا ہے؟

ایک خیال ناقص اور عرض کروں۔ کتاب میں تنقید و تبصرہ سب ہی لغات ہے ہو۔ فرہنگ آصفیہ، جہانگیر، امیر اللغات وغیرہ سب پر محدود معنی نور اللغات پر نہ رہے ورنہ لوگ خواہ مخواہ ایک شخصی بحث بنا لیں گے۔ غالب سے یہی غلطی واقع ہوئی تھی۔ والسلام

دعاگو: عبدالماجد

(۱۰)

۲۹ اگست ۱۹۳۶ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

خدا کرے آپ ہر طرح صحیح تندرست اور بہ عافیت ہوں۔ ذیل کے دو فقروں میں فصیح اور فصیح تر آپ کے قرار دیں گے۔؟ "وہ اپنے کو ڈاکٹر کہلاتا ہے" "وہ اپنے کو ڈاکٹر کہواتا ہے"؟ فسانۂ آزاد میں کہوانا بارہا آیا ہے۔

دعاگوئے صحت و عافیت،
عبدالماجد

(۱۱)

۵ ستمبر ۱۹۶۱ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

ایک زحمت آج پھر دے رہا ہوں۔

(۱) اسرار جان اور مزار سوا) میں میں نے سلام کی جمع مونث پڑھی تھی۔ لوگ ان کو سلامیں کرتے تھے۔ میں سمجھا چاپنے کی غلطی ہے اب بجنسہٖ یہی جملہ فسانۂ آزاد میں پڑھا۔ اب تو چاپنے کی غلطی تسلیم کرنا مشکل ہے۔

(۲) اس ہفتے میں وہ آکے داخل ہے، یعنی اس ہفتے وہ آیا چاہتا ہے یا پہنچا چاہتا ہے۔ داخل کی یہ ترکیب کسی جگہ فسانہ آزاد میں بھی نظر آئی اور سمجھ میں نہ آئی۔

(۳) اور خود آپ کے مضمون میں میر انیس کا یہ مصرع مقول دیکھا۔

گویا علی کھڑے ہیں نہا چاہ پر

یعنی نہایا مستعد آمادہ کے معنی میں ہے۔ دو تین لکھنوی صاحبان مثلاً مرزا محمد عسکری مرحوم بھوائی ٹونکوی سے دریافت کیا سب نے اس مفہوم سے لاعلمی ظاہر کی۔ جواب صرف اسی صورت میں مرحمت فرمایئے کہ لکھنے پڑھنے سے صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑ رہا ہو ورنہ ہرگز میری طرف سے کوئی تقاضہ نہیں۔ والسلام

دعاگو: عبدالماجد

(۱۲)

فرینگ: رشتہ ہوگیا۔ مولانا مدیر بادی کی نظر سے گزرا یہ خط اسی خوشی اور شکریے کے اظہار کے لیے لکھا گیا فیلن اور پیس مشہور اردو انگریزی لغات نویس ہیں۔

۱۸ ستمبر ۱۹۶۱ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت گرامی موصول ہوا کیا کہنا ماشاء اللہ و سبحان اللہ۔ یہ تو پورا ایک دفتر نکلا لحیم شحیم ضخیم، میں سمجھے ہوا تھا کہ کوئی رسالہ ہوگا مختصر سا۔

بہرحال سراپا سپاس ہوں۔ صدق میں گو اب تبصرے نہیں نکلتے۔ تاہم اس کا مختصر تعارف تو ضروری ہے گنجائش جب بھی نکل سکے۔

سرسری نظر جہاں جہاں پڑی داد ہی دیتے بنی۔ جھنڈا دیا، جھنڈے گڑوا، جھانپو تینوں لغت ٹھوپ نکلے۔

آپ یہ کتاب نہ لکھ جاتے تو اپنے اوپر بھی ظلم کرتے اور اردو ادب پر بھی۔ اللہ اس طرح کی صحیح خدمت اردو کے لیے آپ کی عمر و صحت میں زیادہ سے زیادہ برکت عطا فرمائے۔

کتاب میں بار بار نام فیلن اور پیس کے آتے ہیں اگر شروع میں ان کا مختصر تعارف آجاتا تو ناظرین کے لیے بہتر ہوتا۔ والسلام

دعاگو: عبدالماجد

(۱۳)

۵ نومبر ۱۹۶۱ء

کرم گستر! السلام علیکم

خدا کرے آپ ہر طرح بہ خیر ہوں۔

اہل دہلی کی تحریروں میں برابر پجاتے کہلانے کے کہولنے کا استعمال دیکھتا ہوں۔ ایک آدھ لکھنوی کی تحریر میں بھی دیکھا ہے آپ کے نزدیک کہوا کہاں تک صحیح ہے۔

والسلام

دعاگو: عبدالماجد

(۱۴)

بسم اللہ

دریاباد
۳ جون ۱۹۶۳ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

آپ کی زبان پر مجرمانہ (یم کے ساتھ) یا مجرمانہ (اب کے ساتھ) ہے؟ آپ کی زبان پر لفظ باہر (بر مفتوح) سافر ہے یا باہر (بر مضموم) باہر خدا کرے آپ ہر طرح بخیر و عافیت ہوں۔ والسلام

عبدالماجد

(۱۵)

اثر لکھنوی کے انتقال پر ان کی بیوہ کے نام تعزیتی خط

دریاباد۔

۹ر جون ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

فائق محترم!

السلام علیکم

اپنے مرحوم شوہر نامدار کی کامیاب پر ملال تعزیت قبول فرمائیے۔ اللہ ان کے سرتبہ کو اعلیٰ کرے۔ اپنے رنگ میں فرد تھے۔ سخن گوئی، سخن فہمی تعدادی کہنا چاہیے ان پر ختم تھی اللہ میرے لیے کو سرپا محبت و اخلاص تھے۔ جب کبھی حاضر ہوا بغیر کھائے پلائے اور وہ بھی پورے تکلف و اہتمام کے ساتھ واپس نہ آنے دیتے۔

صدمہ تو ہمارا آپ کے اور قریبی عزیزوں کے لیے نہیں، ہم سب شریک غم و ماتم ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

والسلام

عبدالماجد

ڈاکٹر محمد حسن (دہلی)

برابر خط و کتابت رہتی تھی۔ ڈاکٹر محمد حسن قیصر تم کرنا چاہتے تھے اور اسے حیدرآباد، بمبئی وغیرہ سے چھاپنا چاہتے تھے مرحوم آبادی کا مکمل مجموعہ کلام "دیوان سلیمان" بھی پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں مرحوم سے تعاون کی درخواست کی تھی۔

دریاباد

بسم اللہ

۱۴ر مئی ۱۹۶۲ء

مکرم گستر!

تسلیم

آپ کا خط پاکر آپ کی تم ظریفی کا قائل ہو گیا۔ قیصر تم کو فروغ دینے کی کوشش میں ترغیب و تحسین کی توقع مجھ وقیانوسی سے! ملا مدیر صدق سے!

عشق رمز دوری عشرت گہ خسرو کیا خوب!

کہیں میرے پیام کو اپنے کسی کے اشتہار کا بزور دبانے کا ارادہ نہیں تو "دیوان سلیمان" بالکل نو عمری کی تصنیف ہے اور وہ بھی بڑی حد تک قلم برداشتہ۔ شیکسپیر کا نشاس وقت سوار تھا اور دو چار گھنٹوں میں فن پر الٹی سیدھی پڑھ ڈالی تھیں۔

اب اگر کتاب پر نظر ثانی کروں تو پچاس فیصد بدل ڈالوں۔ ایسی کتاب کو آپ یاد ہی کیوں رکھتے ہیں جس کے ذکر ہی سے سر منہ ہوا جاتا ہوں۔

والسلام دعاگو،

عبدالماجد

(۱)

شاہد احمد بلوی (کراچی)

۲۰ جولائی ۱۹۵۶ء کو مکمز پیڈ سے دو بھی غیر اہم تر بہ النصوح پر مولانا دریابادی کی یک تقریر نشر ہوئی تھی، جو شاہد صاحب نے سن کے تھے۔ خلاصہ ذکر ہی کا ہے۔

دریاباد

بسم اللہ

۱۶ر جولائی ۱۹۵۶ء

برادرم!

وعلیکم السلام

یہ کیا غضب ہوا کہ وہ نشریہ آپ ہی تک نہ پہنچا کوئی ستانہ سنتا ایک آپ ہی تو سن لیتے۔ دل نے تو آواز دی تھی۔

میری فریاد دوسرا نہ سنے
تم سنو اے پر خلا نہ سنے

(اور دوسرے مصرع کی گستاخی اللہ معاف کرے) یہاں اس کے بالکل الٹا ہوا چھاپنے میں دلچسپی آدمی بھی نہیں رہ سکتی۔ اس کا تعلق سننے سے تھا پڑھنے سے نہیں، میں ٹاک سنانے کے لیے تیار کرتا ہوں بطور مقالہ یا مضمون پڑھنے کے لیے نہیں۔

خیر اب تو جو ہونا تھا ہو چکا سوچ رہا ہوں کہ معاف کروا کے یہاں وہاں کے کسی رسالہ کے حوالہ کر دوں۔

اتفاق سے تازہ ساقی ابھی ابھی ملا۔ ہر مضمون اور ہر رسالہ پڑھنے کی ہمت کہاں سے لاسکتا ہوں لیکن ساقی ان چند رسالوں میں ہے جس پر ایک نظر ضرور ڈال لیتا ہوں۔ گستاخی معاف ہو تو اپنے اس کی بڑائی سے فائدہ اٹھا کر کچھ عرض کر دینا چاہتا ہوں۔

(۱) فسانہ آزاد پر مضمون بحیثیت مجموعی بہت اچھا ہے قابل داد ہے لیکن "احکام" کے بجائے یہ "احکامات" کیا؟ اور "حل مدح پر خامہ فرسائی" کیسی؟ اسی طرح مکرر کا استعمال ایسے فقروں میں کہ دل کو بھایا۔ ایڈیٹر کو ذی مروت زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) جوتشش اپنے فن کے استاد سہی اور زبان کے ماہر لیکن لغزش استادوں اور ماہروں سے بھی ہو جاتی ہے پہلی رباعی کے پہلے مصرع میں "گویا" کا محل استعمال سمجھ میں نہ آیا۔

(۳) صفحہ ۲۱ کے متعدد مصرعے میری فہم سے بالا تر نکلے اور پھر مصرع ثانی میں تو ایک گلا ہوا کرشمہ ایڈیٹر کی مروت کا ہے۔ کسی شعر میں کوئی بات قابلِ داد نہ معلوم ہوئی۔

والسلام

عبدالماجد

دریاباد

۲۱ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

(۲)

بسم اللہ

برادرم!

السلام علیکم

ابھی ابھی فرحت انوار سلمہا کے خط سے آپ کے ہاں کے سانحہ کی خبر ملی۔ اللہ آپ لوگوں کو صبر تسکین عطا فرمائے اور مرحومہ کو خود آپ لوگوں کے لیے وسیلۂ رحمت و مغفرت بنا دے مومن کی تو کوئی ادنیٰ سی تکلیف بھی بغیر اجر کے نہیں رہتی چہ جائیکہ ایسا صدمہ جانکاہ ——— اجر جزیل ایک اسی صدمہ سے آپ کا حصہ ہو گیا۔

ہم اللہ پڑھے اور بچے سب ایک ہی منزل کے لیے رواں دواں ہیں، دلی خوشی یہ سُن کر ہوئی کہ آپ نے اس موقع پر صبر جمیل سے کام لیا۔ آزمایش بڑی اور کڑی تھی مبارک ہو کہ آپ اس امتحان میں پورے اترے۔ والسلام

دعاگو، عبدالماجد

مولانا حکیم محمد زماں حسینی (کلکتہ)

مکتوب الیہ کے والد کے انتقال پر مولانا مدرماہادی کا تعزیتی خط

دریاباد

۱۴ر اگست ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

وعلیکم السلام

کرم فرما!

بے شک اس وقت آپ کا دل دکھا ہوا ہو گا اس دکھے ہوئے دل کے جذبے کو کام میں لائیں اور اپنے اور ان مرحوم اور ساری اُمت کے حق میں دعائے خیر فرمائیں ——— قلب سلیمہ کی دعا کیا کہنا۔ نَهْمُ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ہر منہ مانگی مراد حاصل بلکہ اس سے بھی سوا!

آپ انشاء اللہ خود صاحب علم و فہم ہیں۔ لقمان کو حکمت کون سکھا سکتا ہے۔ صبر جمیل کے لیے یہ اکسیر آیۃ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ کے دونوں اجزا کے معانی کا استحضار رہے جب ہم خود اپنے لیے نہیں اللہ کے لیے ہیں تو جانے باپ اور بھائی اور بیٹے جاتے ہوتے کب؟ سب کے سب اللہ ہی کی ملک۔ جس کی چیز تھی اس نے جب چاہی واپس لے لی اور پھر ظاہری جدائی کی مدت کتنی؟ ہم سب کے سب ہی ایک منزل کی طرف دوڑتے بھاگتے تو چل ہی رہے ہیں اور آگے پیچھے پہنچ ہی رہے ہیں۔ پھر بے صبری کاہے کی؟ یہ دونوں جس کے دل میں اُتر گئے تو پھر اسے آگے کسی صبر کی ضرورت ہی نہیں ——— اور آپ تو خوش قسمت ہیں کہ اتنا موقع آپ کو ان مرحوم کی خدمت کا مل گیا۔ اس پچھے صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد کر لیجیے جس نے کہا ہے کہ رب کی خوشی میں اور رب کی ناخوشی باپ کی ناخوشی میں ہے

والسلام نماگو دعاخواہ! عبدالماجد

(۲)

بھائی کی وفات پر مولانا مدر ماہادی کا تعزیتی مکتوب۔

دریاباد

۱۹ر جولائی ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

وعلیکم السلام

کرم گستر!

بھائی اور پھر ایک بھائی کی مفارقت کا صدمہ یقیناً بہت سخت ہوتا ہے چہ جائیکہ جب مفارقت بالکل اچانک اور غیر متوقع ہو۔ سینے میں ایک خلا ہو گیا ہو گا جس کی تڑپ ہر وقت بے چین رکھتی ہو گی۔

آیۃ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کے معنی و مفہوم کا مراقبہ ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے۔ انشاء اللہ تسکین اسی سے ہو گی۔

جس نے وقت ڈالا ہے وہی وقت کاٹے گا بھی۔

صدمے بھی یہ قدر ظرف ہی دیے جاتے ہیں۔ آپ کو جو جو بے حساب ملنے والا ہے اس کا ابھی آپ کو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا ——— انتظار کی بڑی سے بڑی مدت بھی ایک بھٹکتے ختم ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے رشتے کے بھائیوں اور عزیزوں کا دل سے غم دور کرنے کی تلقین فرمائی ہے یہ اضطراری اتباع سنت مبارک ہو۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ،
عبدالماجد

(۳)

مکتوب الیہ کے فرزند مولوی حکیم محمد عرفان الحسینی کے مولانا عبدالرحمٰن ناجی کی تیسری صاحبزادی سے رشتہ ازدواج کے قیام پر مولانا مدیابادی کی مبارک باد۔

مدیاباد
۸ نومبر ۱۹۶۳ء

کرم گستر! وعلیکم السلام

تقریب سعید اور وہ بھی خاندان ناجی میں اللہ ہر طرح مبارک و مسعود کرے۔ اللّٰھُمَّ اُلِّفْ بَیْنَھُمَا الخ یہیں سے پڑھے دیتا ہوں اس کو حسابی حاضری کا بدل سمجھا جائے۔ والسلام
عبدالماجد

خواجہ محمد شفیع دہلوی (لاہور)

مدیاباد
۱۵ اگست ۱۹۵۶ء

(۱)

بسم اللہ

برادرم!
وعلیکم السلام

خوشی اس کی ہے کہ مدیانت خیریت سے خود آپ کی خیریت دیانت ہو گئی۔ مذکورہ میری خیریت تھی اور مقدور آپ کی خیریت الحمد للہ ہندوستان آنے کا ارادہ کبھی نہیں تو! آپ دلی کو کبھی تو آکر دیکھ جاتے سہاگن نہ سہی بیوہی سہی

والسلام
دعاگو و دعاخواہ:
عبدالماجد

(۲)

خط کی عمومی بحث کا پس منظر یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے لکھا تھا کہ میں نے ایم اے (اردو) میں داخلہ لیا ہے۔ مذکورہ سے مراد پاکستانی حکام کے غلط طرز عمل کا تذکرہ ہے۔

مدیاباد

۱۷ نومبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

عزیزم!
السلام علیکم

رات آج سے کوئی پچاس سال قبل کی ہے۔ میرا بچپن تھا۔ دلی مرحوم کا آخر زمانہ تھا۔ ریاض الاخبار کا شباب تھا۔ داغ کی غزل شائع ہوئی۔ مطلع تھا ؎

دلبرے جدا ہونا یاد دل کو جدا کرنا
اس سوچ میں بیٹھا ہوں آخر تجھے کیا کرنا

ریاض نے اعتراض کیا کہ یہ کیا کرنا" نہ ولی کا محاورہ ہے نہ لکھنؤ کا۔ داغ نے نج کے خط میں جواب دیا کہ "یہ میری زبان ہے۔ کیا اعتراض میری زبان پر بھی ہے"۔ ریاض نے بھی نج کے خط میں جواب دیا کہ "آپ کی زبان پر میری جان کیا کیا ہے جو اعتراض کر سکوں۔ لیکن سوال یہی ہے کہ آپ کی زبان ہے بھی؟ اگر آپ کی زبان ہے تو اپنے ہزار ہا اشعار میں سے کہیں اس کی سند دکھا دیجئے فرشا ماں ہوں گا۔ جواب ہے کہ کھنیوں کے درمیان سالہا سال گھر رہنے سے آپ "نا دانستہ ان کا محارہ باندھ گئے"۔ داغ اس پر لاجواب ہو گئے۔ تو یہی معاملہ آپ کے "داخلہ لینے" کے ساتھ ہے۔ اگر اسے آپ نے دلی والوں سے سنا ہے اور اسے صحیح سمجھتے ہیں تو بیشک بالکل کالی ہے۔ باقی اسکول اور کالج کے لڑکوں کی اردو تو انگریزی اردو یا جانا اردو ہے۔

اردو جاننا اور چیز ہے اور اردو سے متعلق جاننا اور۔ آپ کے چاروں استادوں میں مجھے علم نہیں کہ اردو جاننے والے کوئی صاحب ہیں یا نہیں ہاں اردو سے متعلق بے شک بہت کچھ جانتے ہوں گے اور اپنے کپوں میں لسانی معلومات کا انبار لگا دیتے ہوں گے جیسا کہ ہر فرنگی محقق کر سکتا ہے۔ یہ چیزیں بھی سیکھنے کی ہیں اور اساتذہ سے ضرور سیکھیے لیکن نفس اردو کی بول چال کا جہاں تک تعلق ہے بس اپنے شہر کی بھیڑوں کو اپنی درس گاہ سمجھیے۔

"اسرار جان ادا" میں اس مقام پر میں بھی ذرا کھٹکا تھا لیکن یہ سمجھ کر گزر گیا تھا کہ بازاری خاکینہ بہت نقیل ہوتا ہوگا ایک پیسہ میں بہت سا ملا ہوگا اور ادھر اسرار جان ادا کی نزاکت اور نفاست اتنے کی بھی روادار نہ ہوتی ہوگی۔

"خوگینہ" سے میں واقف نہیں۔ نور اللغات وغیرہ میں بھی درج نہیں شاید کسی مخصوص و محدود طبقہ کی بولی ہوگی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیجیے خط بڑا لمبا ہو گیا۔ تذکرہ کا تذکرہ اس لیے اس میں قصداً نہیں کرتا پھر کبھی۔ اور روکوئی نوٹ گلوز موضوع میرے لیے ہے بھی نہیں۔

والسلام و دعاگو
عبدالماجد

(۳)

خواجہ صاحب نے مثنوی میرحسن کے بعض اشعار کے معنی دریافت کیے تھے

دریاباد
۲۰ر جنوری ۱۹۵۶ء
بسم اللہ
برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ
وعلیکم السلام

(۱) واچھڑے قدیم زبان میں کلمۂ داد تحسین یا کلمۂ استعجاب تھا۔ کیا خوب کے معنی میں۔ میرے نسخہ میں دوسرا مصرع یوں ہے۔

کہیں ہوتی دی اور کہیں واچھڑے

(۲) موتڑے "وہی موتھرے ہے گھوڑوں کے پیر کی بیماری میرے نسخہ میں شعر کے الفاظ یوں ہیں:

نہ ہڑوں کا نہ موتڑے کا خلل
نہ پتان اور پرستارے کا بل

(۳) میرے نسخہ میں یہ شعر یوں ہے:

ہوئی دست بازو کی سرساتیاں اور اڑائی گئیں ہاتھ کی گھاتیاں

"سرساتی سر پر وار کرنے کو کہتے ہیں۔ اور گھاتیاں اٹھانا" پٹے بازوں کی اصطلاح میں کسی معین ضرب کا نام ہے۔

(۴) میرے نسخہ میں دوسرا مصرع یوں ہے:

لوگ لپھی کے لے پر لوٹ

معنی وہی ناچ کی ایک قسم کے معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) "جریب ناپنا" منقول از نور اللغات جلد ۲ ص ۲۱۲
بادشاہی جلوس میں ہاتھی کے نیچے ریشم کی ڈوری پڑی رہتی تھی فیل بان اس کو ہاتھ میں لپیٹتا

جاتا تھا جب کوس پورا ہو جاتا وہاں ایک چھڑی لے کر بادشاہ کو جھرکتا جس سے مراد ہوتی کہ سواری کوسس بھر آئی۔ ریشم کی اسی ڈوری کو جریب کہتے ہیں۔

(۶) جی ہاں "قدرہ" گوڑ کے معنی میں ہے۔

(۷) بڑھا کر لکھے سات سے نو قلم اس کا اسلوب مجھ پر بھی نہ واضح ہوا۔ لکھنؤ ہی میں ایک صاحب منشی شیخ ممتاز حسین جونپوری[1] پرانے آدمی ہیں ادیب و منشی خوش نویسی کے ماہران سے لکھ کر دریافت کرتا ہوں۔

(۸) شلق حالوں کی زبان میں ایک نقش کا نام ہے جس میں تو خانے ہوتے ہیں کلام کا سیاق بھی یہی چاہتا ہے کہ بات حالوں کی اصطلاح میں چل رہی ہے۔ اپنا بھی پرانی زبان کو سمجھنا اتنا مشکل نہ رہا تھا۔ جتنا کسی غیر زبان کا۔ آئندہ کبھی اس قسم کی خدمت لینا ہو تو صفحہ فصل وغیرہ کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ بڑا وقت مجھے اپنے نسخہ میں ان اشعار کے ڈھونڈھنے میں لگ گیا۔

والسلام و دعاگو
عبدالماجد

(۴)

خواجہ صاحب کے والد خواجہ عبدالمجید مرحوم کے انتقال کی خبر پڑھ کر یہ تعزیت نامہ تحریر کیا

دریاباد
۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۶ء
بسم اللہ
برادرم!
وعلیکم السلام

دعائے مغفرت کل سہ پہر کو خط پاتے ہی کر دی تھی خط کا قبل عصر ملا تھا اس وقت سے اب تک یاد کر کے ہر نماز کے بعد اور اس وقت بھی کر رہا ہوں۔

(۲) مرحوم کی خوش نصیبی تھی کہ اولاد سعید آپ کی سی چھوڑی وطن سے صدہا میل دور دالہجرت میں وفات بجائے خود ایک علامت مقبولیت کی ہے۔

آپ بھی خوش نصیب ہیں کہ اتنے عرصے خدمت کا موقع پایا۔

باقی یہ سایہ تو سبھی میں اٹھے گا بہرحال صدمہ ہی کا باعث ہوگا اور یہی صدمہ ہر اجر اخروی کی بنیاد ہے۔

---

[1] شیخ صاحب نہ صرف نثر نویسی کے ماہر تھے بلکہ دوسرے اصناف کے بھی محقق تھے لکھنؤ کی پرانی چیزوں سے سب سے زیادہ واقف اور مرزا محمد ہادی رسوا کے خاص دوستوں میں تھے۔

اپنی والدہ ماجدہ اور بھائی بہنوں سب کو میرا پیام تعزیت پہنچا دیجیے آپ کا بڑا فریضہ انہیں لوگوں کے ساتھ حسن سلوک بہ قدر ان کے مراتب رہ گیا۔

اصل حقیقت کے اعتبار سے غم اور سوگ کون کس کا کرے جب کہ آگے پیچھے سب ہی تیزی کے ساتھ ایک منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔

گھر کی ذمہ داریاں اب ساری آپ ہی پر آپڑی ہوں گی۔ باپ کا سایہ بڑا ہی بابرکت ہوتا ہے۔

ع اب اسے ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر

اس یقین میں شک نہ لائیے گا کہ اللہ ہر مسلمان کا والی و ناصر ہے۔ والسلام و عاگو،

عبدالماجد

(۵)

آخر ۱۹۶۰ء میں دہلی میں انڈیا پک کانگریس کا اجلاس منعقد ہوا تھا جس کے روح رواں ڈاکٹر تارا چند تھے انھیں کی دعوت پر مولانا مرحوم دہلی تشریف لے گئے تھے اور خواجہ صاحب ہی سے مولانا مرحوم کے مخلصانہ تعلقات تھے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے کتب میں اسی سفر کا ذکر ہے اور ملاقات نہ ہونے پر افسوس۔

دریا باد

۱۲ اپریل ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم!

السلام علیکم

یہ لطیفہ بلکہ المیہ سنیے کہ آپ ۱۳ مارچ کو دہلی میں موجود اور میں جا کر پھر محروم دید واپس آیا ——— سکندرہ کو بھی آپ حیات تک پہنچ کر مایوس ہی واپس ہونا پڑا۔

مجھے خیال بھی نہ تھا آپ دہلی میں موجود ہوں گے آپ کا نام تو واپس آکر اخبارات میں بسلسلۂ مشاعرہ پڑھا۔

میرا بھی دہلی جانا برسوں کے بعد ہوا تھا ایک ہی دن ٹھہر کر چلا آیا۔ دہلی کے تاثرات خواجہ دہلوی کے قلم سے پڑھنے کے قابل ہوں گے۔

والسلام

عبدالماجد

مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی دیکھنؤ (۱)

مفتی صاحب نے مولانا دریابادی کو اپنے ہاں لکھنؤ میں مدعو کیا تھا اور اس موقع پر مولانا ابوالمحاسن علی نددی معروف بہ علی میاں صاحب کا مدعو کیا تھا اور ایڈیٹر حیات اللہ انصاری کو بھی بلا لینے کی اجازت طلب کی تھی۔ مولانا شہید سے مراد مولانا عبدالباری شہید انصاری فرنگی محلی ہیں۔ ۲ وتفرقوا بین احد منکم کو قرآن کی آیت نہ سمجھ لیا جائے۔

دریا باد

۵ ستمبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

عزیزم!

وعلیکم السلام

دوشنبہ کی صبح کا وقت تو رشید صاحب کے لیے بک ہو چکا تھا۔ ان کی منظوری سے بہ آسانی اپنے ہاں منتقل کرا سکتے ہیں۔ لا نفرق بین احد منکم

مولانا علی میاں صاحب اور حیات اللہ انصاری کا اجتماع پر لطف رہا۔ دین و دنیا ایک ہی دسترخوان پر۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ کی عملی تفسیر۔

والسلام، دعاگو:

عبدالماجد

(۲)

مولانا مفتی عبدالقادر فرنگی محلی کے انتقال (۲۵ اگست ۱۹۵۹ء) پر مرحوم کے بھتیجے مفتی محمد رضا انصاری کے نام کتب تعزیت۔

دریا باد، بارہ بنکی

۲۶ اگست ۱۹۵۹ء

عزیزم سلمہ ا السلام علیکم

ع "جس وقت کا دھڑکا تھا، وہ وقت آگیا آخر"

اللہ کا چاہا آخر پورا ہو کر رہا۔ اور وہی ہمیشہ بہتر ہوتا ہے جو اس کا چاہا ہوتا ہے۔ لیکن بندہ بیچارہ بھی کیا کرے اس کی آہ و فغاں، گریہ و زاری ماتم و سیوں سب قدرتی ہیں۔ عزیزوں قریبوں مخلصوں متوسلوں کے دل میں ٹیس ہی ایسی اٹھتی ہے۔

اور پھر مرحوم کی تو ذات ایسی تھی کہ دور دور کے لوگ بھی اس صدمہ کو اپنا ہی صدمہ سمجھیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ، اللّٰھم بال مغفرت درجنت سے مالا مال فرمائے۔

کل اسی وقت نماز جنازہ اس کی پڑھائی جارہی ہوگی جو خود بیشمار جنازے پڑھا چکا، اور کل تک خود دوسروں کی مغفرت کی دعائیں کرتا رہا تھا۔ کل سہ پہر کو برابر یہی خیال آتا رہا خبر وفات اسی وقت معلوم ہوئی تھی، کل یہاں مغرب کے وقت جماعت سے دعا کرادی تھی۔ اللہ آپ سب عزیزوں کو صبر جمیل کی توفیق فرمائیں۔

ان شاء اللہ ۲۹ کی شام کو یا ہر کو صبح ضرور مزار پر فاتحہ پڑھوآؤں گا اور اگر وقت ملا تو فرنگی محل بھی حاضری دے لوں گا۔ والسلام

دعاگو،
عبدالماجد

دریاباد۔
۱۱ر جون ۱۹۶۲ء

(۳)

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ!
السلام علیکم

مولوی سید امین المی سبکل مولوی مرحوم میرے عزیز ترین دوستوں میں تھے اور فرنگی محل کے سربرآوردہ ان کے بجائے سید ظہور المی مولوی شرکت عرس فرنگی محل کے لیے آج ہی کل میں جدآباد سے لکھنؤ پہنچ رہے ہوں گے (میرے خط میں تھا کہ ۱۳ کو پہنچ جائیں گے) بس دو سرا ورق کاٹ کر ان کے حوالہ کردیا جائے۔

"علاوہ" کا استعمال موقع نفی پر ذرا نازک ہے۔ اچھے اچھے اس میں چوکھ جاتے ہیں، "علاوہ ایک سبیل کے اور کوئی سبیل موجود نہ تھی" یہ موقع علاوہ کا نہیں بجز یا سوائے کا ہے علاوہ کے معنی بتمول کے ہیں، حذف کے نہیں۔

"قومی آواز" نے بدسلوکی کی ابتدا بدعت جاری کرکے اب اس سے بھی بڑھ کر بدعت ہم جنسی کی شروع کی ہے[1] ۔۔۔ اردو میں چلے ہوتے لفظ اس گندے مفہوم کے لیے ہیں اگر انہیں چھوڑنا ہی ہے تو "تلذذ بالمثل" سے کام لینا تھا، ہم جنسی، تو اس موقع کے لیے سوفی صد مہمل ہے۔ والسلام۔

دعاگو و دعاخواہ،
عبدالماجد

---

[1] انگریزی لفظ homosexuality یا مذکر کا ترجمہ کرنے نے ہم جنسی سے کیا تھا اس پر ٹوٹا ہے۔

(۴)

جوش صاحب پاکستان سے کھنچ کر گئے تھے، مولانا بھی ان سے ملنا چاہتے تھے، خوش طبعی سے وہی مراد ہیں، مفتی صاحب کے جوش سے خیر معمولی تعلقات تھے اس لیے انہی کو اس سلسلے میں خط لکھا۔

دریاباد
یکم ستمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیزم!
وعلیکم السلام

ایک روز خبر آئی اور پھر کافور مشق (سلمانی مراد کارڈیست) کے نعرہ زن کا تعارف و تذکرہ مفتی شہر کے قلم سے خوب اور بہت خوب سہا۔ داد قبول ہو۔

لیکن یہ کچھ نہ بتایا کہ وہ حضرت ہیں کہاں؟ لکھا چاہوں یا خط لکھوں تو کس پتے سے، ہیں تو ملیح آباد تک جانے کو تیار ہوں ——— یہ جاننے کا ہمہ تن منتظر ہوں۔

تحریریں وہ جو کچھ بھی منصب ڈھاتے ہوں میرے سامنے تو اپنی موقر نعتیہ قلم انہوں نے برسوں ادب کے ساتھ سنبھالے ہے اور ایک سے نہ نادیدہ۔

جی نہیں مولانا فرنگی محلی کا ذکر اگر کہیں اس پاس بھی اس کتاب میں ہوتا تو میں ضرور ظاہر کردیتا کتاب میری پہلے کی دیکھی ہوئی ہے۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ،
عبدالماجد

دریاباد۔
۱۱ر جنوری ۱۹۶۳ء

(۵)

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ!
السلام علیکم

ابھی دس بجے دن کو جب مرحومہ کا سوتم ہو رہا ہوگا[1] ——— مولوی عظمت اللہ مرحوم کی خبر وفات پڑھی[2]۔ مرحوم میرے استاد محض رسمی قسم کے نہ تھے حقیقی اور بڑے شفیق استاد تھے، عمر کی ٹوٹی پھوٹی جو کچھ بھی آئی انہیں کی بدولت آئی اللہ ان کے مغفرت کردی۔

---

[1] مکتوب الیہ کی کسی قریبی عزیزہ کا سوئم۔

[2] مرحوم مولانا کے سیتاپور گورنمنٹ ہائی اسکول میں عربی کے شاگرد تھے، اور اس زمانے میں مولانا کی مضمون نگاری کی ہمت افزائی کی تھی۔

قریب کے سات عزیزوں کو تعزیت رسانی کا مزید اجر حاصل کیجیے۔

والسلام دعاگو و طالب دعا
عبدالماجد

شیخ ممتاز حسین جون پوری (لکھنؤ)

شیخ صاحب نہ صرف ادبیات کے محقق تھے بلکہ لکھنویات پر سند کا درجہ رکھتے تھے۔ کاش ان کے مرنے کا پتا بھی چل سکتا۔

دریاباد
۲۰ر جنوری ۱۹۵۷ء

بسم اللہ

گرم گستر ا السلام علیکم

میر حسن کی مثنوی سحر البیان میں ایک شعر ص ۳۲ پر ہے ؎

ہوا حبذ کہ نوخط و شیریں رقم
بڑھا کر کہے سات سے نو قلم

سیاق شہزادہ کی خوش نویسی کا ہے۔ دوسرے مصرع میں "یہی یہی ہوا" سات سے نو قلم" یقیناً خط نسخ ہی کی کوئی اصطلاح ہوگی۔ آپ کچھ مدد فرما سکتے ہیں۔

سرشار و سوا صاحب کا کلام جتنا "سرور" اور "فسانۂ آزاد" میں ملتا ہے وہ اگر کہیں ہو جاتا تو بہت کچھ تھا پھر آگے دیکھا جاتا۔

والسلام
عبدالماجد

خلیل الرحمٰن اعظمی (بسم اللہ علی ملی گڑھ)

مکتوب الیہ نے اپنی کتاب پر تبصرہ لکھنے پر صدق جدید کا متعلقہ شمارہ بھیجنے کے لیے درخواست کی تھی۔

دریاباد
۲۵ر مارچ ۱۹۵۷ء

بسم اللہ

"بسم اللہ علی" سے خط "بسم اللہ" کے گنبد میں پہنچا۔

تبصرہ دفتر سے ناشر کے نام اسی وقت روانہ کر دیا جاتا ہے، اب اس وقت دفتر کھلے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بھیجتا ہوں کہ ایک تراشہ آپ کو بھی بھیج دیا جاتے۔

دعاگو
عبدالماجد

حکیم ضیاء ولی (دیر ٹھ)

اپنے دوا خانے "دارالشفاء مصطفائی" کے شربت "روح پرور" کے تحفے کے جواب میں شکریے کا خط۔

دریاباد
۳۰ر اپریل ۱۹۵۷ء

بسم اللہ

شربت "روح پرور" واقعی اس موسم میں ایک تحفۂ روح پرور ہے اور پھر ایک نہیں دو دو بوتلیں ساتھ کر اضافاً مضاعفہ کرنے والی۔ جنتان ذواتا افنان و دونہما جنتان[1] کی شان لیے ہوتے۔

والسلام
دعاگو عبدالماجد

(۱)

نادم سیتاپوری

نادم صاحب نے دریافت کیا تھا کہ مولانا دریابادی کے تضمینی شعور کی رہنمائی اور تربیت میں کن کتابوں اور مصنفوں نے حصہ لیا؟ نیز ان کی پہلی تضمین کون سی ہے اور ان کی وجہ

دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۷ء

کرم گستر ا علیکم السلام۔ جوابات عرض ہیں۔

۱۔ سب سے بڑھ کر تو والد ماجد شبلی، ان سے کم درجہ میں کچھ اور لوگ ہیں۔

۲۔ سب سے بڑھ کر مولانا شبلی کی "الکلام" اور "رسائل" ان سے بھی قبل کے دور میں مولانا شاہ اللہ امرتسری اور مرزا غلام احمد قادیانی کی مناظرانہ کتابیں، آسید وغیرہ کی رد میں[2]

---

[1] یہاں سورہ رحمٰن کی یہ آیتیں کے الفاظ ہیں۔ وَدُونَهُمَا جَنَّتَانِ (آیت ۶۲) ذَوَاتَا أَفْنَانٍ (آیت ۴۸) مُدْهَامَّتَانِ (آیت ۶۴)

[2] نادم صاحب کے نام خطوط پیش نظر حواشی ان کے اپنے قلم سے ہیں۔

۳۔ پھر وہی مولانا شبلی جب کالج کی زندگی شروع ہوئی تھی تو مکمل میں مولانا سے مذاقی نیاز مندی اور عامر ہاشمی بھی رہی۔ ادبی اور شعری مذاق جو کچھ بھی پیدا ہوا مولانا ہی کا فیض ہے۔

۴۔ مستقل پہلی تصنیف "فلسفہ جذبات" اس سے بھی پیشتر دو مقالے جو ایک ماشر نے رسالے کی صورت میں شائع کر دیئے تھے ایک محمود غزنوی دوسرا فداے انسانی۔

۵۔ اس کا جواب مشکل ہے۔ یوں تو ظاہر ہے اپنی سب سے بڑی خدمت تفسیر قرآن اردو انگریزی کو سمجھتا ہوں۔ باقی حکیم الامت محمد علی کی ذاتی ڈائری اور سفر حجاز ہی شاید کچھ وزن و قیمت رکھتی ہوں۔

والسلام
عبدالماجد

(۲)

یکم نومبر ۱۹۵۱ء
دریابادضلع بارہ بنکی

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ جی ہاں "الناظر" میں وہ سلسلہ مضامین ایک طالب علم کے فرضی نام سے اپریل ۱۹۱۱ء سے جنوری ۱۹۱۲ء تک سات نمبروں میں جاری رہا اور بڑے لوگوں نے اس وقت بڑی ہمت افزائی کی۔ میں اس وقت انٹر کا طالب علم تھا۔

۲۔ علمی مضامین اس سے قبل بھی لکھ چکا تھا مسدود "وکیل" امرتسر میں ۱۹۰۷ء ۱۹۰۸ء میں۔

۳۔ والد مرحوم کا قیام سیتاپور میں ۱۹۱۰ء تک رہا۔ خالباً اکتوبر تک۔ آغاز قیام ۱۸۹۹ء سے ہوا۔

۴۔ میری تعلیم مجھ ڈلاس (برائچ اسکول) سے لے کر درجہ تک وہیں ہوئی ۱۹۰۸ء میں میٹرکولیشن وہیں سے کیا۔ ہیڈ ماسٹر برابو محمد علی لال ہے۔ والد مرحوم کے تعلقات علاوہ اپنے افسران اور ہم حکام کے پبلک سے بہت گہرے اور مخلصانہ رہے۔ میر منظر حسین۔

لہ مولانا شبلی کی آلکام پر ایک طالب علم کے نام سے مولانا نے یہ تنقید کی تھی۔ یہ قول صدیادی مولانا شبلی کے نام کی مرت آرزو تھی یہ تنقید درصل اسلامی بنیادی عقائد پر وجودباری رسالت وغیرہ پر تھی (۲۳ ۲) مولانا کے والد مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم پنشنر ڈپٹی کلکٹر ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ دنوں تک میونسپل بورڈ سیتاپور کے سیکرٹری رہے۔ (۳) اپنے عہدے کے ایک مشہور وکیل جن کی فیاضی اور دریا دلی کے افسانے سیتاپور اور اس کے پاس پڑوس میں آج تک مشہور ہیں۔

سید نذیر احمد[1] عبدالمجید خان۔ مولوی ہادی علی خان۔ سید رضی۔ منشی احمد حسن لاہر پوری۔ حکیم انوار حسین خیر آبادی۔ آغا شیر محمد ہاشم۔ سید محمد احمد (ریٹائرڈ سب جج) (اور) حکیم مہدی[2] کے نام اس وقت یاد آگئے۔ ہاں حافظ امیر احمد لاہر پوری بھی ہیں۔

شہر کے ملاں خیر آباد ملا لاہر پور۔ ہرگانوں۔ محمود آباد والوں سے بھی بہت تعلقات تھے۔ نیز قصبوں میں راجہ سوریج بخش سنگھ[3] تعلقہ دار کمالیوں اور پریسنڈی کے ٹھاکر ..... ہیں۔ رابہ صاحب محمود آباد سے خصوصی تعلقات دوستی و یگانگت کے تھے۔

۶۔ اپنے استادوں میں بابو مہندی لال، اسٹروولت رام (حکیم) محمد زکی، مولوی عنایت اللہ فرنگی محلی کو بڑے شکریہ کے ساتھ یاد کرتا ہوں۔ نیاز احمد مرحوم۔ اعجاز احمد۔ دوست محمد۔ راج نرائن مہرکول آغا اصغر بھی تھے۔

۷۔ بھائی صاحب بحمد اللہ بخیریت ہیں۔ گو کمزور بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔
خدا کرے کہ آپ کی سب باتوں کا جواب آگیا ہو۔
والسلام
عبدالماجد

(۳)

۱۱ نومبر ۱۹۵۱ء
برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ جی ہاں بشکس سید محمود[4] مرحوم کا نام آپ نے خوب یاد دلایا ..... ہی میں رہتے تھے بعد کو اسیٹن وال کو ٹھی (بیگم باغ) میں اٹھ گئے تھے۔ انتقال جون ۱۹۲۲ء میں عین نماز جمعہ کے وقت

لہ میرے حقیقی چچا سیتاپور کے مشہور وکیل اور اپنے زمانے کی ایک ہر دلعزیز شخصیت۔ مدتوں میونسپل بورڈ کے ممبر واقعی چیئرمین آنریری اسسٹنٹ کلکٹر اور آنریری مجسٹریٹ رہے۔ میرے ماموں کے والد مولوی عبدالقادر مرحوم سے خصوصی تعلقات تھے۔ ۲ سید ولد محمد اکرم خاں ایک نامور علمی شخصیت۔ انہی کے پوتے آغا سید اختر مرحوم ساتھی صدر پاکستان اسکندر میرزا کے ہم زلف تھے۔ ۳ سیتاپور کے ایک مشہور طبیب! (نام سیتاپوری)

۴ سید محمود آخر عمر میں سیتاپور اپنے چچازاد بھائی سید محمد احمد خاں سب جج کے پاس چلے آئے تھے، یہیں ۱۹۲۲ء میں انتقال ہوا۔ لاش علی گڑھ بھیجی گئی۔

فرمایا۔ باوجود دائم الخمر ہونے کے بڑے پختہ مسلمان تھے۔

۲۔ جی ہاں ۔۔۔ زکی نہیں۔ یہ حکیم مرزا محمود کی لکھنوی مرحوم ابن مرزا محمد تقی ۔۔۔ کے باشندے تھے ان کے چھوٹے بھائی آج بھی لکھنؤ کے ایک بڑے طبیب ہیں۔ حکیم محمد تقی شفا منزل گھسیاری منڈی۔ میرے عربی کے سب سے پہلے استاد اور شفیق استاد تھے۔ عادات و اطوار مزاج کے لحاظ سے خالص لکھنوی۔ ذہانت کو بہت ہی بیجا صرف میں صرف کرنے والے۔

۳۔ جی ہاں۔ سید اعجاز احمد وہی ہیں پہلے کہیں سب انسپکٹر تھے۔ جگراؤں رہن وکیل کا نام بھی آپ نے خوب یاد دلایا۔ دوست محمد خاں محلہ عالم نگر کے رہنے والے تھے۔ پستہ قد۔ چیک رو۔ فٹ بال کے اچھے کھلاڑی۔ ایک نام امراؤ مرزا عشق کا رہ گیا تھا۔ اب غالباً مرحوم ہو چکے ہیں۔ سید محمد طاہر وکیل کا ساتھ کالپی میں رہا تھا۔

۴۔ "الناظر" کی وہ جلدیں اب کہاں ملیں گی؟ میرے پاس وہیں تھیں۔ آپ کا اب لکھنؤ جب آنا ہو تو دو ایک گھنٹے کا وقت نکالیے، دفتر الناظر یک لکھنؤ حکیم عبدالعزیز روڈ جا کر وہیں ان پرچوں سے نوٹ حاصل کر لیجیے۔ ممکن ہے کتب خانہ محمود آباد (اسٹیٹ) میں وہ جلدیں ہوں۔ میرے لیے اب ان مضمونوں میں کیا کشش ہو سکتی ہے الٰہی تکلیف ہی اس کا خیال کر کے ہوتی ہے۔ اس وقت تمام تر ملحد تھا۔ دہریہ و سکولر خدا کے مضمون ہیں بلکہ RATIONALIN لا ادریہ کے معنی میں۔ تنقید یکسر عقائد اسلامی، وجود باری، نبوت، ضرورت مذہب وغیرہ پر تھی۔ "الکلام" کو صرف آرٹ بنایا تھا۔ عمر اس وقت ۱۸-۱۹ سال کی تھی۔

والسلام

عبدالماجد

(۵)

۲۷ر جولائی ۱۹۵۹ء

دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم علیکم السلام

ابھی کچھ رمز ہوتے آپ کا کوئی مضمون کسی پرچہ میں پڑھا تھا اور وہ بہت پسند آیا تھا۔ بلکہ اسی وقت آپ کو داد کا خط بھیجنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ پھر موقع نہ ملا۔ اس وقت ناس پر ہے کا نام

۱؎ مرزا آقا بیگ عرف مرزی مجھو بڑے ملیح آبادی کے عزیز ملیح آباد ہی میں ہیں۔ احمد اب بھی بقید حیات ہیں (نادم سیتاپوری)

یاد آ رہا ہے نہ مضمون کا عنوان؟

نہ تو اتنے "شبلی پال" آرٹیفک رہا ہے لیکن آتے تو خدا معلوم کتنے پڑھے رہتے ہیں۔ سب کہاں پڑھ سکتا ہوں؟ صرف چند کا انتخاب کر لیا ہے۔ آپ کا اس سے کوئی مضمون متعلق تو آج معلوم ہوا۔ اب انشاء اللہ اسے بھی اس منتخب فہرست میں رکھ لوں گا۔

بھائی صاحب لکھنؤ میں بدستور ہیں اور انشاء اللہ بخیریت ہیں۔ بخیریت۔ اس منی اور اس نیمت جتنے تو دیکھتے ہوتے۔

والسلام

دعاگو!

عبدالماجد

جناب ندام سیتاپوری۔ احمد برادرس۔ چوک امامباڑہ بھوپال

(۴)

مورخہ ۲۰ر مارچ ۱۹۶۰ء

دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم علیکم السلام

ارتیاد نہیں پڑتا اتنا یاد ہے کہ آخر جنوری میں آپ کا جو خط ملا تھا اس میں یہ سوال تھا ——— شرر نے شبلی پر اعتزال کا الزام کیسے لگایا؟

جواب میں یکم فروری کو عرض کر دیا تھا کہ شرر نے ٹھیک لکھا شبلی کا اعتزال ان کے "الکلام" میں نمایاں ہے۔ علم الکلام اور مقالات وغیرہ میں بھی کسی قدر جھلک رہا ہے بعد کو ان کی جو تکفیر ہوئی وہ انہیں عقائد کی بنیاد پر ——— بس اس کے بعد پھر کوئی خط نہیں پہنچا تھا۔

والسلام

دعاگو!

عبدالماجد

(۷)

"نقاد اور مدلقہ" رسالہ خیر آباد کے مزاحیہ اخبار ورد زبان الاخبار کا سنجیدہ ادبی ہفتہ وار تھا

گو چھپ رہے جاری ہو رہے تھے۔

دریاباد ضلع بارہ بنکی

۲ر اگست ۱۹۶۱ء

۱؎ بھوپال کا ایک ہفت روزہ جواب بند ہو چکا ہے۔ عزیز کرایا ہے کی ادارت میں جاری ہوا تھا۔

۲؎ جناب وحید الدین صاحب مرحوم سابق ایڈیٹر یاباد کے حقیقی بڑے بھائی (نادم سیتاپوری)

برادرم! السلام علیکم

"انتخاب نقشہ" جا بجا سے پڑھ لیا۔ آپ نے ایک فریضہ اخلاص و نیازمندی ادا کر دیا۔ اب کون "نقشہ" کو پوچھتا ہے اور کون "ریاض الاخبار" کو ۔۔۔ دنیا ہی دوسری ہو گئی ہے۔

آپ کے دیباچہ یا مقدمہ میں دلکشی شی کتاب سے کم نہیں۔ لیکن اب ان تلمیحات و کنایات سے لطف اٹھانے والے رہ گئے ہیں!

بہر حال جس محلہ حلقہ کے لیے آپ نے کتاب تیار کر دی ہے وہ انشاء اللہ اس کی پوری قدر کرے گا اور آپ کے ذوق و تلاش دونوں کی داد دل کھول کر دے گا۔ والسلام

میرا پتہ ڈاک والا خط ستیانہ پور کے پتے سے تو مل ہی گیا ہوگا؟ دعاگو:

عبدالماجد

(۱۳)

مورخہ یکم دسمبر ۱۹۶۲ء دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم! السلام علیکم

۳- کی شام تک لکھنؤ انشاء اللہ پہنچ جاؤں گا اور ۴- یا ۵ ہفتے تک بیڈ کوارٹر ہی رہے گا۔ یعنی مستقل قیام مدنیں! لیکن بیچ بیچ میں باہر بھی برابر جانا ہے گا۔

قیام کی صورت میں، سمجھ لیجیے کہ جیسے کوئی مسجد میں معتکف ہوتا ہے۔ صرف مرہ یعنی مغرب سے ایک گھنٹہ قبل فارغ رہوں گا۔ اسی میں آج فلاں قبرستان چلا گیا اور کل فلاں لائبریری۔ کبھی کبھی ..... مگر یہ لوگوں سے مل لوں گا۔ وقت میں اس حد تک کمل سے کام لوں تو کچھ کام بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کو محض اطلاع دے دیتا ہوں کہ اگر اتفاق سے اس دوران میں لکھنؤ آنا ہو جائے تو بس خبر کر دیجیے گا۔ محض ملنے کے لیے سفر ہرگز نہ اختیار کیجیے گا۔ والسلام

دعاگو و داخواہ:

عبدالماجد

(۶) دریاباد ضلع بارہ بنکی

۱۱ مارچ ۱۹۶۱ء

۲۳ رمضان المبارک۔

برادرم! علیکم السلام انشاء اللہ ۲۱ مارچ (منگل) کو صبح رس بنے کی گاڑی سے ستیانہ پور[1] پہنچیں گا۔ پھر وہاں سے ۲ بجے کی گاڑی سے لائل پور۔ بعد بعد بڑی لین (E.I.R) ستیانہ پور سٹی کے لیے مل جاتی ہے اسی پر آپ کے اسٹیشن پر اتروں گا۔ ایک بجے ساتھ ہوگا۔

مقام افسوس ہے کہ اب یہ قیام اور مختصر کرنا پڑے گا (ایک ہی ہفتہ کے بعد کتنی دن کے لیے سفر دہلی دھلا گڑھ پر روانہ ہو جانا ہے اور پھر وسط اپریل میں خیال ڈیڑھ دو ہفتے کے لیے لاہور کا ہے)

۲۲- (بدھ) کی شام کو ۴½ بجے واپسی کی اجازت چاہوں گا۔ بیشتر وقت چلنے پھرنے میں گزرے گا۔ سول لائن کے حصے تو پہلے ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس "مرقوم" کو بھی کسی خبر نے آپ نے سنایا ہی۔ ل نے وہی تلخ مسموں کیا جو کسی عزیز کی خبر وفات سن کر ہوتا ہے۔ زوال محمود آباد چھوٹے ہمیا نے پر زوال حیدر آباد ہے۔ سارے مسلمانوں کی کمر توڑ دینے والا۔ انا للہ ۲ بجے سے شام تک یہی پروگرام رہے گا۔ کیمونسٹ سے بھی خاصی یادیں وابستہ ہیں۔ عیدگاہ۔ مسجد عالم نگر وغیرہ بھی دیکھنا ہیں یعنی قبروں پر فاتحہ پڑھنا ہے۔ دوسرے دن یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ صبح ہی جانے کی ہے تاکہ ذرا سویرے چلنے کا عادی ہوں۔ نماز فجر کے (یہ صفحوں کے ہاں دیر میں پڑھی جاتی ہے) کوئی آدھ گھنٹہ بعد۔ باقی کسی اور وقت کی کوئی خاص پابندی نہیں۔

---

[1] ہو سکتا ہے، ہو گا ورنہ واپس جانا ہی ہے کہ ابھی ۲۲ کو ہی ہے اس لیے یہاں کے نقشہ سے انہیں واقفیت اور محبت ہے۔

زحمت مہمانی شرط پر گوارا فرمائی کہ ان کا میسا پڑا کام ہو جائے اور یہ کسی جلسے وغیرہ کا اہتمام ہو۔ اسٹیٹر آنے کے شرط لگائے سخت تھے کہ اسٹیشن پر سواری لانے تک کی ممانعت تھی۔ بہت ٹٹولتے ڈوڑتے عرض کیا کہ اتفاق ایک موٹر کا انتظام ہو گیا ہے۔ اگر کوئی خاص زحمت نہ ہو تو غریب خانے تک اسی پر تشریف لے چلیے۔ بات کوئی اعتراض نہیں کیا۔ صرف یہ فرمایا کہ پہلے سول لائن چل کر اس کوٹھی کے دو دو زیارت کر لیے لگانوں میں سے جس کی حد یادیں وابستہ ہیں۔ یہ کوٹھی ریاست محمود آباد کی ملکیت تھی جو خاتمہ زمینداری کے بعد فروخت کر دی گئی تھی۔ اس کوٹھی میں میرے لگاتار ایک سہ ۸۰۵ رہتے تھے میں نے انہیں پہلے سے اطلاع کر دی تھی۔ وہ بے چارے منتظر تھے موٹر نے اس کوٹھی کے ہر ایک در و دیوار کو دیکھا ان کی آنکھوں سے عجیب حسرت برس رہی تھی دو دن اور ایک شب کے اس مختصر قیام میں موٹر نے ستیانہ پور کے ایک ایک گوشے میں پھر کر ماضی کی یادوں کو تازہ کیا۔ یہ کار ڈاسی سلسلے کی ایک کوٹھی ہے ۵ سٹی اسٹیشن سے میل اگر قریب ہے ۶ سٹی اسٹیشن سے میل قریب ہے ۷ سٹی اسٹیشن سے میل قریب ہے یہ کوٹھی جس میں موٹر نے کے والد ماجد مولوی عبدالغفار صاحب مرحوم کا قیام تھا اور موٹر نے کا بچپن میں گزرا تھا

toobaa-elibrary.blogspot.com

الہٰی[1] صاحب میرے لیے اجنبی نہیں مغربی جل میں ایک بار "جمال میاں" کے ہاں ملاقات ہوگئی تھی بڑی محبت سے پیش آئے اپنی موٹر چنانچہ[2] منزل پہنچا گئے تھے۔ آپ نے ایک نام "غلام رسول" کا لیا ہے کچھ اور آتا پتہ دیجیے۔ آپ ہی کے محلے میں ایک صاحب اسٹریلوب حسین رہتے ہیں۔ انہیں ۲۰ مارچ کو مطلع کر دیجیے گا۔ اگر وہ کھانے نہ جائے کو کہیں تو میری طرف سے منظور کر لیجیے گا۔

محمود آباد سے ہم لوگوں کے تعلقات امیر الدولہ[3] آصف امیر حسن خان مرحوم کے زمانے سے چلے آتے ہیں ان کی صاحبہ سناتے ہے کہ ہم لوگوں کی عزیز بس تھیں۔ مہاراجہ کے وقت تو یہ تعلقات عزیزانہ حد تک پہنچ گئے تھے۔

ایک صاحب "بہادر مرزا"[4] اسکول میں مجھ سے سینئر تھے۔ محمود آباد میں بجلی کے کام پر ہو گئے تھے۔ ایک بار اتفاق سے ریل میں ملاقات ہو گئی تھی۔ والسلام

دعاگو:

عبدالماجد

(۸)

۲۰ اکتوبر ۱۹۶۱ء — دریا باد۔ ضلع بارہ بنکی

برادرم علیکم السلام

مولوی عبدالغنی[5] مرحوم کو اپنے بچپن میں بارہا دیکھا۔ والد مرحوم سے ملنے اکثر تشریف لاتے

---

[1] میرے بڑے بھائی سید محمد الطیب صاحب مجسٹریٹ محمود آباد اسٹیٹ۔ (نام سیتاپوری)

[2] موقوف منزل گو گئی کھسوٹی دہ ایک عمارت ہے جس میں مدت پہلے ندوہ قائم کیا گیا تھا۔ موقوف قابل کا قیام ہوسی میں بتایا تھا۔ چونکہ یہ عمارت خود مولانا کے اہل خاندان نے خرید لی ہے اس لیے مولانا جب بھی کھنؤ جاتے ہیں اسی عمارت میں قیام فرماتے ہیں ۳ سابق صدر پاکستان اسکندر مرزا کے ہم زلف آنا سید اختر رضا مرحوم کا خاص دوست۔ موقوف میں مولانا کو کرکٹ اور ٹینس وغیرہ کھلایا کرتا تھا مولانا نے ادراہ اس کا ذکر کیا کرتا ہم نہیں یاد نہیں تھا جب سیتاپور آتے تو بڑی محبت سے تمام سول کو گلے لگاتے تھے انقلاب سے تاخون کے جدا دوہ کے ایک وکیل اور فیاض رئیس، راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد کے داماد تھے۔ "بادشاہ زنا۔ محمود آباد اسٹیٹ میں انجینئر تھے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی چلے گئے تھے۔ گو شیعہ ہندوستان کی تمام مذہبی پروٹ سے ہندوستان آئے تھے یہیں حرکت قلب بند ہو گئی غالباً جون پور میں دفن ہیں۔ ۵ حکیم محسن خان محسن دہلوی کے داماد سیتاپور میں وکالت کرتے تھے۔ انکے خط میں بھی ان کا نام آیا ہے۔ (نام سیتاپوری)

رہتے۔ خود بھی ایک آدھ بار ان کے ہاں جا کر دعوت کھانے کا اتفاق ہوا۔ اتنا ہوش اس وقت کہاں تھا کہ ان کے کلام وغیرہ کو کچھ سمجھ سکتا!

صرف اتنا یاد ہے کہ ان کی نیک خلاقی عبارت گزاری کی شہرت عام تھی۔ قدلانباتھا، کثیر الاولاد تھے۔ چہرہ پر نورانیت تھی، ضعیفی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔ داڑھی کے بال کچھ پڑی تھی۔

ان کے بڑے صاحبزادے نام یہ حبیب غالباً ابھی زندہ ہیں۔ کسی ریاست (غالباً گوالیار) میں قیام تھا۔ وہی غالباً مرمن خان کی صاحبزادی کے بطن سے تھے اور بلکہ کو سنا کہ شعر و شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔

جی ہاں، رئیس[1] صاحب کی بابت آخری اطلاع یہی تھی کہ اکتوبر دو زنہ نومبر میں لکھنؤ آئیں گے۔ کوٹھہ میں تھے غالباً لاہور واپس آگئے ہیں۔

جی ہاں، اسٹریچی[2] صاحب کی عیادت کے لیے دو زیر علی صاحب کے جانے کی خبر اخبار میں پڑھی تھی، ایسی شرافت کی مثالیں اب کم ہیں۔ والسلام

عبدالماجد

(۹)

۳ نومبر ۱۹۶۱ء

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ جی ہاں۔ یہاں ایک سے زائد کو جانتا تھا۔ یاد ایسا پڑتا ہے کہ تین تھیں اور اولاد تینوں سے تھی مرحوم (عبدالغنی) کی آمدنی کفالت سے کچھ ایسی کم نہ تھی۔ لیکن کثرت عیال سے زیر بار ہی رہا کرتے تھے۔

۲۔ جی ہاں۔ ایک کا نام عبدالمغنی تھا وہ سیتاپور ہی میں کسی عدالت (غالباً کلکٹری) میں کوئی اہل کار ہو گئے تھے۔

۳۔ مرحوم کے لڑکے بڑے لکھے پڑھے دانشمند ہی سے تھے۔ ایک دو کا عبدالحئی نسبتاً کچھ پڑھ لکھ گئے تھے۔ کوئی چھوٹا سا امتحان پنجاب سے پاس کیا تھا۔ وہی چھوٹا امتحان اس وقت بڑا سمجھا گیا PLAYER بھی اچھے تھے۔ ایک بھائی ان سے چھوٹے عبدالقیوم تھے۔ تین میں مجھ سے کئی سال بڑے تھے پھر بھی چھوٹے

---

[1] رئیس احمد جعفری ندوی

[2] میرے محترم دوست۔ پوپی کے ذیر علی سی۔ پی کمشنر کے استاد، عمر سے بیمار رہتے تھے۔ وزیر اعلیٰ جب سیتاپور کے سرکٹ ہاؤس دورے پر آئے تو علیل پروفیسر کے ان کی عیادت کے لیے آتے تھے۔ (نام سیتاپوری)

درجہ میں میرے ساتھ ہی تھے۔ قسمت دوبارہ ہوتی انتقال ہو گیا۔

۴۔ ایک لڑکا سرکاری احمد حسن تھا برانچ اسکول سیتاپور میں مجھ سے ایک سال آگے تھے انتقال وہیں کم سنی میں ہو گیا۔

۵۔ مرحوم کا کتنی سال وفات تھا سنہ کہہ سکتا ہوں یقیناً ۱۹۰۱ء و ۱۹۱۰ء کے درمیان ہو گا۔

۶۔ جی ہاں۔ مرحوم کے نام کے ساتھ فارسی پوری ہی سنتا اچھی طرح یاد ہے۔ غالباً زمانہ ضلع فارسی پور ہی کے تھے باقی بیویوں کی بابت کوئی علم نہیں۔ جب ہندی کہ اپنے ہی وطن و خاندان کی ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

(۱۰)

دریا باد۔ ۱۱ اپریل ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

دو سو روپیہ تو میسر کچھ ایسا گراں نہیں۔ کھانے کا انتظام تو ڈاک بنگلے کے آدمی ہی سے ہو جاتا ہو گا۔

مختاری والے مکان میں بعد کو میری ہی برادری کے ایک صاحب مدتوں رہے تھے۔ شیخ مشتاق علی قدوائی سب اوورسیر آباد کے مختار تھے۔

مرزا قاسم حسین قزلباش کورٹ انسپکٹر تھے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ اس وقت تک شاید تھا ہی نہیں۔ میرے والد کے خصوصی دوستوں میں سے تھے۔ ان کے بیٹے فیاض مرحوم کا میرا ساتھ کچھ دنوں رہا ہمارا فٹ بال کے اچھے کھلاڑی تھے۔ پہلے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سیتاپور ——— بعد محمد تقی ہو کر آئے تھے۔

دوست محمد خاں کی بھی کچھ خبر ہے؟ زندہ ہیں؟ میرے زمانے میں فٹ بال میں بڑا نام پیدا کیے

---

۱ سیتاپور سے مراد کہ جو فارسی اور سدھانی کا ضلع ہے۔ اس اعتبار سے وہ سیتاپور کو اپنا وطن ثانی سمجھتے ہیں۔ وہ دن بعد ۱۹۶۱ء میں میری درخواست پر سیتاپور تشریف لائے تھے۔ مغرب خانے ہی پر قیام فرمایا ۱۹۶۲ء میں جب میں نے پھر استدعا کی تو اسی شرط پر سیتاپور آنے کے لیے راضی ہوئے کہ قیام ڈاک بنگلے ہی پر کریں گے۔ کرایہ اسی ڈاک بنگلے کا ہے ——— لیکن ماہ بھر کے قیام کے بعد عین وقت پر ملتوی کر دیا۔

۲ مرزا قاسم علی بیگ مہر کے بیٹے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوئے تھے۔ عالم نگر میں رہتے تھے ان کے بھتیجے پیدا خان ریکون بیرسٹر کی حوزی کرتے تھے اور بڑے عبادت گزار کہے جاتے تھے۔

والد مرحوم کے ایک خصوصی دوست سید رضی مرحوم آنریری مجسٹریٹ تھے۔ اب ان کی اولاد باقی ہے؟

آپ اس وقت لکھنؤ ہوں گے اس لیے یہ خط وہیں کے پتے سے ہے۔

ہاں صاحب۔ اگر موقع دیکھیے گا تو گورنر صاحب کی خدمت میں صرف یہ مصرع میری طرف سے عرض کر دیجیے گا ؎

بھول جانا ہمارا یاد رہا۔

اور پورا قصہ سن لیجیے ——— ان کے آتے ہی خط ٹکا ——— یوپی کو ایک اردو نواز گورنر ملا۔ اردو والوں کی طرف سے خیر مقدم کرتا ہوں۔ جواب اردو میں آیا اور بڑے اخلاق کا ——— کہ آپ سے ملنے کی میں مسرت حاصل کروں گا۔ اس کے بعد سے آج کی تاریخ تک میں وقت ملاقات کے تعین کا منتظر ہی رہا۔ لطیف یاد دہانی، ایک نہیں، لکھ کہ دو بار، جب نہیں کہ تین بار، کی مطلق جواب تک نہ ملا۔ سعدی نے "در سیرت بادشاہاں" جو کہا تھا کہ "گاہے بہ ملامے بر بخند گاہے بہ دشنامے" بس اسے یاد کر کے خاموش ہو گیا۔ اور اب تو موقع اتنا بھی نہ رہا کہ "بہ پرسیدن علتے" ہو سکے۔ والسلام

دعاگو،

عبدالماجد

(۱۱)

لکھنؤ

۱۷ اپریل ۱۹۶۳ء

برادرم! وعلیکم السلام

اب خدا خدا کر کے اس قابل ہوا کہ کچھ لکھ پڑھ سکوں۔ آپ کی کتاب پر یہ چند سطریں لکھ دیں۔ غالب نام آور ہے مگر نے خود نام آور ہی کے زینے کی طرف پہلا قدم تو اٹھا ہی لیا ہے۔

ان کی یہ چھوٹی موٹی کتاب "ہر چہ بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر" کا نمونہ اس قابل ہے کہ اسے درس غالبیات کی پہلی کتاب قرار دیا جائے۔

---

۱ سیتاپور کے معاندین میں تھے۔ اسلامیہ مسلم الصمدی کے بزرگ فرزند تھے۔

شغل و اخلاق سے خالی، غلو و اغراق سے بری، تنقید و تحقیق، اور آجکل کی اصطلاح میں تخلیق قینوں کا ایک ہلکا خوشگوار مجموعہ۔

عبدالماجد

جناب نادم سیتاپوری
بذریعہ سلطان حسین صاحب تاجر کتب
بندر روڈ۔ کراچی

(۱۳)

۲۳ اپریل ۱۹۶۳ء
صدیاباد ملاونکی

برادرم! وعلیکم السلام

خط بڑے وقت سے آگیا۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ سے میں انتظار ہی کر رہا تھا، بلکہ خود لکھ دینا چاہتا تھا۔ اب مستقل شغل کیا رہتا ہے؟ اکبر کا وہ شعر تو یاد ہوگا؟

اٹھا تو تھا تو لہ یہ دل میں کہ عرض یادِ خدا کریں گے
مگر یہ خیال آیا ملی نہ رد کی تو کیا کریں گے

خیر خدا کرے ہر طرح خیریت ہو۔

مضمون "اجاد حسین کی سنجیدہ صحافت" یوں تو خاصہ ہے۔ لیکن کچھ تاریخی بے ترتیبیاں نظر آئیں۔

(۱) دلگداز معرکہ گلزار نسیم سے بیشتر ہی نہیں بہت پیشتر ۱۸۸۷ء میں نکل چکا تھا۔ نکل کر بند ہو چکا تھا، بند ہو کر نکل چکا تھا۔ یہ معرکہ تو کہیں ۱۸۹۰ء بادنیں پیش آیا۔

(۲) "آزاد" شوق والا املا سیاسی رنگ کا تھا۔ ادبی رنگ میں اودھ پنچ کا حریف و مدمقابل "طرفین" تھا۔ شرر صاحب کے اشارہ پر منشی سجاد حسین کا نکالا ہوا۔

(۳) خانہ زاد نسیم "اشوق" کا علم مجھے پہلی بار ہوا اور اس پر مجھے حیرت ہی ہے کہ اب تک

ٹے میں ڈاکٹر شاد (حیدرآباد) کی ایک ذی علم شخصیت۔ فارسی اور اردو تنقید زبانوں کے سلسلہ میرے خصوصی مخلصین میں تھے۔ ۱۶ اپریل ۱۹۶۲ء میں یہ پاکی گرز سے ریٹائر ہوئے۔ ان کی اردو رسمی اور اردو فوزی آج بھی پر چند میں قریب المثل ہے ٹے ملاحظہ زیادہ لکھنؤ۔ (نادم سیتاپوری)

کسی نہیں ہوا تھا معرکہ کا زمانہ ۱۸۸۳ء کے بعد کا ہے۔ اور اس وقت میں معرکہ کی بیشتر چیزوں کے پڑھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ خانہ زاد کے دیکھنے کا شوق ہوں۔

(۴) تپش کا سال وفات ۱۹۰۲ء کے بعد تو یقیناً ہے، عجب نہیں کہ ۱۹۰۵ء کے بھی بعد ہو۔ مرحوم کا آخری زمانہ بڑی عسرت کا گذا۔ میرے والد مرحوم کے ان سے دیرینہ تعلقات تھے انہیں بسی کبھی وہ اپنے مصائب لکھ بھیجتے تھے اور کم سے کم ایک بار تو سیتاپور ان کے پاس ضرور آتے تھے۔ اغلباً ۱۹۰۱ء میں۔

ہاں صاحب اس وقت سیتاپور میں قدوائی صاحب کون ہیں؟ یا تو کوئی وکیل ہیں یا کوئی عہدے دار۔ میرے ایک دور کے کھنڈی عزیز کا انتقال انہیں کے مکان پر ہوا۔ بس اس سے زیادہ معلوم نہیں۔ ان کے پورے نام کی تلاش ہے۔

آپ نے ہر جگہ "تپش" سے لکھا ہے۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ مرحوم اپنے کو "تپش" سے لکھتے تھے۔

والسلام
عبدالماجد

(۱۴)

صدیاباد
۱۸ جون ۱۹۶۳ء

برادرم! السلام علیکم

آپ کا نام دیکھ کر ہمیشہ مضمون پڑھنے کا وقت نکال لیتا ہوں۔

تازہ مضمون "معارف" میں پڑھا صحیح معمولی اچھا ہے۔

صرف دو ایک جزئیات آئندہ کے لیے نوٹ کر لیجیے۔

۱۔ مولوی عبدالغنی مرحوم کے بڑے لڑکے جو بنت تومن ٹے کے بطن سے تھے ان کا نام ناصر حبیب تھا دہلی کے مشہور خاندان سے تھے (نام نذیر و فیرہ کے رنگ کا) خوب بلے جوڑ تھے اور ابھی کئی سال قبل تک زندہ تھے۔ گوالیار سے کہیں اور چلے گئے تھے۔ عبدالغنی کی ماں دھری تھیں۔

ٹے معارف اعظم گڑھ جو ۱۹۰۱ء میں میرا ایک مضمون سیتاپور سے کتب خانوں پر پہنچا تھا۔

ٹے مومن بہاری کی صاحبزادی جو سیتاپور میں مولوی عبدالغنی وکیل کو بیاہی تھیں۔ (نادم سیتاپوری)

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲- لاہور یہاں تک مجھے یاد ہے خود سید محمود ہی کی تھی۔ سید محمود نے سیتاپور میں پریکٹس ایک دن کے لیے نہیں کی ہائی کورٹ کے جج رہ کر دنا عدالتوں میں جاتے کیسے؟ اور بڑی بات یہ کہ وہ قابل پریکٹس ہی ان دنوں کب رہ گئے تھے — ہر وقت مخمور۔

وہ یکم باغ نہیں مدتوں سول لائن میں رہے تھے ہماری کوٹھی کے بالکل مقابل بشیری کی طرف، پھوس والے بنگلے میں یکم باغ بالکل آخری زمانے میں اٹھ گئے تھے۔

۳- ٹھاکر جوہر سنگھ تو پڑھے لکھے نہ تھے۔ ان کے لڑکے سورج بخش سنگھ البتہ بڑے علم دوست تھے۔ انگریزی میں۔ اور فارسی سے بھی خوب واقف!

حسرت ہے کہ اختر الدولہ سے اپنے زمانہ قیام سیتاپور میں نہ واقف ہو پایا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱۵)

دریابادـ

۱۷ر اپریل ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم!

السلام علیکم

جی نہیں بھوشن پریم بھوشن وغیرہ کا کوئی خطرہ نہیں۔ رقعہ سے متعلق بھی بڑا دھوکا پبلک کو دیا گیا ہے

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

مفصل روداد خود اپنے قلم سے آئندہ ہفتے، صدق، میں دوں گا۔ آپ کا پنور[2] خوب پہنچے سیاست وغیرہ سے تعلق ہو جاتے تو بہت خوب ہے۔

لیکن یہ قیام طلاق عمل میں کیا معنی لاحول ولا قوۃ ایسا منحوس نام! دمال منزل ہوتا تو ایک بات بھی تھی۔

والسلام

عبدالماجد

---

(۱) پریل کورنٹ کل اردو ہندی مشترک انعامی کمیٹی نے مولانا مرحوم کو ان کی ادبی خدمت کے صلے میں ۵ ہزار کا انعام بالخاص ہندو مصنفین کے لیے بہت بڑا انعام تھا اس خطاب میں اس کا ذکر ہے۔ (مرتب کرشنا بلدیو)

(۲) اس زمانے میں نادم صاحب کان پور میں مقیم تھے۔

(۱۶)

بھائی کے انتقال پر مولانا نے یہ تعزیت نامہ تحریر فرمایا۔

دریابادـ

۲۶ر مئی ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم!

السلام علیکم

کل سہ پہر کو حادثہ کی خبر تو می آواز میں پڑھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بھائی کا زخم والدین کے زخم سے بس کچھ ہی کم ہوتا ہے۔ اللہ ہر طرح توفیق صبر جمیل دے۔

والسلام، دعاگو:

عبدالماجد

(۱۷)

کئی برس سے معمول کے مطابق مولانا مرحوم آخر ستمبر سے ۱۵، ۱۰ ہفتے لکھنؤ میں قیام رکھتے تھے۔

لکھنؤ۔

۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم!

وعلیکم السلام

آج کل دریابادسے باہر ہوں اور یہ کارڈ لکھنؤ سے لکھ رہا ہوں۔

کوئی اور اگر یہ سوال میاں چرکین سے تعلق کرتا تو جواب میں صرف یہ لکھ بھیجتا اچھی بھی لیکن آپ کی نفاست طبع کو یہ کیا سوجھی کہ خاک کو پاک کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اور کچھ مجھے ان بزرگ سے متعلق معلوم نہیں سوا اس کے کہ رودولی ان کا وطن تھا دیوان کی سرسری زیارت صرف ایک بار ہوئی تھی دو سی چار ورق الٹے تھے کہ متلی ہونے لگی میرے علم میں تو دیوان بھر میں شاید بس ایک آدھ ہی صاف شعر ہے دوسروں کے سامنے پڑھنے کے قابل اس سے تو کہیں بہتر تھا آپ (بادرت جاں صاحب پر صرف کرتے کئی سال ہوتے خواجہ محمد شفیع دہلوی ان کے کلام پر کنڈا میں کام کر رہے تھے اور مجھ سے بھی الفاظ و محاورات کے بارے میں مراسلت جاری تھی۔ والسلام

عبدالماجد

(۱۸)

نادم صاحب اس زمانے میں پاکستان آگئے تھے اللہ فردوس کالونی، کراچی میں مقیم تھے۔
دریاباد۔

۱۸ر جون ۱۹۶۱ء　　بسم اللہ

برادرم سلمہ اللہ!　　وعلیکم السّلام

"فردوس کالونی" کے بسانے والے کو اگر "فردوس مکاں" یا "جنت نشاں" نہ کہوں تو اور کیا کہوں ——— والسّلام

عبدالماجد

جناب نادم ستیاپوری صاحب
۹۱۲۔ فردوس کالونی، کراچی

ڈاکٹر آفتاب احمد رضوی (دھلیا کا)

(۱)

مکتوب الیہ کی تصنیف "گلہائے داغ" کی رسید کے طور پر یہ خط تحریر فرمایا۔ دوسرے خط میں بھی ان کی تصنیف "مہیائے میثاق" اور شبلی پر ان کی کتاب کا ذکر آیا ہے۔

دریاباد

۲۳ر مارچ ۱۹۵۸ء　　بسم اللہ

عزیز مکرم سلمہ!　　السلام علیکم

"گلہائے داغ" کا پیکٹ کل دوپہر موصول ہوا۔ سرسری نظر اسی وقت کر گیا، دل خوش ہو گیا۔ مدت سے بعد اپنی زبان اور اپنے رنگ کی تحریر پر نظر پڑی "دہ زبوں یونیورسٹی کے "دکانتر" نے تو زبان اردو، طرز تنقید نکالی ہے کہ میرے پلے تو کچھ پڑتا نہیں۔

کتاب کی رسید فوراً لکھے بھیجتا ہوں۔ صدق میں ذکر کرنے کی نوبت البتہ مہینوں بعد آئے گی اس سے قبل گنجائش نکلنے کا کوئی امکان نہیں لیکن پبلشر کے اس جرم کو ہرگز نہیں معاف کر سکتا ہوں کہ فاضل نے فہرست مضامین قسم کی کوئی چیز ہی نہ رکھی۔

والسّلام، دعاگو،

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲)

دریاباد

۱۸ر اپریل ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیز مکرم سلمہ!　　السلام علیکم

"مہیائے میثاق" کل موصول ہوئی، انشاء اللہ اسے وقت نکال کر پڑھوں گا اور ضرور پڑھوں گا، لیکن "آفتاب" کی یہ شاید پہلی "شماع" ہے جو "گلہائے داغ" کے بعد اس "دہ" کے نصیب میں آئی۔ "شبلی" کی زیارت کو تو آج تک آنکھیں ترستی ہیں۔

"لسان العصر" کا اشتہار دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی۔

دعاگو:

عبدالماجد

(۳)

دریاباد ———

۱۰ر نومبر ۱۹۶۰ء　　بسم اللہ

عزیز مکرم!　　وعلیکم السّلام

"مہر نیمروز" نومبر نمبر اس زود بے مقدار کی نظر سے بھی گزرا۔ پورا پڑھنے کی فرصت کہاں پھر بھی ایک نظر، ایک شعر پر تو کر ہی گیا۔ خوب خوب گاؤ زدیاں موافقت و مخالفت دونوں میں دیکھیں۔ ناگاہ نگاہ صـ۲۱ کے وسط پر پہنچ کر رک گئی گویا من و عن اپنی تحریر سامنے تھی وہی تشبیب وہی گریز!

نظر جم گئی ایک ایک لفظ رک کر پڑھا۔ عقل نے لاحول پڑھی کہ بھلا یہ بھی کوئی پہلو داد و تحسین کا ہے۔

دل اندر ہی اندر مسل گیا کہ بری یا بھلی اپنی چیز اپنی ہی ہوتی ہے۔ اور اپنی چیز سے خوش کون نہیں ہوتا ———

دعاگو

عبدالماجد

سید ضیاء عباس حسین (لکھنؤ)

مکتوب الیہ نے مرزا احمد ہادی رسوا کی ایک کتاب "طلسم اسرار" مل جانے کی خوش خبری سنائی تھی مولانا کی انگریزی تفسیر کو کر کیا تھا اور رسوا پر کام کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ نیز مولانا

سے "تاریخ عرب قبل از اسلام" لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ حبیب سے مراد مولانا کے بھتیجے اور داماد ہیں جو پہلے سکریٹریٹ (لکھنؤ) میں ملازم تھے اور دریاباد ہر ہفتے آتے جاتے تھے۔ شیخ عنایت اللہ تاج کمپنی لمیٹڈ پاکستان کے مینیجنگ ڈائرکٹر تھے۔

دریاباد

۱۵ مئی ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

طلسم اسرار تک رسائی مبارک لیکن حضرت یہ تنہا کوی کا بس کی؟ میں تو شاید آپ سے بھی زیادہ بھوکا تھا بہر حال ایک نظر تو مجھے دکھا ہی دیجیے۔

اپنے پاس زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ رکھوں گا۔ حبیب سلمہٗ ایک ہفتے آئیں گے اور دوسرے ہفتے واپس پہنچا دیں گے۔ جزاک اللہ!

انگریزی تفسیر لکھنے میں چار پانچ سال لگ گئے اور پھر نظر ثانی وغیرہ میں دو ایک سال اور ۱۹۳۳ء میں شروع کی تھی ۱۹۳۸ء کے شروع میں سورہ ناشر صاحب کے ہاتھوں میں پہنچ گیا تھا۔ ان کی "عنایت" کہیے (مینیجنگ ایجنٹ کا نام شیخ عنایت اللہ ہے) یا میری قسمت کہ اتنی مدت میں اور پچاسوں تقاضوں کے بعد اب تک کی پہلی جلد نکل پائی ہے۔

ہمیں تھا جن کو پھول دو نکلے شرمندگی
شیشے میرے نصیب سے پتھر کے ہو گئے

اردو تفسیر اس کے بعد شروع کی تھی اس کا نصیب اس سے کچھ بہتر رہا اب تک چار جلدیں نکل چکی ہیں اور تین باقی ہیں۔

مزار سورہ اخلاص تیار کیجیے اور کرایئے ہر امکانی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ آپ کی فرمائش ہے بڑی ضروری اور اہم لیکن پوری وقت اور پوری محنت چاہتی ہے ایک سن ایسا آجاتا ہے کہ جب خود کوئی نیا مستقل کام شروع کرنے کے بجائے طبیعت دوسروں کی مدد اور مشورہ دینے اور انہیں DIRECT کرنے پر زیادہ آمادہ رہتی ہے یہی صورت اس موضوع کے لیے ہے۔ کوئی اور صاحب ہمت کریں تو ان کے ساتھ شریک ہو جانے پر حاضر ہوں۔ ہاں خوب یاد آیا شرر مرحوم کی کتاب اس موضوع پر ضرور دیکھ ڈالیے کتاب کا نام بھی غالباً یہی ہے۔

تاریخ عرب قبل از اسلام" یہ جواب پہلی ڈاک سے جا رہا ہے ۱۲۰ کا عنایت نامہ ۱۴ ار کی

شام کو ملا)

عبدالماجد

(۲)

حسینی صاحب مرحوم کے متعلق یہاں کے فرزندوں کے نام مولانا دریابادی کا تعزیتی مکتوب دریاباد۔

۳۰ ستمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

عزیزان گرامی! السلام علیکم

حسینی مرحوم کی سنسانی سننے میں آئی دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ انا للہ۔ میرے قدیم متعلقوں میں تھے اور جوہر شرافت کے ایک پیکر مجسم تھے۔

تم لوگوں اور تمہاری والدہ پر جو کچھ گزر رہی ہوگی اس کا تجربہ ہر صاحب تجربہ کو ہے بس اللہ ہی صبر اور برداشت کی قوت عطا کرے۔

آئندہ ہفتے انشاء اللہ اگر مرحوم کی تربت پر فاتحہ پڑھنے جاؤں گا اور اپنے اور ان کے مشترک دوست سید مسعود حسن رضوی کو ہمراہ لے کر۔

اپنی والدہ کو ضرور میری طرف سے پیام تعزیت پہنچا دینا۔

والسلام عبدالماجد

شیخ قدیر الزماں (لکھنؤ)

ایک پرانے اور مخلص بزرگ ملازم شیخ ملی نارض ہو کر گھر سے چلے گئے تھے، خاتون منزل میں رہنے والے ایک دوسرے صاحب منشی وکیل اللہ جن سے اس خاندان کے عزیزانہ تعلقات تھے، سمجھا بجھا کر انہیں واپس لے آتے۔ مولانا دریابادی کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے جانے اور ماموں شیخ قدیر الزماں کو یہ خط لکھا۔

دریاباد

۹ اگست ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

از ایاد رہ است قدرت ازالہ
تیر جستہ باز گرداند زراہ

یہ "ولیل اللہ" بھی اس مفلی عالم میں عالم علوی کے اولیاء اللہ سے کچھ کم نہ نکلے "تیغ" بے نیام کو خوب نیام میں کر کے لے گئے۔ انعام نہ بھی دلوا سے تو بہر حال انہیں مالا مال ہی کر دیا۔ ابھی ابھی یاد پڑا کہ ولیل اللہ کے والد کا نام ولی اللہ تھا۔ سبحان اللہ ایک ولی اللہ نام کے دوسرے کام کے۔ یوں بھی لڑکا ہوتا آخر کاہے کے لیے ہے۔ باپ کا نام روشن کرنے کے لیے۔ اس کے ادھورے کام پورا کرنے یا اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

فقط

عبدالماجد

ڈاکٹر یوسف حسین خاں (علی گڑھ)

(۱)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پرووائس چانسلر بنائے جانے پر مبارک باد کا خط۔

دریاباد

۱۸ اگست ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

برادرم!

السلام علیکم

یوسف گم گشتہ باز آمد بہ کنعاں غم مخور

گم گشتہ نہ سہی علی گڑھ کے اندوختہ رفتہ تو یہ یوسف بھی تھے۔ واپسی اور وہ بھی پرووائس چانسلری پر۔ اللہ ہر طرح مبارک کرے۔ والسلام

دعاگو:

عبدالماجد

(۲)

مکتوب الیہ کے بڑے بھائی ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند کے انتقال پر تعزیت نامہ

دریاباد۔

۸ مئی ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

برادرم!

السلام علیکم

تعزیت کا خط لکھنے تو بیٹھ گیا لیکن سوچ رہا ہوں کہ لکھوں تو کیا لکھوں۔ اور آپ سب لوگوں کو خاص کر تازہ بیوہ کی تسکین قلب کے لیے کون سے لفظ استعمال کروں۔

موت برحق اور ہر ایک کے لیے ہے اور خوف و ہراس کی چیز نہیں یہ تو بندہ کی حاضری اپنے نہایت شفیق مالک و مولا کے دربار میں ہے لیکن وہ غم نصیب کیا کہہ کر اپنے دل کو سمجھائے جس کا سہاگ دنوں اور گھنٹوں میں نہیں منٹوں میں لٹ گیا اور جس کی بادشاہی چشم زدن میں خاک میں مل گئی۔ ذرا سا بھی تیاری کا موقع تو اس بیچاری کو یا آپ لوگوں میں کسی کو نہ مل سکا۔

لیکن یقین کیجیے یہ سب ایک طریقہ اجر بڑھانے کا ہے۔ اجر بے حساب و ناقابل پیمائش اور اس کا جتنا زیادہ استحقاق جس کسی کو ہو گا اسی نسبت سے اس کا دل سکون میں رہے گا بس اس کو دل کی گہرائیوں میں آمادگی اور اپنا وقت زیادہ سے زیادہ مرحوم کے لیے دعائے خیر میں صرف کیجیے۔

میرا تعلق تو صرف مرحوم سے عزیزوں کا سا تھا بے شان و گمان یہ خبر بجلی کی طرح دل پر جو کچھ گزری بالکل ظاہر ہے۔ مستقل دعائے مغفرت کی بار بار دعائیں مختلف نمازوں کے بعد کیں اور دعائیں لڑکیاں بھی برابر شریک رہیں۔

بہر حال اللہ انہیں جنت نصیب فرمائے اور آپ بس یہی ان کے کام آنے والی چیز ہے

والسلام

دعاگو: عبدالماجد

پروفیسر عبدالوہاب بخاری

(والعلوم ذوقۃ العلماء (لکھنؤ) کے سفیر عزیز الٰہی میں پوری کے تعارف میں۔

دریاباد

۲۸ نومبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مکرم محترما

السلام علیکم

اس عریضہ کے حامل ماسٹر عزیز الٰہی بی اے (علیگ) سفیر زندہ کی حیثیت سے حاضر خدمت ہو رہے ہیں۔

علاوہ اپنی اس سرکاری حیثیت کے میرے مخلص خصوصی ہیں۔ نام کے "عزیز" ہیں لیکن ہیں علاوہ کے "یوسف" سے کم نہیں۔ آپ کی نگاہ اعجاز زندہ کی قدردانی کے لیے یقیناً کوئی "زلیخا" ڈھونڈھ نکالے گی۔

والسلام

عبدالماجد

باقیاتِ اردو مولوی عبدالحق (کراچی)

(۱)

دریاباد
۸/ اپریل ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

قدم و کرم!

السلام علیکم

"اردو" کا تازہ ڈبل نمبر کل موصول ہوا۔ دو ایک باتیں اس نمبر کے متعلق عرض کرنے کی ہیں ملاحظہ ہوں:

(۱) صفحہ ۲۰ پر ذکر مرزا محمد ہادی رسوا لکھنوی کے منظوم ڈرامے "مرقع لیلیٰ و مجنوں" کا ہے اور لکھا ہے کہ ڈرامہ ۱۸۷۶ء میں الناظر پریس لکھنؤ میں طبع ہوا، ۷۷ صفحات میں۔

(الف) گزارش ہے کہ اول تو یہ تصنیف مرزا لکھنوی کی ہے نہ کہ رسوا کی۔ مرزا صاحب اس وقت تک محض مرزا تھے اور شاعری میں یہی تخلص آخر دم تک رکھا۔ "رسوا" کا لقب تو انہوں نے بہت بعد میں صرف ناول نگاری کے لیے اختیار کیا تھا۔ مرقع میں تخلص جہاں جہاں بھی آیا ہے مرزا ہی آیا ہے۔

(ب) سنہ طبع جو ۱۸۷۶ء درج کیا گیا ہے یقیناً صحیح ہوگا۔ پہلا ایڈیشن اسی سال نکلا ہوگا، لیکن الناظر پریس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہ تھا۔ یہ تو کہیں اس کے ۲۰، ۲۲ سال بعد قائم ہوا ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے وہ طبع ثانی ہے الناظر پریس کا چھپا ہوا لیکن اس پر سنہ کوئی درج نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ۱۸۹۱ء کا ہوگا اس کی ضخامت ۷۷ نہیں ۷۹ صفحے ہے۔

(ج) کوئی ادیب اور زاد ادیب نہیں ہوتا۔ تخلص آتے آتے ہی آتی ہے۔ یہ مرقع مرزا صاحب کی بالکل ابتدائی تصنیفوں میں ہے اسے اسی معیار سے دیکھنا چاہیے۔ امراؤ جان ادا اس کے بعد کی تصنیف ہے کم از کم بارہ سال بعد کی۔ اس وقت ان کا قلم خوب مانجھ چکا تھا۔

(د) مرزا صاحب سے ۱۸۷۶ء میں اس کی توقع رکھنا کہ انہوں نے فن میں کوئی اصلاح یا تجدید یا ترمیم کی ہوگی غلط ہے۔ ان کے پیش نظر اصلاح فن نہ اس وقت رہی نہ اس کے بعد وہ صرف زبان کے رسیا تھے اور زبان کی صحت، سلاست، فصاحت اور نزاکت کے معیار سے دیکھا جائے تو اس مرقع اور اس کے معاصر اردو ڈراموں کے درمیان نمایاں فرق نظر آتا ہے۔

(۲) خوشتر ہزاری کے دونوں مضمون اور میرے مضمون کلام اقبال کی زبان تینوں بہت خوب ہیں۔ ہر طرح قابل داد البتہ صفحہ ۳۹۵ پر سطر میں اسیر میانی کے سلسلہ میں جو یہ فقرہ درج

ہے کہ "ان کے کلام کا مجموعہ "صنم خانہ عشق" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ فقرہ اگر یوں ہوتا تو صحیح تر ہو جاتا کہ ان کے مانتقانہ کلام کا دوسرا مجموعہ "صنم خانہ عشق" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

والسلام
دعاگو عبدالماجد

(۲)

دریاباد
۲۲ جون ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

حضرت والا!

السلام علیکم

نام "اردو" پیش نظر ہے۔ مقالہ فاضلانہ "مقدمہ جدید اردو لغت" کا کیا کہنا۔ مقالہ نگار کی شان علم و رسوخ تحقیق کے مطابق۔

اجازت ہو تو دو ایک معروضات اپنی بساط کے مطابق پیش کروں۔

(۱) نفائس اللغات ہی کے طرز پر ایک اور لغت لکھنؤ میں تصنیف ہوا تھا۔ امجد علی شاہ کے نام پر "انفس النفائس" مصنفہ میر حسن لکھنوی سال تصنیف و طبع ۱۲۶۳ ہجری ضخامت ۲۲۰ صفحہ مطبوعہ میر حسن رضوی ہر صفحہ دو کالمی۔ ہر کالم میں تین خانے۔ پہلا ہندی بہ معنی اردو لفظ کے، دوسرا فارسی اور تیسرا عربی کا۔

(۲) جلال لکھنوی کی سرمایہ زبان اردو ۱۹۳۰ء ہجری سید احمد دہلوی کی لغات النساء ۱۹۱۷ء خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کی لغات اردو چار جلدوں میں سنہ ۱۹۲۲ء اور خود انجمن ترقی اردو کی شائع کی ہوئی فرہنگ اصطلاحات پیشہ وران قابل ذکر و قابل توجہ کتابیں ہیں۔

(۳) انجمن ہی کی شائع کی ہوئی قدیم فرہنگ مصطلحات اور جدید اصطلاحات جغرافیہ، فرہنگ اصطلاحات علم ہیئت سب ہی اہل لغت کے لیے ایک قیمتی مصدر و ماخذ کا کام دے سکتی ہیں۔

(۴) خیر لکھنوی کی بازار زبان و اصطلاحات پیشہ وران ۶۴ صفحہ مطبوعہ کانپور سنہ ۱۹۳۰ء بھی اہل لغت کے لیے کارآمد ہے اور اسی طرح میر کی محاورات ہندی۔

(۵) مہذب اللغات بجائے خود اچھی کتاب ہے، البتہ اس کی دو باتیں بڑی تکلیف دہ ہیں ایک ہندی کی بھرمار اور دوسرے اس کا مناظرانہ و تفوقانہ لب و لہجہ۔

خدا آپ کی عمر و صحت میں برکت دے، آپ کی نگرانی میں کتاب انشاء اللہ قابل دید ہوگی۔

والسلام
عبدالماجد

احمد جمال پاشا (مکتوب)

مکتوب الیہ نے سرور آبادی سے چند سوالات کیے تھے۔ مرقومہ مرحوم نے ان سوالات کے سامنے جوابات تحریر فرمادیے۔

دریاباد

۲۹ر اپریل ۱۹۵۹ء بسم اللہ

سوال۔ (۱) آپ کے خیال میں انشائیہ کی وہ کیا خصوصیات ہیں جو اسے تمام ادبی مضامین سے الگ کرتی ہیں؟

(۲) سرسید، شبلی، آزاد، حالی میں کسے آپ انشائیہ نگار کی حیثیت سے زیادہ پسند کرتے ہیں؟

(۳) مہدی افادی کی انشائیہ نگاری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:

(۱) انشائیہ کی امتیازی خصوصیت حسن انشاء ہے اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ انشائیہ وہ ہے جس میں سجاوٹ، مغز اور مضمون کے حاصل تو جہ حسن اور عبارت پر ہو۔

(۲) ان چاروں میں انشائیہ نگار صرف آزاد تھے۔ باقی تینوں اپنی اپنی جگہ اچھے لکھنے والے اور ماہر فن ادیب تھے لیکن انشاپردازی ان میں سے کسی کی مقصود حاصل نہ تھی۔

(۳) وقت اور اقوال و معیار کے لحاظ سے اچھے انشاپرداز تھے۔ عمر کم پائی۔ کچھ اور زندہ رہتے تو کہیں بہتر نکلتے۔ والسلام

عبدالماجد

صدر مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس (حیدرآباد۔ دکن)

دریاباد

۸ر جون ۱۹۵۹ء بسم اللہ

کرم گستر!

وعلیکم السلام

اردو کانفرنس کی تقریبوں تو تہنیت ہو چکیں۔ اپنی کانفرنس میں سب سے زیادہ زور عملی پہلو پر دیجیے اور وہ کام کہیں نہ کہیں چلا کر دیکھیے۔ مثلاً یہ کہ اسکولوں اور کالجوں میں اردو چل جائے

جیسے کہ پہلے چلی ہوئی تھی۔ یا ریل کے ٹکٹ پر، ڈاک کے ٹکٹ پر، بینکوں پر۔ کرنسی نوٹوں پر اور فلموں کے پہرلوں کی تختیوں پر اردو حروف اور سرنو نظر آنے لگیں۔

کانفرنس کی اصل کامیابی کا معیار انہیں عملی پہلوؤں کو رکھیے۔

والسلام

عبدالماجد

مولانا جمال الدین عبدالوہاب فرنگی محلی (معروف بہ جمل میاں)

مولانا جمل میاں فرنگی محلی نے سرور آبادی کو کھدر کا کرتا پاجامہ تحفہ بھیجا تھا جو انہیں راجہ صاحب محمود آباد نے دیا تھا۔

دریاباد

۲۵ر جولائی ۱۹۵۹ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ!

السلام علیکم

وہ خرقہ کل جمعہ کے وقت پہنا ——— انشاء اللہ وسبحان اللہ

اتنا سبک! اتنا لطیف! اتنا نفیس کہ جسم معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ملبوس ہے بھی! حاشیہ

فائدہ ——— جمال کا کمال!

اخلاص کا تقاضا پہلے ہی سے تھا کرامت کا مستفید اب ہونا پڑا۔ جزاک اللہ وبارک اللہ

دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

بیگم جوہر و حرمی اطاف حسین (۱)

ایک اونچے سرکاری عہدہ دار (جوہر و حرمی اطاف حسین نے جو ہر طرح سلیم البیع سلیم الواح اور پابند مذہب مسلمان تھے۔ اور ابھی سن بھی زیادہ نہ تھا کسی خودی جنونی دورے میں مبتلا ہو کر بالکل یک بیک ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو صبح ۸ بجے خودکشی کر لی، ذیل کا تعزیت نامہ اُن کی جوان بیوہ کو بھوپال دورکے قرابت دار بھی ہوتی ہیں، لکھا گیا۔

دریاباد

۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

عزیزہ سلمہا! دعا میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

بادشاہت گئی اور آناً فاناً گئی، بجلی گری اور یک بیک گھری ہاتھوں میں بدل ہوئی، شوہر کی تازبرداریں میں بسی ہوئی، خوش نصیب، خوشحال سہاگن، دم کے دم میں رانڈ دکھیا ہو کر رہ گئی۔

آزمائش کڑی آزمائش ہر بیوہ کی ہوتی ہے، تمہاری آزمائش اتنی بڑی تھی کڑی ہوئی کہ عجب نہیں فرشتوں کے بھی دل ہل گئے ہوں۔

خود تمہارے ماں باپ پر بھی ہزاروں میل دور پردیس میں کیا گزری ہوگی! ایمان اور عقیدے کے امتحان کا اصل وقت یہی ہے۔ تسکین کا سہارا تسلی کا خواہ ہی ایمان ہی تو ہے۔ یہ نہ بھولنے پائے کہ جس نے یہ وقت ڈالا ہے، وہ سب سے زیادہ رحمدل ہے اُس کے یہاں سے کسی ظلم کا امکان ہی نہیں، خدا جانے اسے کیا کیا درجے تسبیں دینا مظلوم میں آئی ان مرحوں کا کوئی اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ابھی کل یک کوئی انسانی دماغ اس حادثہ کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔

مرحوم کے ساتھ معاملہ جو کچھ بھی ہو تم تو بہرحال بے قصور و بے گناہ مظلوم ہی مظلوم ہو اور حشر میں جب مظلومیت کی مفید چار اڑے بیکسی کے آنسوؤں اور بےکسیوں کے ساتھ فریادی ہو کر پیش ہوگی تو دیکھنا کہ کیسے کیسے انعاموں سے سرفرازی ہوتی ہے۔ بےکسی کیسی دولتوں سے جو آج تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتیں تمہیں مالا مال کیا جاتا ہے۔

یقیناً تمہارا ظرف بہت اونچا سمجھا گیا جب ہی اتنا بڑا بار تم پر ڈالا گیا، ہر مرتبہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

آج لوگ تمہارے اوپر ترس کھاتے ہیں کل سب رشک کریں گے انشاء اللہ۔ زخم کا ٹھنڈا ہم ہم بس یہی عقیدہ اور ایمان ہے اس دنیا کے فانی کی بڑی سی بڑی بھی نعمتیں کے دن کی اہاتیں اور لذتیں تو بس آخرت ہی میں ہیں۔ جس کی طرف ہم سب کیا بوڑھے کیا جوان دوڑتے لپکتے ہوئے چل رہے ہیں۔

کل شام کو جب اخبار میں خبر بڑی تو پہلے تو مجھے خود ہی یقین نہ آیا۔ اور پھر جب لڑکیوں اور اُن کی والدہ کو سنائی تو سب گویا سکتے میں آگئیں۔ فرشتہ اجل کی ہے اتنی سخت کہ اپنے تو اپنے بیگانوں کے بھی دل لرز گئے۔

دُعاگو:

عبدالماجد

خفائی

شمارہ دہ زبان "علی گڑھ" میں ایک مضمون پڑھ کر اسی اخبار کے معرفت

دریاباد

۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۹ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

آپ "خفائی" ہوں یا شدت غیور سے "ظہوری" بہرحال اُردو پر لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ مدت کے بعد اردو کے حق میں احتجاج پُر زور مغز اور حقیقت پسندانہ مضمون دیکھنے میں آیا اور قلم بیساختہ داد دینے پر مجبور ہو گیا۔

آپ شاگرد رشید جس کسی کے بھی ہوں ماشاء اللہ اپنے فن میں اُستاد ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

سید مصباح الدین (لکھنؤ)

مکتوب الیہ نے اپنی بیٹی کی شادی میں مولانا دریابادی کو شرکت کی دعوت دی تھی۔

دریاباد

۲۹ر دسمبر ۱۹۵۹ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

"نور نظر" کی خوشی خدا کرے "مصباح" کی نظر میں نور مزید پیدا کرے اور فرض کی انجام دہی والدین کے دل میں سرور اور آنکھوں میں نور کا باعث ہو۔

اَللّٰھُمَّ اٰلِّفْ بَیْنَھُمَا کی دُعا میں سے پڑھے دیتا ہوں۔

دُعاگو:

عبدالماجد

سید زکی علی (پٹنہ مزنمائے وقت لاہور) (۱)

دریاباد

۷ر جنوری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اس خط کے حامل ماسٹر عزیز ابنی بی اے ہیں جنہیں ہم لوگ اپنی بستیوں میں یا دانہی کے نام سے یاد کرتے ہیں، میرے مخلص خصوصی ہیں اور اس وقت میرٹھ زندوہ کی حیثیت سے لاہور میں مقیم ہیں۔

ان کے خط سے معلوم ہوا کہ وہاں کا موسم آپ ہی کی سعادت و قرب سے نہ ہو سکتا ہے، مجھے ذاتی طور پر اس سے بڑی غیرت آتی ہے کہ لکھنؤ لاہور کے آگے دست احتیاج پھیلائے لیکن اسباب ندوہ اخوت دینی کی نشر و اشاعت جغرافیائی و سیاسی حدود کے قائل نہیں۔

خیر خدا کرے اس تعارف نامہ کے بعد سفارت ندوہ میں کامیاب لوٹے اور "ذوائے وقت" "ذوائے وقت" ثابت ہو۔

دعاگو و دعا خواہ،
عبدالماجد

(۲)

محمد نظام مرحوم کے انتقال پر ایڈیٹر ذوائے وقت (وحید نظامی) کے نام مولانا کا تعزیتی مکتوب

دریاباد
۲۶ فروری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

تعزیت نامہ لکھنے بیٹھا ہوں مگر تعزیت کروں تو کس سے کروں؟ صرف مرحوم کے اعزہ سے؟ صرف دفتر ذوائے وقت لاہور سے؟

تعزیت کا مستحق ہمارے پاکستان کا پریس ہے، سارا پاکستان ہے، پاکستان کا ہر طبقہ ہے بلکہ یہ کہنا بھی داخل مبالغہ نہیں کہ سارا عالم اسلامی ہے۔

ایسا اخلاص اب عنقا ہے، ایسا پیرِ شرافت و محسن انسانیت اب ڈھونڈھنے سے کہاں ملے گا؟

صبح کام کرنے میز پر بیٹھا ہی تھا کہ قیامت خیز تار کل دو بجے دوپہر کا چلا جو ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رات لگ خواب پریشان کن و تکلیف دہ دیکھا تھا تعبیر جلد مل گئی، مرحوم میرے تو خصوصی مخلص و محسن تھے۔ اللہ بال بال مغفرت کرے، کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ عین رمضان اور وہ بھی اس کے عشرہ دوم کے ختم پر لقائے رب جلیل نوش نصیبی ہے، مرحوم کے اعزہ تقیین دیکھیں آسمان تنہا انہیں پر نہیں ٹوٹ پڑا ہے، ان کے غم کو دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنے والے اور ان ہی کی طرح سوگ منانے والے ابھی بہت سے ہیں اور انہیں میں یہ دور افتادہ بھی ہے۔

ان سطور کی تحریر کے وقت تدفین بھی ہو چکی ہوگی۔ کیسا دلبند چھڑا کر یا کاش اڑ کر پہنچ سکتا۔ اور اس

جو غم کن پرسش آخری نظارہ اس عالم ناسوت میں کر سکتا۔ جانحت کا مسافر اور اپنی خدمات کا صلہ جلد پایا!

والسلام
سوگوار و دعاگو: عبدالماجد

صدقے جاؤں دیانے بریلی!

(۱)

کتوب الیہ کا ایک سلسلہ مضمون بزبان مقطع جاء جزیرہ بدنس حیدرآباد دکن کے دہلی حالات کے بارے میں ساقی کراچی میں نکل رہا تھا۔ بعد میں یہ سلسلہ "ذر بلدۂ ذر بادہ" کے نام سے مسعود حسن رضوی نے لکھنؤ سے شائع کر دیا تھا، اس کا دوسرا حصہ پاکستان سے شائع ہوا "تا نہ قسط ساقی" اشاعہ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ناظم راجپوت سے مراد نواب یوسف علی خان والی راجپور ہیں۔

دریاباد

۱۳ جنوری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

"ماہی قسط ساقی میں پڑھ کر

"طلاق" لکھنؤ کی عام زبان میں تو ویسا آپ نے لکھا، صوت ہی ہے لیکن مرزا محمد ہادی رسوا فرماتے تھے کہ میری زبان پر تو ندکر ہے اور سند میں اس مخرب اخلاق کی پیش کرتے تھے کہ جو مد کا فتاح اور ہفتہ "طلاق۔ نور اللغات میں ایک شعر بھی دیر کا ضرور درج کیا ہے، دوسرا مصرع ہے ع

دنیا کو طلاق اپنے بزرگوں نے دیا ہے

ناظم راجپوری کی دو مشہور غزلیں عجب نہیں کہ غالب کی ہوں۔ تخیل و زبان دونوں پر رنگ غالب ہی غالب ہے مولانا شبلی فرماتے تھے کہ کلام ناظم کا خاصہ غالب ہی کا کہا ہوا ہے، تضمین بھی غزل ہی کی کمر سے کی ہے۔

والسلام
عبدالماجد

(۲)

جس کتاب کی تیاری کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد "ذر بلدۂ ذر بادہ" ہے مسعود حسن رضوی اپنے مکتبے سے شائع کر رہے ہیں۔

دریاباد

۱۲ مارچ ۱۹۶۲ء بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام۔

مسعود صاحب کا خط تو خود اس وقت پہنچ چکا ہوگا۔ انہوں نے کئی دن ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ راہ راست پر کے میں کتاب اس وقت ان کے ذوق کے مطابق تیار ہو گئی ہوگی۔

صدق "نیرنگِ خیال" کے تبادلے میں جاری ہو چکا ہے۔

اس لفظ کا املا مدت سے مختلف فیہ چلا آیا ہے۔ جلال (لکھنوی) فرہنگ آصفیہ، نور اللغات، آش (آش کی تائید میں دلائل کے زور کیے لفظ اشاعش بروزن تماشا کو مختار دیے لیکن میں نے آخر آزاد و بیدل کے قلم سے شوخ شوخ دیکھا ہے اور صاحب فرہنگ آخر پوری طرح اس کی تائید میں ہیں۔

میری لیان و حکم پر بھی یہی املا ہے۔

قولِ فیصل یہ ہے کہ دونوں صورتیں پوری طرح جائز ہیں۔

والسلام، دعاگو:

عبد الماجد

(۳)

صدی باجو کے انتقال پر اُن کی بیٹی کے نام مولانا دریابادی کا تعزیت نامہ

دریاباد

۱۱ جنوری ۱۹۶۶ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

مرحوم کی خبرِ وفات دفعتہً پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہ۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ میرے پرانے مخلص تھے۔

مغفوبیت کی یہ دلیل کافی ہے کہ راہ مبارک (رمضان) وفات کے لیے پایا اور اس کا بھی اثر عشرہ مغفرت کے لیے مخصوص ہے۔ صدق میں انشاء اللہ ضرور شائع کر دوں گا۔

"دُبارہ دُبارہ" کے دوسرے حصے کا مسودہ خدا معلوم کس منزل میں ہے۔

غم و صدمہ جب میں محسوس کر رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ بیٹی کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی، اللہ ہی صبر دے گا۔

والدعا:

عبد الماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱)

دریاباد

بسم اللہ یکم فروری ۱۹۶۰ء

جناب من! السلام علیکم

آپ کے روزنامچہ میں حال میں ایک صاحب کے کھلے ہے کہ بہن کی مشیرہ کہنا از روئے لغت غلط ہے۔ لیکن فارسی میں خود ایک قاعدہ آغرمیں ہائے زائد بڑھا دینے کا ہے جس کی ایک مثال ہمشیرہ" اسے تو ید الفضلاء اور چیاث وغیرہ نے درج کیا ہے، اسی پر قیاس ہمشیرہ کو کیا جائے اسے اردو میں لغت نے بے تکلف استعمال کیا ہے۔

ہمشیر۔ ہمشیرہ : بہن (لغات سعیدی ص۱۱۱)

ہمشیرہ (ف) ہمشت : خواہرِ بہن (نور اللغات ص۹۹۸)

فرہنگِ آصفیہ کی جلد ۴ اس وقت سامنے نہیں ہے لیکن جلد اول ص۲۴۳ پر جہاں لفظ بہن درج ہے وہاں اس کے آگے دیا ہے "مابانی"۔ ہمشیرہ" اسی طرح اس کی جلد ۲ ص۲۱۵ میں خواہر کو ایک مترادف ہمشیرہ بھی دیا ہے۔ فارسی لغت "بہار عجم" میں ایک مستقل لفظ ہمشیرہ آگیا ہے اور سند میں ایک شعر بھی لکھا ہے ص۲۹۶

والسلام

عبد الماجد

(۱)

خلام محمد (کراچی)

دریاباد

۵ مئی ۱۹۶۰ء

۲۴ رمضان ۱۳۷۹ھ

عزیز مکرم! السلام علیکم

سید صاحب! ایک کتاب میں جو نہایت دلکش گفتہ، دلآزار ملہو ہے، مجھی سے نہ پڑھا گیا تو آپ اوگوں کے لیے قابل برداشت کیسے ہوگا۔

کچھ کیسے خبیث القلم اور سیاہ باطن دنیا میں پڑے ہوئے ہیں جنہوں نے مولانا ابوالکلام کی شخصیت کا تراشہ لیا گیا ہے۔

انتظام کے لیے متعلقہ حصہ کاٹی ہے، اور اسم کو آپ کو بھیج دیتے ہیں[1]

خیریت مدت سے دریافت نہیں ہوئی تھی ایک تار سے ہی دریافت خیریت کی تھی آئی۔

دعاگو و دعاخواہ:

عبد الماجد

---

[1] اس خط پر مولانا غلام محمد صاحب نے مندرجہ ذیل حاشیہ تحریر کیا ہے،

"جو ایک کہ ماجد صاحب نے ایک مضمون اپنے نام بنام فلاں میں آپ پردہ اٹھاتے ہوئے کے زیر عنوان لکھا تھا جس میں مولانا ابوالکلام آزاد پر کھلی کھلی گرفت تھی، اس پر مولانا آزاد کے معتقدین کا برہم ہونا ظاہر تھا، کسی نے جوابی کارروائی کے طور پر ماجد صاحب کے مورث محترم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کچھ لکھ بھیجا تھا کہ کوشش کی اس گفتگو سے کہ ماجد صاحب کو مولانا آزاد کی یہ ساری تفصیلات علم ہی سے ملی ہوں گی، یہ کتاب ہندوستان میں چھپی تھی اس پر میری نگاہ اس کے مطالعے سے آئی نہیں ہوگی۔ باقی اس کی رکاکت اور اتہام تراشی کی شکایت کا انداز مکتوب بالا سے پوری طرح عیاں ہے۔"

مولانا صدر آبادی کے خلیل مولانا عبدالرزاق ندوی بیٹے آبادی کی آپ ذکر آزاد میں حضرت سید سلیمان ندوی کی تنقید کی طرف اشارہ ہے، جاہلانہ جسارت کی کیسی عمدہ مثال ہے۔ غلام محمد صاحب نے کتاب نہیں دیکھی ہو، اپنے مورث کی ہتھوئی میں ان سے آگے بڑھ گئے۔ قرآن کے تعلق سے جو بات موصوف نے فرمائی ہے وہ گفتگو علی کی مثال ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۲)

مکتوب الیہ کی سب سے چھوٹی بیٹی کے بعمر سوا سال انتقال پر

دریاباد:

۱۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم

الہ نام بچہ، ماں کو خصوصی اور تر اہر حبی ہے، ہونا ہی چاہیے لیکن عقلاً تو انہیں پوری تسکین انشاء اللہ اس حقیقت کے استحضار سے ہو جائے گی کہ معصوم بچہ کی وفات والدین کے حق میں جنت کی بشارت ہے۔

اور بشارت دینے والا وہ ہے کہ (صادق المصدوقین ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

عوض تو خیر ہی ماشاء اللہ صاحب علم و صاحب فہم ہوں گی۔ ہجوم غم بسبی میں اچھے اچھوں کے ذہن و بصیرت پر خیا چھا جاتا ہے لیکن کسی کے یاد دلانے سے معاً وہ بادل چھٹ بھی جاتا ہے۔

معصوم بچوں کا جانا تو والدین کے حق میں ایک دشیقہ جنت ہے اور پھر ایک اضطراری اتباع سنت بھی۔ اس صدمہ کے تجربے سے تو خود سید المرسلین کو بھی گزرنا پڑا۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبد الماجد

(۱)

مولانا شاہ وصی اللہ رالہ آباد،

مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز مولانا شاہ وصی اللہ کے دو جوان بیٹوں کے انتقال پر تعزیت نامہ

دریاباد۔ بابا بیٹی

۱۵ اپریل ۱۹۶۲ء

مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کے ابتلاء عظیم کا حال آپ کے ایک تعزیت نامہ کے خط سے اہل علم میں آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ آپ کے مرتبہ زیادہ سے زیادہ بلند کرے، یہ سب سامان اسی کا ہو رہا ہے۔

ایک ہی نوبت میں جگر کی وفات کیا کم تھی جو جائیگر دو کی۔ وہ بھی دو ہفتے کے اندر اس سے بڑا اور کڑا امتحان اور کیا ہوگا؟

لیکن درحقیقت آپ قابل مبارکباد ہیں آپ کا خلف اتنا لائق سمجھا گیا جب ہی تو امتحان اتنا سخت لیا گیا۔
کوئی لقمان کو حکمت کیا پڑھائے گا، آپ خود ہی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں کوئی دوسرا آپ کو تلقین صبر کیا کرے گا، ہاں آپ کی مثال اور آپ کا نمونہ دیکھ کر کم ہمتوں کی ہمت کسی دھیمی بندھ جائے گی۔
اللہ آپ کو لطف یکساں سے نوازے اور صاحبزادیوں کو رکوٹ رکوٹ جنت فردوس نصیب فرمائے۔
اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

والسلام، دُعاگو و دُعاخواہ
عبدالماجد

جناب خلیل الرحمٰن صاحب ڈپٹی کلکٹر، جھانسی (۱)

دریاباد
۲ ستمبر ۱۹۶۰ء

وعلیکم السلام

"شریف زادہ" شریف کی اولاد کے معنی تو صحیح ہے۔ مجازاً "شریف لڑکا" پر بھی اطلاق ہو سکتا ہے۔
(۲) "تقریب" خوشی کا موقع اور یہاں جشن کو شامل ہے۔ (۳) "بلا شرط خدمت" نوکری کی پابندی کے معنی میں صحیح ہے۔ "وظیفہ" (بہ اصطلاح حیدرآباد) میں پنشن کے معنی لیے جاتے ہیں۔ "تعمیر شدہ" صحیح ہے "تعمیر کردہ" بھی ترکیب اضافی میں صحیح ہو سکتا ہے، مثلاً تعمیر کردۂ فلاں۔

والسلام
عبدالماجد

ڈاکٹر ایم کرشن لاؤ گورنمنٹ آرٹیریڈیشن

دریاباد
۱۲ ستمبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

والا مناقب!

غالب اگرچہ فرما گئے ہیں ؎

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یا کہ وہ جانے نہ سنے یا پائے گر کھلا

لیکن بزرگوں سے یہ بھی سننے میں آیا ہے ؎

بلبل زاب پاد نہ بیند روئے گلرو
تا نہ چمن بطلب گرد و آب نکشد

میرے حقیقی بھائی پنشنر ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ میں رہتے ہیں، گورنمنٹ ہاؤس کی کسی تازہ پارٹی میں بارہا ان کی بھی ہوئی تھی۔ اسی ہفتہ دریاباد آئے تو محترم میزبان کے لطف و کرم کے گن گاتے ہوئے انہیں کی زبانی معلوم ہوا کہ

اس مرتبہ یاد فرمائی اس گمنام گوشہ نشینی کی بھی ہوئی تھی۔ آگے حساب۔

نیازکیش:
عبدالماجد

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (لکھنؤ) (۱)

یہ صورتاً علی میاں کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید حسنی نائم ندوۃ العلماء کے انتقال پر لکھا تھا، مدینہ میں پہلے ذکر مولانا باہاری نے اپنے بڑے بھائی عبدالحی کا کیا ہے کہ ان کا انتقال ۲۰ ستمبر ۱۹۶۲ء کو ہوا تھا، مولانا علی میاں کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر صاحب مرحوم نے ان کی پرورش کی تھی، آگے ڈاکٹر حسنی ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے کا آیا ہے، ان کا نام محمد الحسنی تھا، البعث الاسلامی ندوہ کے اہتمام کے زیر نشر تھے، انتقال ۱۹۶۹ء میں ہوگیا، تھا تو ان مسئول "کا نام اس مجموعہ میں کہیں نہیں آیا ہے، یہ بھی تاریخی عمارت ہے جس میں ندوۃ العلماء کا نظام اصل میں آیا تھا، مدتوں درس و تدریس کا عمل جاری رہا، بعد میں عمارت مولانا دریاباری کے خاندان والوں نے خرید لی تھی، اس طرح یہ عمارت مولانا کے خاندان کا مسکن بن گئی، تاآنکہ ۱۹۷۱ء میں ہم اس کا اسی بعد کے زمانے کا مولانا مرحوم کا کمرہ بھی دیکھا۔ مولانا علی میاں سے مولانا دریاباری کے بہت قریبی تعلقات تھے اور ڈاکٹر صاحب مرحوم تو اس خاندان کے گویا فیملی ڈاکٹر تھے۔

دریاباد
۹ مئی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مرگ ہوس کی حقیقت مجھ سے زیادہ آپ پر روشن ہے اس لیے تعزیت میں آپ سے کچھ عرض کرنا لقمان کو حکمت کا درس دینا ہے ——— لیکن صرف اتنی ہی منزل پر بھی اللہ آپ کو پہنچا دے بہرحال انسان ہی ہیں جیسا کہ میں انسان ہوں اور اپنے بھائی کے غم تاجگر بہ حال میں اُٹھا چکا ہوں۔
گرشت پرست کا بتا ہوا دل کیسے ممکن ہے کہ پتھر کا بن جائے اور جو صدمہ ہوتا ہے اس کی انتہائی تلخی اور تیزی محسوس نہ کرے۔
مدتوں اور برسوں نہیں، کہنا چاہیے کہ ابھی دنوں کی بات ہے کہ آپ نے میرے بڑے بھائی کی تعزیت مجھ سے کی تھی، آج بجنسہٖ اسی منزل پر آپ خود آگئے۔

مرحوم آپ کے لیے بھائی کی سی نہیں باپ کی سی شفقت رکھتے تھے اس کا مجھے علم ہے آج سب کے دلوں پر جو کچھ گزر رہی ہوگی وہ آپ ہی جانتے ہوں گے امتحان واقعی سخت ہوتا ہے لیکن آپ تو فرد ہیں اسی قدر عالی مکتے ہیں انشاء اللہ پوری طرح نہ سہی مقام تسلیم و رضا پر ثابت رہیں گے اور آپ خود اپنی ذات سے مرحوم کی بچیوں اور صاحبزادے کے لیے نمونہ استقامت کا کام دیں گے مرحوم کا آپ سے تو خیر جو کچھ رشتہ تھا میرے لیے بھی بھائی سے کم نہ تھے اور اس میں شاید کچھ مبالغہ ہو کہ جس طرح آج آپ اپنے والد مرحوم کی وفات دوبارہ محسوس کر رہے ہوں گے میں بھی اپنے بھائی مرحوم کی وفات کا عمدہ اثر تو محسوس کر رہا ہوں۔

بہر حال جس کی حکمت نے یہ وقت ڈالا ہے اسی کی رحمت اسے کاٹ بھی دے گی۔ ادھر اپنی کیا کہوں ایک بہترین و شفیق ترین معاون سے میں اکیلا نہیں سارا خاندان محروم کیا بڑے کیا چھوٹے سب ہی محروم ہو گئے اور آپ کی خانگی ذمہ داریاں بھی دفعتہً کئی گنا بڑھ گئیں۔

جو چھوٹا تھا وہی سب سے بڑا بنا دیا گیا اور اسی کو اب خاندان کا افسر بننا ہے۔ میں مرحوم کے دینی و علمی خدمات تو ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

انشاء اللہ اسی ہفتہ کے اندر اندر حاضر ہو کر شرکت غم کروں گا۔

جن بچیوں کو ابھی ماں کا داغ تازہ تھا ان پر کتنی جلدی یہ دوسرا پہاڑ صدمہ کا آپڑا۔

والسلام، دعاگو
عبدالماجد

(۲)

مولانا علی میاں نے بعض لفظوں اور محاوروں کے بارے میں استفسار فرمایا تھا۔

دریابار
۴ جنوری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ سوکھے دھانوں پانی پڑا یا بالکل صحیح۔

۲۔ میرے قلم پر تو "اکتفا کیا" اکثر لکھتا ہوں لیکن دوسروں کے ہاں "اکتفائی" بھی پڑھا ہے، لغت میں غالباً مؤنث لکھا ہے، بہر حال دونوں صحیح ہیں۔

۳۔ مدد کی آواز کے لیے جھٹکار دونوں خمہ کے ساتھ بروزن ٹکار آتا ہے) ہندی لفظ میں خمہ نہیں نون

کا اعلان ہے۔ ع

ندیا کنارے مورا جھنگارے

جھنگار کے علاوہ "کوکن" بھی کہہ سکتے ہیں۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۳)

پہلی سطر میں مکتوب الیہ کے دو مرحوم والد کی مرحوم کے سوانح حیات میں ان کی تالیف کا ذکر ہے اور آخر میں جملہ اللہ انصاری کے ہاتھ بھیجے ہوئے ۱۴ کام آپ کے جو باقی جلدوں میں ہے۔

دریابار
۱۲ جنوری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

السلام علیکم

برادرم!

مصنف حیات عبدالحی زندہ باد۔ خوب کیا جو کتاب پہنچتے ہی کھیڈی میں لے بھی سارے کام چھوڑ کر وہیں پڑھنا شروع کر دی۔ جزاک اللہ وسبحان اللہ وماشاء اللہ

اسی وقت چند سطریں گھسیٹ بھی ڈالیں۔ اب کھیڈی (سرحد) میں جب بھی نکلے کتنے عزیزوں دوستوں کی جیتی جاگتی تصویریں بیتی پھرتی نظر آگئیں گویا آنکھوں کے سامنے بائیسکوپ کھلا ہوا ہے۔

(کتاب فیہ ذکرکم الٰہی ایک نئی تفسیر۔

شاید کہ لہو کے چھینٹوں کا کرم صدق میں پڑھ لیا ہو۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱)

محمد احسن خان (لاہور)

محمد احسن خان صاحب کے نام خطوط پر حواشی خان صاحب موصوف ہی کے قلم سے ہیں۔ آخری خط کتابت ماہنامہ ماخوذ ہے۔

دریابار ضلع پارہ بنکی
۱۵ مئی ۱۹۶۲ء

کرم گستر! وعلیکم السلام

ان دونوں سے جامع تر کتاب میرے علم میں نہیں۔ مگر اردو میں بھی مقاصد القرآن، ترجمہ القرآن وغیرہ اپنی جگہ بڑی چیزیں ہیں ان دونوں کو ایک نظر خود دیکھ کر فیصلہ کیجیے۔ ہر شخص کا معیار، مذاق، مقصد الگ الگ ہوتا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۲)

۲۹ اکتوبر ۱۹۶۲ء

دریابادضلع بارہ بنکی

کرم گستر ادعلیکم السلام

آپ کا کارڈ جس پر نہ لکھنؤ کا پتا درج تھا، نہ دریابادکا، بلکہ محض میرا نام تھا، قدرشناس لاہور کے مروۃ خانہ غلط ملط میں گیا، خیر وہاں سے بخیر و ان سے بخیر ہو کر میرے پاس آگیا ——— جوابات عرض ہیں،

(۱) جی ہاں نکات شائع ہو چکی ہے، مگر اب بھی بلا بر کوئی نہ کوئی یا مضمون ہر روز طلب رہتا ہے۔

(۲) جی نہیں، ان پرانے نافرکی طرف اب کیسے رُخ کیا جا سکتا ہے، اب کی تو ہندوستان ہی میں چھپوانے کا خیال ہے۔ مالک المطبعین کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ اتنی ضخیم کتاب میں ٹائپ، بیٹھ کے ایک آدھ پرانے پبلشر کی طرف خیال جا رہا ہے۔

(۳) جلد اشاعت سے تو کوئی امکان نہیں معلوم ہوتا، جبکہ مسودہ اب تک پریس میں گیا نہ کسی پبلشر سے معاملہ ہی طے ہوا ہے۔

(۵) "تفسیر نبوی قرآن" ابھی الگ چھپنے کی نوبت ہی کہاں آئی ہے۔ مدراس میں ایک انجمن کی فرمائش پر چند لکچر اس کو نوٹ پر ۱۹۵۵ء میں دیے تھے، اور وہ لکچر "صدق" میں نکل گئے تھے۔ مسودہ قانوناً اسی انجمن کی ملک ہے، ان لوگ آج تک اپنا وعدہ ایفاء نہ کر سکے۔ افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق مرحوم بڑے مستعد و کارگزار شخص تھے، اُن کی اندوہناک موت نے اس معاملہ کو بھی کھٹائی میں ڈال دیا۔

والسلام

عبدالماجد

لہ (۱) الہام الناقد القرآن الکریم (محمد فواد عبدالباقی)

(۲) المرشد الی آیات القرآن الکریم (کتابچہ) (محمد فارس)

ع ظاہر ہے کہ "تفسیر ماجدی" طبع دوم کہنا ہے۔ سے اب تو یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

(۳)

۲۴ فروری ۱۹۶۳ء

دریابادضلع بارہ بنکی (یوپی)

کرم گستر! وعلیکم السلام

(۱) ادیب صاحب یقیناً مستعار ہیں لیکن "مظلوم" نہیں، ان کی فہرست[1] صرف علماء کی تھی۔

(۲) ادیب صاحب میرے ہم جماعت نہیں، مجھ سے دو چار سال جونیر رہے ہوں گے۔

(۳) "آداب" کا نام آپ نے صحیح کہا، سید آل احمد ہی ہیں، نہیں تلاش میں تو تب لگے گا، ٹاک سے بواسطہ آل انڈیا ریڈیو بھی دہلی کافی ہو جائے گا۔ اُن کا اتا پتہ جلسوں کی تلاش کے بعد مل گیا۔ پوسٹ بکس نمبر ۵۰۰ نئی دہلی

آپ کا ایک آدھ سوال اور بھی ہے، تماسکش اور جواب دونوں میں وقت لگے گا۔ اس لیے بالکل معافی چاہتا ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

(۴)

مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء

دریابادضلع بارہ بنکی

مہربانِ بندہ! وعلیکم السلام

(۱) بے شک عام دستور تو یہی ہے کہ کھانے کی چیزوں کے لیے خوردآتا ہے اور پینے کی چیزوں کیلئے "خوار" لیکن کیا نہیں جیسے نمک خوار۔

(۲) الناظرہ کے اتنے پرانے مضمون اب کہاں یاد رہ سکتے ہیں۔

(۳) جس وقت پڑھی تھیں "بابائے اردو" اور "فرہاد صاحب" دونوں کی گرامریں پسند آئی تھیں اب از سرِ نو پڑھے بغیر موازنہ وہی کر سکتا ہے جس کا ذہن ان دونوں کی گرامروں سے متاثر ہو۔

(۴) زمانہ کے اتنے پرانے مضمون کتاب ذہن میں کہاں۔

---

[1] مارچ ۱۹۶۲ء ہی کے "معارف" اعظم گڑھ میں مولانا کا ایک مضمون "اردو کے مظلوم ادیب" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے چند ادیبوں (مثلاً محمد مستفیٰ خاں شیرانی، مشاہد حسین اور عین ندوی، "آداب" شاعر تاب اور صدیق دلگیر) کا ذکر کیا تھا۔ یہ نوٹ مولانا کے خیال میں ان ہی میں سے تھا جس کا انہیں ان کے استحقاق کے مطابق شہرت نصیب نہیں ہوئی۔ ادیب نے مراد مسعود حسن رضوی ادیب ہیں۔

(۵) زندہ زبان دانوں کی فہرست خاصی طویل ہے، دو چار نام بطور نمونہ:

(الف) اختر لکھنوی، خواجہ شیشہ دہلوی لاہوری، جوش ملیح آبادی، سعید دہلوی کراچی، شاہد دہلوی کراچی، سید آلِ احمد مشہور نام "آوارہ" دہلی۔ ریڈیو)

(ب) گرامر والوں کے نام بمجستہ یاد آئے، بجز شوکت سبزواری کے، کتابیں سامنے ہوتیں جب البتہ کچھ عرض کیا جا سکتا ہے۔

ایک صاحب رشید حسن خاں شاہجہانپوری نم دہلوی اور یاد پڑے..... (الف) اور (ب) دونوں میں جگہ پا سکتے ہیں۔

والسلام

عبد الماجد

(۵)

مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۱ء — دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

کرم گستر! وعلیکم السلام

(۱) آپ کے کتب فروش امام مسجد سے لینا چاہا۔ آپ کے شہر میں شیخ اشرف کے ہاں بہترین ذخیرہ انگریزی اسلامی کتابوں کا ہو جو صحیح اور ان آپ خود ہی کتب منتخب کر سکتے ہیں۔

عربی کتابوں میں سیوطی کی "الاتقان فی علوم القرآن" اچھی ہے، اردو ترجمہ بھی اسی نام سے نور محمد نے کراچی سے حال ہی میں شائع کیا ہے۔

(۲) "کلید فہم قرآن" کے نام سے جو کتاب عربی سے ترجمہ ہو کر "دین پریس لاہور" میں عرصہ ہوا چھپی تھی، اچھی ہے۔

(۳) "بر" لفظ "ملائے بستی" (یعنی ملا نہیں) لفظ میں خفیف پہلو ذم کا بھی ہے یعنی ملائے محض، جو ادبی نزاکتوں اور لطافتوں سے نا واقف محض خشک آدمی رہے ہوئے ہوں۔

(۴) ان لفظوں کے باریک فرق عنصر خط میں ان کا متشکل ہے۔ متعدد جملوں کے بکثرت مطالعے سے آشنا اثر خود ذہن میں آ جائے گا۔

(۵) "ڈھیر سا" صحیح ہے بے تکلف اور بلا تامل۔ "ڈھیر سارا" کے بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔

والسلام، دعا گو و دعا خواہ:

عبد الماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

دریاباد (۶)

۱۵ اگست ۱۹۶۱ء — بسم اللہ

مرزا بنے! وعلیکم السلام

جوابات حاضر ہیں:

(۱) "ڈگی ڈان" میرے علم میں نہیں "ڈگی ہرا" بولتے ہیں۔

(۲) "چھپر" عوام کی زبان ہے یہ سے "ٹاٹ" کے معنی میں۔

(۳) "حاشیہ بردار" میرے علم میں نہیں، ایک ملتا جلتا لفظ "خاشیہ بردار" ہے، یعنی رکاب تھام کر چلنے والا، تابع، غلام۔

(۴) "سن گزیدہ" محض فن کے لحاظ سے ذکر شخصی، فاقی۔ مثلاً وہ سوال تو محض سن گزیدہ زبان پر آ گیا تھا کوئی شخصی توہین مقصود نہ تھی۔

(۵) "وفیات" "وفات نامہ" وفات کی جمع کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے۔

(۶) "نکاسی" اور "نکاسی" دونوں بجائے خود صحیح ہیں۔ پانی کے لیے نکاسی ہی آئے گا۔ مال، سامانِ تجارت کے لیے نکاسی و فروخت یا برآمد۔

(۷) "ناکا لگی رہنا" سنا نہیں، ممکن ہے کہیں مستعمل ہو۔

(۸) خاتمۃ الورد "تو سمجھ ہی سمجھیے۔ ہر گیارہویں ملی جلی مخصوص فن یا موضوع تک محدود نہیں۔

(۹) بعض مضمون یعنی اصل مضمون اس کے متعلقات یا ملحقات نہیں۔

آپ کے ملک میں کراچی میں اردو بولنے والوں کی تعداد بڑا عظیم و جامع مسودۂ لغت مرتب ہو رہا ہے، اردو میں اب تک اس کی نظیر نہیں وہاں سے آپ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

میری مصروفیت کا آپ کو اندازہ نہیں قریب آدھ گھنٹے کا وقت اس جواب کی نذر ہو گیا۔

والسلام

عبد الماجد

جناب اللہ انصاری (ریڈیو براڈ کاسٹر قومی آواز، لکھنؤ)

(۱)

یہ خط بطور اسلوب "قومی آواز" میں درج ہوا۔ پھر مولانا نے اسے "صدقِ جدید" (۱۰ جون ۱۹۶۱ء) میں نقل کیا، بعد کو مکتوباتِ ماجدی میں شامل کیا گیا۔

مکرمی!

"گنڈیا" اور "غنڈہ" کی بحث اگرچہ آپ کے ہاں ختم ہو چکی ہے لیکن اگر مناسب سمجھیے تو کسی موقع سے یہ اطلاع بھی اپنے ناظرین کے سامنے لے آئیے کہ ابھی لاہور میں اردو کا ایک تازہ اور مستند لغت، "ایک لکھنوی ایک نیم لکھنوی" اور ایک دہلوی، تین صاحبوں کا مرتب کیا ہوا ڈبل کالم ۳۸۰ صفحے کی ضخامت کا جدید نسیم اللغات اردو کے نام سے نکلا ہے اس کے صفحہ ۳۱۵ پر کالم ۱ میں زیرِ لفظ گنڈیا ہی یعنی گنڈیا، بدمعاش، بدچلن درج ہے۔ اکبر "گنڈی" کا لفظ بھی یعنی آوارہ عورت موجود ہے۔

اس کے ساتھ "صدق" کے ایک معتمر امداد نگار نے ۱۹۱۱ء کی چھپی ہوئی کسی اردو انگریزی ڈکشنری کا فوٹو بھی بھیجا ہے جس میں "گنڈیا" ہی درج ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۲)

"قومی آواز" میں بعض الفاظ کے غلط استعمال پر مولانا دریابادی نے انصاری صاحب کو توجہ دلائی تھی۔

اُتر پردیش میں اُردو کا جائزہ لینے کے لیے مسٹر بی۔ گپتا وزیر اعلیٰ، اتر پردیش نے اجاگر پر کمیٹی کی سفارش میں جو کمیٹی تشکیل دی تھی مولانا مرحوم اس کے ممبر تقرر ہوئے تھے لیکن اس قسم کے کاموں سے طبیعت کی عدم مناسبت کی وجہ سے الگ رہے تھے۔ اشارہ اسی طرف ہے، بعد میں کمیٹی سے مولانا مرحوم نے استعفا بھی دے دیا تھا۔

دریابادی

۱۵ اگست ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

"بانٹ بٹس" تو خدا کے لیے اپنے کالموں سے فوراً ہٹوائیے۔ پکّہ، قبر خانہ، بازارِ عصمت فروشی، بازار

سڑکوں کی بھی آپ کے ہاں برابر پیل رہا ہے۔ دست درازی، یدفعل، حرام کاری، مُنہ کالا کرنا، سب کو چھوٹے ہوئے ہیں[1]

اب مجھے کیٹی کے سامنے شہادت کے لیے نہ بلوائیے گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۳)

قومی آواز میں انگریزی کے ان دونوں لفظوں کا ترجمہ "بدسلوکی" استعمال ہوا تھا، مولانا دریابادی نے اس سے پہلے خط میں بھی توجہ دلائی تھی، اب پھر لکھا۔

دریابادی

۳ جون ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

---

[1] اس قسم کے بعض الفاظ کے استعمال کے بارے میں مولانا دریابادی نے "صدقِ جدید" کے ایک شذرے میں بھی اظہارِ خیال کیا تھا۔ موضوع کی مناسبت کا تقاضا ہے کہ اسے یہاں نقل کر دیا جائے۔

الفاظ کا نقاب۔ اُردو اخباروں میں ایک نیا لفظ بعض انگریزی خبروں اور مضمونوں کے ترجمہ میں آپ پڑھ رہے ہوں گے "ہم جنسی" لفظی نفسِ نیا نہیں۔ لیکن اب بالکل ہی دوسرے معنی میں آتا تھا "ہم جنس" اور غیر جنس" ایک دوسرے کے مقابل لفظ تھے۔ اور "اختیاری قسم" اور "اضطراری قسم" کے مفہوم میں خاص و عام کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے، اس کے سوا اور کوئی مفہوم ان کا اُردو میں نہ تھا ——— اب بعض اخباری دفتروں کے ترجموں نے لفظ (homosexuality) کے ترجمہ کچھ لایعنی اور اپنی اس غلط فہمی کو اخباروں میں پھیلا دیا ہے۔ اردو میں ایک اس کے لیے الفاظ اقلام و لغات، امراض پر کسی دفتر و رائج تھے اور بالکل صحیح تھے۔ بلکہ فرنگی ذہن و دماغ کے مرعوب اب اپنا ایک طریقہ بھی رکھا کہ جرائم اور بدکاریوں کے جو لفظ اب تک چلے آرہے تھے، ان سب کی جگہ نرم اور معصوم لفظ چلا دیے جائیں تاکہ لغت و ادب کی وہ سب بھی خوبیاں بُریوں اور گناہوں کے لیے راہ ہموار ہوتی جائے اور ان کی طرف سے دلوں میں بیزاری و بیزاری کے اثرات جاتے رہیں۔ سٹہ کا نام کنے، حرام کاری، زنا کاری کے بجائے (Free Love) (آزاد محبت) منع حمل کے بجائے "خاندانی حصر بندی" اور باغی اور بدمعاشی کے بجائے محض "بدِ اخلاقی" یہ سب شاید اسی خوبصورت کی ہیں۔

مغرب اپنی شیطانی ذہانت سے ہم کو برابر نئے نرم موضوعِ الفاظ کا جال پھیلاتا جاتا ہے، اور ہمیں بھلا سادہ دل مشرق برابر اس جال میں پھنستا چلا جاتا اور جرم و معصیت میں گرفتاری کے لیے راستہ صاف کرتا جاتا ہے۔ اس خاص مفہوم کے لیے جو لفظ اب تک اُردو میں چلے ہوئے تھے وہ بالکل ٹھیک تھے۔ لیکن اگر انہیں کریہہ کہہ کر کوئی نیا لفظ انگریزی لفظ کے مقابل رکھنا ہی ہے تو وہ "لوطی" (Sodomite) کے اعتبار کے لیے ہم جنسی اس موقع کے لیے نامناسب نہیں ہے۔

(۱۹ اگست ۱۹۶۱ء صدق)

toobaa-elibrary.blogspot.com

دریاباد

۱۳ دسمبر ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

آمد دریاباد کی افواہی روایت کی تصدیق و تحقیق کہیں کل شام کو جا کر ہوئی!

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

میری مشرقیت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ میں موجود اور میزبانی کسی دوسرے کے سفر میں جانے!

ع ہم سے پردہ اغیروں سے ملاقات رہی

اپنے ہوم کا قریب ترین عزیز بزرگ میں ہی تھا اور مجھ ہی سے یہ بیگانہ وشی و بے التفاتی ؎

شبلی کا گھر بھی خانۂ دشمن کے پاس ہے
عشرت غرام اور بھی دو اک قدم سہی

بیگانہ وشی کا ریکارڈ قائم کرنا اسی کو کہتے ہیں!

ع بھول جانا ہمارا یاد رہے

والسلام

عبد الماجد

(۸)

قرن آفرین کے ایک کالم میں ایک لکھنوی شاعر کا مذاق اڑایا گیا تھا جس نے ضرورتِ قینچی سے کپڑے پر کالے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا نے انصاف مآب کو یہ خط تحریر فرمایا۔

دریاباد

۲۲ جولائی ۱۹۶۶ء بسم اللہ

کرم گستر السلام علیکم

"قینچی" معماروں کی اصطلاح میں لوہے کی اُن آڑی سلاخوں کو کہتے ہیں جو بلڈنگ کے کسی عمارت پر محافظت کے لیے لگا دی جاتی ہیں۔ کمپریل کا مطلب جس پر رکھا جاتا ہے، اسے بھی کہتے ہیں، لیکن لکھنوی شاعر نے اسے پہلے معنی میں استعمال کیا ہے اور چونکہ روایت نظم کا ماہر ہے، قدماً اس کا ذہن فوراً قینچی سے مقراض کی طرف منتقل ہوا اور اس سے اُس نے کپڑے کو برّندہ کر دیا۔ اللہ اس غریب کو غریقِ رحمت کرے، بات اُس نے بے پر کی نہیں اُڑائی۔

عبد الماجد

مولانا شاہ معین الدین ندوی (اعظم گڑھ) (۱)

مکتوب الیہ کے والد کے انتقال پر مولانا دریابادی کا تعزیتی مکتوب۔

دریاباد

۱۸ جون ۱۹۶۶ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

پرسوں لکھنؤ میں تھا، سانحۂ ارتحال کی خبر وہیں معلوم ہوئی، کل دوپہر کو دریاباد آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم بیچارے نیم معطل سے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح غریق رحمت فرمائے۔ باپ کیسے بھی ہوں اور جیسن کچھ بھی آجائے بہرحال باپ ہوتے ہیں، ایسی نعمت جس کا کوئی بدل اس دنیا میں ممکن نہیں۔

والسلام

عبد الماجد

(۲)

مولانا دریابادی دارالمصنفین کے وکٹنگ پریسیڈنٹ تھے۔ جلسہ اختتامیہ میں شرکت کے لیے اعظم گڑھ تشریف لے گئے تھے۔ چونکہ اس موقع پر بعض دیگر مہمانوں کی بھی موجودگی تھی، اس لیے شاہ معین الدین، نائب امیر سید مصباح الدین عبدالرحمٰن عالم مایات مولانا پر پوری توجہ نہ دے سکے۔ بعض ایسی تکالیف بھی پہنچیں جن کا تعلق مولانا کے ان نیازمندوں سے بالکل دور تھا، بعض باتیں جنہیں مولانا دریابادی پسند نہ فرماتے تھے۔ ایسی کوئی بات نہ تھی کہ مولانا کے ساتھ بے التفاتی کی جاتی تھی۔

دریاباد

۵ جنوری ۱۹۶۶ء بسم اللہ

مکرم بندہ! وعلیکم السلام

ع خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے
ع قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

شاہ جی ایشیا پر جو حکم سفر لے کر میرے علاوہ حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا اسے بہرحال میں میرا ہی ذہن اپنے حق میں مسلم سمجھا چہ جائیکہ اُس وقت تیمارداری کی ایک تکلیف میں مبتلا تھا۔ اعظم گڑھ پہنچکر عالم ہی دوسرا نظر آیا۔

ع محبتوں میں تیری اجتہاد کے کاشانوں پڑے

رُودادِ کی غریب الشکل مہمان نوازی اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر دیسنہ کی میزبانی کا گزشتہ چشم و دل سے

لیے وقت ایجاد کہ سولہ ان یک صرف مسکین گریبان یک صرف۔ فجر کی بجائے جب اشراق نکلے تو قرأت قدرے شدید پیدا ہو گیا جس کی تسکین کچھ دن تک رہی۔

واپس میں جب اسٹیشن کیا تو ٹکٹ تو سیدھے کہاں ملتا جو ای تو جائے پلیٹ فارم کے زمین دوز پٹری پر گری، اب سواریوں سے ایک کہ سوار ہونے کو اور کیا صورت تھی، آدمی نے جو راستہ تقاضہ کے اندر سے دستگیری کی اور مولیٰ نفیم نے نیچے سے سہارا دیا جب جا کر مشکل آسان ہوئی۔

خیر جو شدتِ تقدیر تقاضا ہو کر رہا اس مشکل نکے "جب مشکلہ" کی ہرگز ضرورت نہیں نہ گم نہ نرم! درخواست صرف "آمد و کے بابت میں ہے۔

سید صاحب کے نئے میں مہمان خانے کا کمرہ خصوصی میرے لیے مخصوص رہتا تھا جب اس کی بحالی پھر کر دی جائے سوا اس کے کوئی کمرہ محمود صاحب آجائیں۔

ملازم انشاء اللہ ساتھ لایا کروں گا اور ساتھ ہی تقرر اس بھی۔ چائے رات میں بند کے اس میں رکھ لیا کروں گا۔

ایسے اجتماع عام کے وقت پر ملاقات کی سے بالکل ہی معافی چاہتا ہوں۔

پہلے ایک معاملہ ذکر کرنے سے رہ ہی گیا، آپ تو رخصت ہو چکے تھے، میری رہائی سے کوئی پون گھنٹہ قبل مدرسہ لیبر اکیڈمی کے کوئی پچاس طلبہ آگئے وہ ایک مدرس کی قیادت میں جلوساً وہ ہوا فرداً فرداً دست بوسی، معتقدانہ کپڑوں پر دستخط، تقریر پیام اور وغیرہ۔ غرض ہر وہ فرمائش جو ہجوم اپنے لیڈروں سے کرتا ہے۔ ع دیبے داغ نے امتحان کیسے کیسے

والسلام

عبدالماجد

ڈاکٹر خورشید احمد کراچی

(۱)

خورشید صاحب کے نام سوا دو بلوی کے تین خط ہیں۔ پہلا خط دو ران مغرب دریل میں، ان کی دو کے ایک انتقال پہلے، اس زمانے میں وہ "پیسہ اخبار" کے ایڈیٹر تھے، ساتھ ہی "مشعل راہ" دیان بھی ایڈٹ کرتے تھے، تیسرا خط بھی چراغ راہ پانے کی رسید ہے۔

دیبا باد

۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء بسم اللہ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ۔ دنیا کی نعمتوں میں شاید سب سے بڑی نعمت ماں ہی ہے اس کی مفارقت اور پھر بالکل اچانک مفارقت پر صبر کر لے جانا ہے بڑی ہمت اور ظرف والوں کا کام۔ لیکن اجر انعام بھی تو اسی حساب سے و مناسبت سے ہے، بے حساب دینے والے ہے۔

آپ ماشاء اللہ دیندار ہیں اور دین کی قدر تو ایسے ہی موقعوں پر ہوتی ہے، اطمینان کی دنیا بستی ہی تہ و بالا ہو جائے پھر بھی عقل و ایمان جگہ پر یقین کامل ہے کہ جس نے یہ دولت دی ہے وہ ماں سے بھی کہیں بڑھ کر شفیق و مہربان ہے، ماں کی شفقت تو محض اس کی رحمت و شفقت کا پرتو تھی! خدا معلوم یہ کھو کر کیا کچھ ملے گا! اس ایک ہمنائی اور دوستی زخم کے بہانے کتنی نعمتوں اور انوار و رشدوں کی بارش ہوگی۔

اور پھر مسافر کی موت مغفوریت کی خود ایک مدرسہ علامت ہے۔ پیچھے کا کام، قول مستفتہ کر لیجیے کہ وطن سے پردیس تک مسلسل رحمتوں کا نزول کر دیا جاتا ہے۔

مفارقت کے دن ایام سب آپ ہی کیسی تیزی سے اس ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں ہیں! بس دو دنوں میں لگے رہیے، صبر و نہ رفتہ آجائے گا۔ والسلام، دعاگو: عبدالماجد

(۲)

دیبا باد

۲ اگست ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم سلمہ تعالیٰ! وعلیکم السلام

"چراغ راہ" بدل آپ کا "مشعل" خوب ہاتھ آگیا۔ بدل کیوں؟ نعم البدل کہیے اب آپ خود مظہر مطلع انوار خورشید ع ایں خانہ تمام آفتاب است

مشعل کی روشنی تو ابھی یہاں تک پہنچی نہیں صرف آپ کے خط سے اطلاع پاکر یہ ایک لفظی "چراغ راہ" تیار ہو گئی۔

والسلام، دعاگو:

عبدالماجد

(۳)

دیبا باد

۵ جولائی ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

"چراغ راہ" کی روشنی آج پہلی بار اس "ظلمت کدہ" تک پہنچی بواسطہ "خورشید"

والسلام، دعاگو و دعا:

عبدالماجد

شان الحق حقی (کراچی)

(۱)

حقی صاحب کے نام مولانا دریابادی کے تمام خطوط اُس وقت کے ہیں جب حق صاحب ترقی اردو بورڈ کراچی کے سکریٹری اور اردو نامہ کے ایڈیٹر تھے۔ تمام خطوط میں لغات، تحقیق الفاظ اور لسانیات کے مختلف مسائل زیرِ بحث آتے ہیں، کہیں تائید ہے، کہیں تردید، کہیں اختلاف ہے اور کہیں ترجیح۔ تمام خطوط اردو نامہ میں چھپتے رہے تھے۔ جس خط پر تاریخ درج نہ پائی وہاں رسالے کی اشاعت کا حوالہ بڑھا دیا ہے تاکہ ہر خط کی صحیح تاریخ کا بھی کچھ اندازہ ہو جائے۔

درج ذیل خط اردو نامہ بابت اکتوبر ۱۹۶۱ء سے ماخوذ ہے۔ پس تحریر میں ذکر محمد ہادی کے تخلص "مرزا" اور لقب "مرزا" کا آیا ہے۔

مکرم بندہ السلام علیکم

"اردو نامہ، نمبر ۴ پیشِ نظر ہے۔ صفحہ ۶ پر اداسی کے بعد بھی جہاں جہاں حوالہ "گل رعنا" کا ہے، اس کے مصنف کو مولانا عبدالحی فرنگی محلی کر کے لکھا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل دوسرے شخص تھے۔ ان کا سالِ وفات ۱۸۸۲ھ ہے۔ بڑے پایہ کے عالم دین تھے۔ اردو شاعری و تذکرہ نویسی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ گل رعنا کے مصنف مولوی حکیم سید عبدالحی رائے بریلوی ثم لکھنوی تھے۔ لکھنؤ میں طب کرتے تھے، نذرہ کے نائب ناظم ہو گئے تھے۔ سالِ وفات غالباً ۱۹۲۲ء ہے۔ ان کے اِن کے زمانے میں کہنا چاہیے کہ نصف صدی کا فاصلہ حائل ہے۔

والسلام
عبدالماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی

مکرر:

نمبر ۴ بھی نظر سے گزرا۔ ص ۶۹۔ مرزا صاحب کا تخلص آخر وقت تک مرزا ہی رہا۔ شاعری کو مرزا صاحب ہنر سمجھتے تھے اور ناول نگاری کو عیب۔ اس عیب سے اپنے کو چھپانے کے لیے نقاب رسوا کا ایجاد کر لیا تھا۔ جب مالی ضرورت کے دباؤ سے ناول لکھ کر (صحیح یہ ہے کہ لکھیٹ کر) کبھی آدھے پونے کسی ناشر کے حوالے کرتے تو اپنی ثقہ شخصیت کو بچانے کے لیے رسوا کے نام سے۔

(۲)

مبارزی صاحب سے مراد مشہور محقق اور ماہر لسانیات ڈاکٹر شوکت سبزواری ہیں

دریاباد
۱۹ مارچ ۱۹۶۳ء

صاحب من! السلام علیکم

نمبر ۷ پہنچا۔ اب تو ہر پرچہ پڑھنے کے قابل ہونے لگا ہے۔ یہ نمبر بھی خوب ہے۔ کیفیت و کمیت کے اعتبار سے۔

"جیا" کی بحث تو آپ ختم ہی کر چکے، لیکن اتنا عرض کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ میرے بچپن تک فصحاء عموماً اس موقع پر "ہا" یا "سی" ہی لاتے تھے۔ اور اس حد تک جوش صاحب کا خیال صحیح ہے۔ پھر بھی یہ نہ تھا کہ "جیا" کا استعمال سرے سے معدوم ہو۔ آخر سبزواری صاحب نے اس رد سے بھی سندیں ڈھونڈھ نکالی ہیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے درجے کے (دیہی) (خصوصاً اخبار نویسوں) نے "جیا" اور "جیسی" کی بھرمار کر دی۔ اور اس لیے صف اول کے بھی بعض ادیبوں کو متاثر ہونا ہی پڑا۔

اجازت ہو تو اپنے استفادے کے لیے دو سوال بھی عرض کر دوں۔

۱۔ صفحہ ۶۲، کالم ۲، وسط کے بعد "خامہ فرسائی" کیا اپنے صحیح عمل پر استعمال ہوا ہے؟ میں سمجھتا تھا کہ اس میں ذم و تحقیر کا پہلو شامل رہتا ہے۔

۲۔ صفحہ ۷۲، الخ۔ لفظ "املا" کیا مرنث ہے؟

والسلام
عبدالماجد دریابادی

اس خط پر نمبر ۸ کے سلسلے میں مکتوب الیہ نے تحریر فرمایا: "آپ نے بجا فرمایا" نمبر ۷ و ۸ کے سلسلے میں انھوں نے لکھا کہ اس میں اختلاف ہے" (اردو نامہ، کراچی۔ اپریل ۱۹۶۳ء)

(۳)

دریاباد
۳ مئی ۱۹۶۳ء

کرم گستر! السلام علیکم

تازہ "اردو نامہ" ملا۔ حسب معمول سب سے زیادہ دلچسپی اور خوشی سے فرہنگ لغت پڑھا۔ نظر کی وسعت و محنت دونوں کا کیا کہنا۔ البتہ یہ کھٹک کئی بار محسوس ہوتی کہ معانی کی تعداد میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

خواہ مخواہ کے تکلف سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً اس قسط میں اپاہج کے چومعنی الگ الگ دیے گئے ہیں اور عمداً انکرار کو کام میں لیا گیا ہے۔ یہ چوکل کے اندر نجوبی سمٹ کر آسکتے تھے۔ "خوش" نظم کی طرح نثر میں بھی تو بچنے کی چیز ہے۔

لفظ اپ ٹو ڈیٹ اردو میں بطور طنز کے بھی تو آتا ہے۔ جنٹلین کی طرح اور اپ ٹو ڈیٹ طلب پوری طرح اردو بن چکا گیا اس طرح کی کوئی عبارت بڑھا دینا مناسب ہوگا۔

طنزیہ موقع پر جنٹلین طنز کے مترادف ہے۔ اس فقرے میں سوٹ بوٹ سے کیس پیسے جنٹلین ہر طرح اپ ٹو ڈیٹ۔

اور اس طنزیہ مفہوم میں ہر جگہ تو نہیں لیکن کہیں کہیں پھیلاسے بھی اس کا ربط بہت قریب کا ہو جائے گا جیسے اس فقرے میں "وہ گھبرو جوان پھیلا بنا ہوا، انداز دل ربائی میں ہر طرح اپ ٹو ڈیٹ"۔

انشاء نے پڑھنے کی اب کہاں فرصت۔

والسلام

عبدالماجد

(۱)

کرم گستر! السلام علیکم

اب کے فتاحیہ نواب منے بڑے بانکپن سے لکھا۔ دلچسپ بھی اور فاتحانہ و مجاہدانہ بھی۔ ماشاءاللہ..... ہمارے سید مسعود حسن صاحب کا مکتوب بھی خوب رہا۔ بامواقع بھی، مفرد بھی۔ جلدی آپ کی توکا بھی عجیب حال ہے۔ عقیدت، ہوئی تو نوبت پرستش کی پہنچادی۔ الجھی تو بس بدتمیزی پر اتر آئی۔ آزاد مظلوم کی تحقیق میں اگر کچھ غلطیاں رہ گئیں تو غلطیوں سے محفوظ آج تک کون رہا ہے۔ کس محقق کی تحقیق کو حرف آخر کا درجہ دیا جاسکتا ہے؟ لغزشوں کی نشان دہی ضرور کیجیے لیکن اپنے فرق مراتب کا لحاظ کر کے اور شائستہ زبان و متانت بیان کے ساتھ۔ ادب میں بے ادبی کیسی؟

حصۂ لغت ہمیشہ بڑی دلچسپی سے پڑھتا ہوں چنانچہ اب کے بھی۔ آپ آخر میں حوالہ جو دیتے ہیں اس میں پہلے نام تصنیف کا دیتے ہیں اور پھر مصنف کا، لیکن کہیں اس کے برعکس بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۵۹، کالم ۲، وسط، جہاں "سرا" پہلے آگیا اور "خورشید

بہو، بعد کو۔ اس بے ترتیبی کی کچھ مزید مثالیں صفحہ ۱۶۱ کالم ۲، کے وسط میں نظر پڑیں۔ صفحہ ۱۶۱، کالم ۱، وسط میں ایک حوالہ "سائنس و فلسفہ" کا دیکھا، خیال نہ آیا کس کی کتاب ہے۔ کھاس کو چرنا، خدا فطیعت کو کھٹکا۔

رسوا کے نام پر یاد آیا کہ "خورشید بہو" نام کی کوئی کتاب ان کی زندگی میں تو سننے میں نہ آئی تھی، بعد کو خدا معلوم کن لوگوں نے اسے ان کی جانب منسوب کر دیا۔

دریابادی عبدالماجد دریابادی

اس خط پر شان الحق حقی صاحب نے یہ ترجیع "درج فرمائی:

حوالے کے اندراج کی بابت ممکن ہے بعض اور اصحاب کو بھی یہی بات کھٹکی ہو لہٰذا مکرر وضاحت کی جاتی ہے کہ اگر سنہ تصنیف دریافت ہو تو کتاب کا نام پہلے دیا جاتا ہے، ورنہ مصنف کا نام مقدم ہوتا ہے اور تصنیف کا مؤخر۔ داہنی طرف جو سنہ درج ہوتا ہے وہ پہلی صورت میں سال تصنیف شمار ہوگا، اور دوسری صورت میں مصنف کا سال وفات مثلاً۔

۱۸۵۱ء (وفات) ۔ مومن، کلیات

(مصنف کا نام مقدم ہے)

۱۸۷۸ء (سال طباعت) ۔ گلزار داغ

(تصنیف کا نام مقدم ہے)

۱۸۰۱ء (سال تصنیف) ۔ آرائش محفل، حیدری

(تصنیف کا نام مقدم ہے)

چونکہ زیر حیات مصنفین کی تصانیف کا سنہ طباعت یا سنہ تصنیف عام طور پر معلوم ہوتا ہے، اس لیے تصنیف کا نام پہلے نظر آئے گا اور مصنف کا (اگر ضروری ہوا) تو بعد میں مثلاً:

۱۹۳۳ء ۔ مضامین، عبدالماجد دریابادی

(ماخوذ از اردو نامہ، کراچی۔ اپریل ۱۹۶۳ء)

(۵)

(ماخوذ از اردو نامہ، کراچی۔ جولائی ۱۹۶۳ء)

کرم گستر! السلام علیکم

"اردو نامہ" نمبر ۱۶ سولہ سنٹ ہوتے موصول ہوا۔ میری بدخطی ہر جگہ رنگ لاتی ہے اپنی تحریر جب کہیں چھپی ہوئی دیکھتا ہوں غلطیوں پر بس سر پیٹ کر رہ جاتا ہوں اور یہی صورت

اب کی بھی میرے پیچھے ہوتے عربیے میں پیش آئی۔ مرض لاعلاج ہے اور صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

مولوی اسمٰعیل میرٹھی مرحوم کی گلشن اردو آپ نے خوب چھاپ دی۔ مبارک! اللہ چاہے اب گمنام سے ہو گئے ہیں۔ اردو کے تاریخ نویسوں نے بھی ان پر بڑا ظلم کیا ہے ان کا شمار تو اردو کے خصوصی محسنوں میں ہوتا تھا۔ تصویر پر بھی کیا نورانیت، کیا معصومیت برستی ہے تصویر کے جواز و عدم کی بحث الگ ہے لیکن بہرحال اگر چھپتی ہے تو بس ایسے ہی نورانیوں کی چھپے!

"مکتوب غالب" اور "کلام آزاد"، یہ دونوں بھی قابل قدر ٹکڑے ہیں۔ لغت کی قسط حسب معمول اب کی بھی خوب تھی۔

صفحہ ۸۶ (حاشیہ) میں سرسید کے جی "فرزند عزیز" سید احمد مرحوم کا ذکر ہے وہ سرسید کے حقیقی بھتیجے تھے۔ مجھے ان کے بیرسٹر ہونے اور لکھنؤ میں پریکٹس کرنے کا علم نہیں۔ سب جج کی حیثیت سے ریٹائر ہو کر سیتاپور ہی میں رہ پڑے تھے۔ لکھنؤ میں بیرسٹری ان کے چچازاد بھائی سید محمود (فرزند سرسید) نے البتہ کی تھی۔

اب ایک بات اور سن لیجیے۔ لغت کے حصے کو رسالہ سے الگ مستقل کتابی صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کی کوئی صورت بلا دقت و زحمت ممکن ہے؟ والسلام

(صدق جدید) - دریاباد ..... عبدالماجد

(۶)

یہ خط کتابت ابھی سے ماخوذ ہے لیکن اس کا مضمون، بعد والے خط کے آخری پیراگراف کے طور پر بھی مثال ہے۔ شاید ادارہ "اردو نامہ" نے دو خطوں کے مضمون کو ملا کر ایک کر دیا ہو۔

دریاباد
۱۹ نومبر ۱۹۶۴ء ..... بسم اللہ

عزیز مکرم! ..... السلام علیکم

آپ کے ہاں "املا" کو برابر یونہ لکھا جا رہا ہے۔ یہ تائیث ذرا کھٹک رہی ہے۔ حصۂ لغت میں "اترانا" کی تحقیق آپ نے خوب ہی تفصیل سے درج کی ہے مگر "اتر آنے" کا

ایک استعمال مجھے نظر نہ پڑا مثلاً اس فقرے میں کہ "آپ تو ذاتیات پر اتر آئے" "اترنا" عوامی زبان میں ایک خفیف معنی میں بھی آتا ہے "چڑھنے" ہی کی طرح۔ والسلام

دعاگو و دعاخواہ:
عبدالماجد

(۷)

(ماخوذ از اردو نامہ، کراچی۔ جنوری ۱۹۶۵ء)

عزیز مکرم! السلام علیکم

مولوی احتشام الدین حقی مرحوم سے میری ملاقات دفتر ہمدرد میں ہوئی تھی جب وہ اس کے سینیر اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے، ماہ اواخر ۲۴ء میں۔ بلکہ صورت آشنائی تو اس سے بھی کئی سال پیشتر ہو چکی تھی۔ ۱۹۱۳ء میں جب میں علی گڑھ میں ایم۔ اے کا طالب علم تھا وہ مرحوم لٹن لائبریری کے نئے نئے اسسٹنٹ لائبریرین ہوئے تھے۔ خیر پھر ایک وقفے کے بعد ان کی گفت کا مسودہ و فتراانجمن ترقی اردو میں دیکھا اور اسے دیکھ کر رشک کر اٹھا۔ خیال میں بھی نہ تھا کہ کوئی فرد واحد محض اپنی دیدہ ریزی کے زور سے اس درجہ ثبوت تحقیق و جامعیت کے دے سکتا ہے۔

تازہ اردو نامے میں شیکسپیئر کے اردو ترجمہ پر مضمون اچھا ہے اور خوب مفصل صفحہ ۲۷ کالم (۱) میں یہ بات شاید لکھنے سے رہ گئی کہ جوالا پرشاد برق نے ہی رومیو جولیٹ کو بالکل مسلمان اور نواب دور کے لکھنوی مسلمان کر کے پیش کیا ہے۔ غفور الدولہ، ظہور الدولہ الماس وغیرہ بول چال میں ٹھیٹھ لکھنوی۔

صفحہ ۳۱ کالم ۲ ذکر تزاجم ہیلٹ، میری نظر سے اپنے بچپن میں جو ترجمہ جہانگیر کے نام سے گزرا ہے وہ منشی امتیاز علی ۔ ۔ ۔ اے فیض آبادی ایڈووکیٹ کا کیا ہوا تھا، اور اس وقت اس کی زبان بھی بہت پسند آئی تھی۔ بعد کو مرزا عسکری لکھنوی سے اس زبان کی ہجو بھی سنی اور خود بھر پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ آپ کے ہاں "امراؤ علی" کہیں چھاپے کی غلطی تو نہیں۔

آپ کے ان "املا" کو برابر یونہ کہا جا رہا ہے۔ یہ تانیث ذرا کھٹک رہی ہے۔ حصۂ لغت میں "اترنا" کی تحقیق آپ نے خوب ہی تفصیل سے درج کی ہے مگر "اتر آنے" کا ایک استعمال مجھے نظر نہ پڑا مثلاً اس فقرے میں کہ "آپ تو ذاتیات پر اتر آئے" "اترنا"

عوامی زبان میں ایک فحش معنی میں بھی آتا ہے، "چڑھنے" کی طرح۔ والسلام

دریاباد

عبدالماجد

(۸)

(ماخوذ از خدوخال کراچی۔ جولائی ۱۹۶۵ء)

کرم گستر! السلام علیکم

تازہ نمبر میں آپ نے خوب کیا جو اپنے زمانے کی ایک مشہور نظم "جان بیٹا خلافت پر دے دو" شائع کر کے محفوظ کر دی۔ یہ نظم ۱۹۲۲ء میں ایک جیبی چودونے پر "صدائے خاتون" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی اور دو پیسے کی بکتی تھی۔ بازار میں مدت سے نایاب ہے۔ میرے پاس موجود تھی۔ اب چوڑھو ڈھاتو نہ لی۔ ہونہ ہو دیمک کی نذر ہو گئی۔

میری کتاب "محمد علی کی ذاتی ڈائری" جلد اوّل ۱۹۲۵ء میں نظم کا ذکر مع چند شعر لے موجود ہے۔ آپ کے ہاں چھپی ہوئی نظم میں دو ایک غلطیاں محسوس ہوئیں مثلاً صفحہ ۶ داہنے کالم کے آخری شعر کا پہلا مصرع یہ یاد پڑتا ہے۔

کالے پانی خوشی ہو کے جانا

اسی طرح باہیں کالم کے آخری شعر کے دونوں مصرعوں میں بجائے "تجھ" کے "تم" تھا۔ اہم ترین غلطی، نظم کے سب سے آخری شعر میں۔ صحیح مصرع یوں تھا۔

چین یاسین ہم نے نہ پایا

یاسین تخلص گمنام شاعر کا تھا۔

افسوس ہے کہ اس وقت کچھ خیال نہ آیا اور دس بارہ سال ہوئے خیال آیا تو شاعر کا پتا بہت کچھ جلانا چاہا کہ کون تھے، کیا تھے، کچھ پتا ہی نہ چل پایا۔ انہیں کی ایک دوسری نظم بھی اس وقت خوب چل ہوتی تھی، یہی بحر یہی موضوع۔ پہلا شعر تھا:

کہہ رہے ہیں "کراچی" کے قیدی

ہم تو جائیں گے دو دو برس کو

علی برادران کا جو مقدمہ کراچی میں ہوا، اس پر نظم تین چودرقے کا عنوان تھا: "ندائے مظلوم"

دریاباد، ضلع بارہ بنکی۔

عبدالماجد

(۹)

مرزا نادر بابری نے اپنے خط میں "اجانہ" اور "اجانہ" دو مقاموں کے نام لکھے تھے لیکن اردو نامہ (شمارہ ۲۲) میں خط چھپا تو "اجانہ" بھی "اجلہ" ہو گیا۔ اس سے عجیب الجھن پیدا ہوئی۔ ۳۰ جون ۱۹۶۶ء کے خط میں مرزا نے اس پر تبصرہ کیا ہے۔

دریاباد

۲۷ مارچ ۱۹۶۷ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

مدت دراز کے بعد محمد اللہ اردو نامہ پھر دیکھنے کو ملا ۲۱ و ۲۲ ایک ساتھ ملے۔ پیاسے کو پانی نصیب ہوا۔

شرکت سبزواری صاحب اشتقاقیات، پر جب اور جو کچھ لکھتے ہیں اچھا ہی لکھتے ہیں۔ ممتاز حسن کا مضمون مرتضیٰ حسین ادیب پر بھی اچھا ہے۔

بالکرشن بولی پر ایک دیہاتی خاتون نے خوب۔ "لکھ دیا ایک چھوٹا سا لفظ اس نمونے پر اور دھ کی بھی دیہاتی بولی کا تیار کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے خود جوش صاحب بالکل کافی ہیں۔

صحت الفاظ کے معیار پر جن صاحب نے قلم اٹھایا ہے، وہ قابل مبارک باد ہیں۔ معیار صحت ظاہر ہے کہ مرد اہل زبان کا استعمال و تصرف ہے انگریزی اصطلاح میں E.S.P. قاموس الاغلاط الناس کے مرحوم مصنف کو غرق رحمت فرمائے ہجائے خود مجموعہ لاطائلات ہے۔ ایسے ملائے مکتبی کو اردو پر تو جبہ فرمانے کی ضرورت کیا تھی خواہ مخواہ اردو بول چال کے سیکڑوں الفاظ کو عربی قواعد کی چھری سے ذبح کر ڈالا ہے۔

حصہ لغت کو حسب معمول بڑے شوق سے پڑھا اور مستفید ہوا۔ صرف دو لفظوں سے متعلق ہلکی سی کھٹک رہی۔ اجازہ کے تحت میں اگر بعض علوم کا "اجازت نامہ" بھی پڑھا دیا جائے تو کیسا ہے؟ مثلاً فن طب میں اجازہ مسیح الملک سے حاصل کیا۔ فن حدیث میں اجازہ علمائے حرمین سے جا کر لائے۔ جلیل کا ایک مصرع ہے:

دین اللہ کی ہے اس میں اجارہ کیا ہے

اس اجارہ کو آپ واضح طور پر کس معنی کے تحت میں لائیں گے۔ والسلام

دعاگو، عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۰)

کرم گستر ا السلام علیکم

تیسواں نمبر "بیاری اردو" پر بہت بہت ہی اچھا ہے۔ اصل کتاب کے مطالعے سے اس نے مستغنی کر دیا۔ حصۂ لغت سے بھی مستفید ہوا۔ دو باتیں عرض کرنے کی ہیں:

صفحہ ۳۲۱ آخری سطر، جو حوالہ دیا گیا ہے وہ کہاں تک باعمل ہے۔ یعنی کیا مصنف خود بھی اس لفظ کا مفہوم صحیح سمجھتا ہے؟ عبارت سے تو ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ سند میں تو ہمیشہ ایسی عبارت ہونا چاہیے جو لفظ کا صحیح مفہوم ظاہر کر رہی ہو۔

صفحہ ۳۲۲ کالم ۱، وسط، "اُجڑ دیا" شبہ اس میں ہے کہ یہ لفظ کہیں مستعملاً بھی آیا ہے یا محض بطور تابع مہمل جیسا کہ مصرع منقولہ میں ہے مستعمل کی مثال تو اس قسم کا جملہ ہوگا "میں نے وہ گھر اُجڑا دیا" (اُجاڑ دیا نہیں)۔ سند ایسی ہونا چاہیے جو اپنی دلالت میں قطعی ہو، مبہم یا مشتبہ نہ ہو۔

دریا باد عبدالماجد

۱۲ر اپریل ۱۹۶۶ء

مولانا دریا بادی کے دونوں معروضات پر لیڈیسمتھ مراد آباد نمبر جناب شمس الحق حقی نے یہ نوٹ تحریر کیا:

۱۔ صفحہ ۳۲۱، یہ سند حالؔ کی ہے: "ایک شخص کا سپاہی اور عالم ہونا گویا اجتماعِ ضدّین سمجھا جاتا ہے"، یہاں لفظ "گویا" قابلِ لحاظ ہے۔

۲۔ صفحہ ۳۲۲، "اُجڑ دیا" سے پہلے جو ڈیش ہے وہ اجڑا کا قائم مقام اور اس بات کی علامت ہے کہ یہ لفظ اُجڑا کے تابعات میں ہے، اسے "اُجڑا اجڑا دیا" پڑھا جائے۔ قارئین اس بات کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھیں۔

(ماخوذ از اُردو نامہ کراچی۔ ستمبر ۱۹۶۶ء)

(۱۱)

دریا باد

۳۰ر جون ۱۹۶۶ء

کرم فرما ا السلام علیکم

آپ کا نمبر ۲۳ پہنچا۔ اپنا مراسلہ اس میں برلبِ گور سرہیٹ دیا۔ "اجازہ" میں "ز" کے نقطے کو اُڑا کر اُسے "اجارہ" بنا دینا آپ کے کاتب کا کمال فن ہے۔ کیا انھوں نے مجھے

"اجارہ"، دونوں لفظوں

نقطہ سنانے کی ٹھان لی ہے۔ میں نے "اجازہ" اور
الگ الگ عرض خیال کیا تھا۔ انہوں نے دونوں کو مٹا کر دونوں لفظ ایک کر دیے۔ پڑھنے
والوں نے میرے متعلق کیا رائے قائم کی ہوگی۔ اپنی بدخطی کا میں خود بہت زیادہ قائل ہوں،
لیکن اس سے اس درجہ روا کی کم ہی میرے نصیب میں آئی ہوگی۔

صفحہ ۷ کالم ۱ کے آخر اور کالم ۲ کی پہلی سطر میں "اجانہ"، (زا سے منقوطہ کے ساتھ)
پڑھیے، معنی اجانت نامہ۔ اس کے بعد کالم ۲ کی سطر ۳ و ۴ میں "اجارہ" ہے دیکھیے یہ تصحیح
کس صورت میں چسپ کر آتی ہے۔

اب کی تسطیر میں بعض لفظ بہت نامانوس سے نظر آتے مثلاً اجنوں، اجوں،
(۱) اجنوں، اجوں، آج۔ کیوں نہ ان سب کے آگے "مترادف" بڑھا دیا جائے کہ
سب کے آگے آپ نے خود بڑھا دیا ہے۔

اس نمبر میں ہاشمی فرید آبادی مرحوم کے خطوط خوب ہیں۔ پُرلطف بھی اور پُرمعلومات
بھی۔ اور جوش صاحب کے مضمون کا تو کہنا ہی کیا۔ "برات" انھوں نے خوب ہی سجا کر نکالی
ہے۔ اس کا سہرا انھیں کے سر ہے اور وہی اس برات کے نوشہ۔

عطیہ خلیل عرب کے مراسلے میں ایک شعر اور یاد پڑ گیا۔ اسی مشہور
غزل کا مطلع ہے۔

از مذہب من گبر و مسلماں گلہ دارد ۔۔۔ وز پنجۂ من چاک گریباں گلہ دارد

یہ اس لیے لکھ دیا کہ شاید شاعر کے نام کی تلاش میں اس سے کچھ اور مدد مل جائے۔

والسلام

(دعاگو عبدالماجد)

اس خط پر جناب حقی صاحب نے حسبِ ذیل نوٹ تحریر فرمایا۔ اس میں معذرت بھی ہے اور
وضاحت بھی:

اردو نامہ کراچی:

"غلطی کا نہایت افسوس ہے، لیکن اس سے غلط فہمی شاید ہی کسی کو پیدا ہوئی ہو،
پھر آپ کے بارے میں! "عاقلاں را یک نقطہ کافی است"۔ ہماری قدیم تحریروں میں
تو نقطے کی کمی ہی پوری جاتی تھی بلکہ سطروں کی سطریں "بے نقطہ" ہوتی تھیں۔ بہرحال

ہم اس کا آئندہ بہت خیال رکھیں گے۔ اسی شمارے میں شمس الاسلام صاحب کے خط میں نجستہ سالی کی جگہ خستہ سالی اور مسرت کی جگہ حیرت چھپ گیا ہے جس کے لیے ہم نہایت شرمندہ ہیں۔

تشریح میں "اجاز" کے تحت لکھا تھا "ملاحظہ ہو اجازت (یعنی اجازت کی طرف رجوع کریں) وہاں دو معنی بھی درج ہیں جن کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے۔ لفظ "متروک" کا اضافہ اس صورت میں کہ صرف قدیم مثالیں دی گئی ہوں، زائد ہوتا ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب سے متروک؟ اس قسم کی مراجعت متداول لغتوں میں تو ٹھیک ہے مگر ایسی لغت میں جو زبان کے سارے ادوار پر حاوی ہو قابل ترک ہے۔ نہ معلوم آگے اور کون سے لفظ متروک ہو جائیں۔ پھر کوئی لفظ ایک دم متروک نہیں ہوتا، بعض لوگ عرصے تک بولتے رہتے ہیں۔"

(ماخوذ از اردو نامہ، کراچی۔ ستمبر ۱۹۶۶ء)

ضیاء علی خاں ریاوی

(۱)

دریاباد

۱۴ نومبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کرم گستر!

وعلیکم السلام

(۱) "ایشن" عام ہو چل گیا ہے۔ فصحا اب تک احتیاط کرتے ہیں (۲) "جانے پیدائش" فصحا کے نزدیک تو نہیں البتہ عوام الکلمہ کے نزدیک۔ پہلوئے دم لیے ہوئے ہے (۳) "آپ چل" کا استعمال بالکل صحیح ہے (۴) دونوں مختلف فیہ ہیں، میں "غدر" کی تذکیر کو صحیح سمجھتا ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

فراق گورکھپوری (الہ آباد)

(۱)

دریاباد

۲۰ جنوری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

کرم گستر! تسلیم

بڑی عنایت ہوگی اگر وہ دو شعر اپنے تحریر فرما دیں۔

ایک تو ہے ..... نگاہ آدمیں نکلی، والا

دوسرا ..... حسن اُداس اُداس سا، والا

نیاز کیش، عبدالماجد

رئیسہ حشام حسین (الہ آباد)

(۱)

"ہماری زبان" مورخہ ۱۷ مئی میں ایک خبر سرخی "خالق باری" مترجمہ حافظ محمود خاں شیرانی کے کسی شعر کے مفہوم پر رئیسہ حشام صاحبہ کا کوئی مضمون نکلا تھا۔

دریاباد

۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

تازہ "ہماری زبان" میں "خالق باری" کے شعر پر مضمون پڑھ کر بڑی ہی حیرت ہوئی۔ شیرانی جیسا محقق اور رئیسہ جیسا فاضل اور ایک معمولی سا شعر سمجھنے میں ایسی فاحش غلطی! مجھ جیسا بھی ہوتا تو یہی کہتا ؎

لوگ کہتے ہیں کہ علم تیرا ہے

انسان اپنے کس ہنر پہ ناز کرے علم اس کی بساط ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸ مولانا دریابادی نے ہمدرد پر ارسال فرمائے تھے، یہ ہیں:

(۱) دفعتہ رزم دشیزہ نگاہی دل نہیں بھولا — بڑی مہب جب نظر تیری لگاوا دل میں نکلی

(۲) خیال بھی تھا وصال وصل تھا اس میں — دل کو کہی کہانیاں یاد ہی آگے رہ گئیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ نیاز فتح پوری (لکھنؤ) (۱)

مکتوب الیہ کو "پیام بھوشن" کا خطاب ملنے کی خبر پڑھ کر مبارکباد کا خط۔

دریاباد

۲۷ جنوری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

خطاب کی خبر پڑھ کر

"نیاز" مقام "ناز" میں ——— خیر کسی اردو والے کی تو قدر ہوئی۔

تہنیت گزار:

عبدالماجد

رشید علی شاہ (سیالکوٹ)

دریاباد

۱۰ مارچ ۱۹۶۲ء بسم اللہ

مکرم گستر! وعلیکم السلام

چنان ہنگ: اپنے شک قلیل الاستعمال ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ اس پر اطلاق انشاء کا لعدم ہو۔ مولوی سید احمد دہلوی کی لغات النساء میں بھی نہ ملا۔

یہ چنان بین ہی کی ایک شکل ہو یا خود کوئی مستقل محاورہ یہ تو محض ایک ظن وتخمین کی چیز ہے مثل استعمال پر اس کا کیا اثر ہوگا گو میں ذاتی طور پر ترجیح اس کو دوں گا کہ یہ مستقل محاورہ ہے۔

والسلام، دعاگو:

عبدالماجد

مرزا سید الظفر چغتائی (گورکھپور یونیورسٹی، حال مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

مصحفی پر لکھنے کی فرمایش کے جواب میں بہت پہلے مولانا نے مصحفی کی شعوری ہمراہیت الغزل بھی کی تھی۔

دریاباد

۱۹ اگست ۱۹۶۲ء

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

جی ہاں خدمت "مصحفی" کے بعد اللہ کی ذرہ نوازی سے اب خود اپنے ظرف وبساط کے مطابق "مصحفی" ہوں، یعنی شاعر بے چارہ کی طرف اب کیا توجہ کروں ؎

قافیہ اندیشم و دلدار من

گویم مشکل نہ گویم تا نہ من

البتہ ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب جو کچھ بھی عنایت فرمائیں اُن کا میں کرم سمجھوں گا۔ اللہ انہیں بھی لفظ وعبارت کی منزلوں سے گزار کر جلد عالم معانی تک پہنچا دے۔

دعاگو:

عبدالماجد

تاور جاوید (حیدرآباد، دکن) (۱)

دریاباد

۱۱ مارچ ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

صحیح تلفظ جاوید Javed بروزن بید، مجید

صحیح تلفظ شہلا SHAHLA بروزن کلا، حملہ

اردو میں صحیح و مستند تلفظ وہی ہوگا جو اردو زبانوں پر چڑھا ہوا ہے اور اس زبان کے تلفظ سے متعلق بحث نہ ہوگی جس زبان سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے، لاطینی کو اردو میں لاطین ہی کہیں گے لین نہیں کہنا غلط ہوگا۔

ٹکٹ کو اردو میں ٹکٹ (بہ فتحہ کاف) کہیں گے، ٹکٹ (بہ کسر کاف) کہنا غلط ہوگا۔

والسلام

عبدالماجد

ڈاکٹر شمامت علی مسند یلوی (لکھنؤ)

(۱)

دریاباد

۱۲ مئی ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

اردو زبان وادب کے سلسلہ میں جن عنوان محنت ہوئے ذہن میں آئے تھے لیکن ان پر لکھنے کھانے کے لیے وقت کہاں سے لاؤں، کوئی ہونہار جونیر تو جو کرے تو بہتر شاید موہوما جائے۔

(۱) ایک عنوان "اردو میں انگریزی الفاظ" ہے کچھ تابع مہمل سا ہے لیکن اس کی فہرست تیار کی جائے تو زیادہ تر قیاسی ہیں ان کے قاعدے ضابطے۔

(۲) دوسرا عنوان اردو کے مُردہ و نیم مُردہ" الفاظ ہو سکتا ہے۔ ایسے لفظ جو استعمال میں تھے مگر دیکھتے دیکھتے متروک ہو گئے، مثلاً "ترداد" "متلاً" "راستگر" "نذر کرنا" "بھرپا" (اصل میں مانگے کے معنی میں) "ترکونا" (خدمتگار کے مفہوم میں) "مُردہ" (لکھنؤ اسی کے معنی میں) "کھٹک" (اب مستعمل صرف کھٹک کا لفظ ہے) "آپس (اپنی یا تمہاری) ذرا سی کوئی الفاظ ایسے مل جائیں گے۔ میم مُردہ سے مراد وہ لفظ ہیں جو اب شاذ و نادر ہی استعمال میں آتے ہیں۔

اس ضمن میں وہ غلط انداز اور ترکیبیں بھی آسکتی ہیں جو عموماً ناقص ترجمہ کی بدولت اردو میں گھس آئی ہیں مثلاً "معافی مانگنا" Apology کا ترجمہ ہر جگہ معذرت سے کرنا، حالانکہ بہت سے موقعوں پر اس کا اردو مفہوم "غلطی پر ندامت" سے ادا ہوتا ہے Misconduct اور Misbehaviour کا ترجمہ ہر جگہ "بدسلوکی" سے کرنا، حالانکہ بہت جگہ صحیح مفہوم "بدچلنی" سے ادا ہو گا، COMMUNALISM کا ترجمہ "فرقہ پرستی" سے کرنا، حالانکہ یہ ترجمہ SECTARIANISM کا ہے۔ کیونکہ ہم کے لیے ہمارے یہاں چلا ہوا لفظ فرقہ موجود ہے Free flight کا ترجمہ "آزاد پرواز" سے کرنا وغیرہ۔

(۳) یہ عنوان تو خالص ادبی و لسانی ہوئے باقی ایک عنوان نیم علمی و ادبی ہے "نذیر احمد کا ترجمہ قرآن۔ اردو ادب کی حیثیت سے" اس پر غور ہی کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر دیکھیے کہ مہلت ملے بھی۔

عزیزی نورالحسن ہاشمی بھی اگر یہ عنوان پڑھ لیں تو بہتر ہے۔

والسلام، دُعاگو و دُعاخواہ،

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲)

ڈاکٹر صاحب کے والد کے انتقال پر مولانا کا تعزیت نامہ۔ اس خط میں مخاطب ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے بھائی شمامت علی مسند یلوی بھی ہیں۔

دریاباد

۲ جنوری ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

میں اگرچہ مرحوم سے واقف نہ تھا لیکن میں ماہ رمضان میں اور اس کے بھی دوسرے عشرے کے شروع میں وفات خود ایک دلیل مغفرت کی ہے، اللہ ہم سب کو رحمت و مغفرت نصیب کرے۔

اولاد کا سن کچھ بھی ہو جائے باپ کا وجود بابرکات ہی رہتا ہے اور اس سائے کا سر سے ہٹ جانا اولاد کو بے سہارا بنا دیتا ہے۔ اللہ آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔

والسلام، دُعاگو:

عبدالماجد

سید عبدالرحمٰن (آگرہ)

دریاباد

۲۷ جون ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

مہربان منّا! وعلیکم السلام

میں اپنے لیے زیر مُوچھیں، دم دار پائنچیں، رنگ خوان میں اعلان نوش جائز نہیں سمجھتا، بنیت وتعین میں جائز سمجھتا ہوں۔

"زیر کان" کی ترکیب عام قاعدہ سے الگ اور مستقل گفتگو کی مقتاح ہے۔ "رنگ و روپ" سے "و" حذف کر کے میں محض رنگ روپ استعمال کرتا ہوں۔ باقی میں کیا اور میری رائے ہی کیا۔

والسلام، دُعاگو:

عبدالماجد

فلاحی ۸ مولانا قدوائی (رڈاکاؤں، بارہ بنکی)

قدوائی صاحب نے باقی آموں کو دو قلمیں بھی تھیں۔ میاں قیم سے مراد مولانا کے ماموں زاد بھائی کے بڑے صاحبزادے اور مولانا کے مخلص کارکن ہیں۔

ردیاباد

۲۶ جولائی ۱۹۶۳ء

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

قلموں کی خبر نے دل باغ باغ کر دیا، جزاک اللہ و احسن اللہ۔ آم کا تحفہ بوں بھی کیا لذیذ اور رسیلا ہوتا ہے جو جانے کہ جب اخلاص کی تہہ میں ڈوبا ہوا ہو۔

سپہ سر کو کار ملا اور شام کو میاں قیم نے قلمیں پہنچا بھی دیں۔ تحفہ چونکہ بے سان و گمان نصیب ہوا اس لیے نعمت غیر مترقبہ کا پورا مصداق۔

دعا گو:

عبدالماجد

حبیب انصاری (ڈھاکہ)

(۱)

مولانا ہفتاد شیر فرنگی محلی کے مبسوط صاحبزادے کے زاتی مکان کی تعمیر پر مبارکباد کا خط۔

ردیاباد

۱۶ اگست ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیز مکرم!

شاعر نے تو "جہاں" سے بے نیاز ہو کر خیر صرف "جان جہان" کی مانگی تھی اور کہہ ڈالا تھا ؎

کہیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے

میں یہ بے نیازی کہاں سے لا سکتا ہوں، مکان کی مبارکباد لیکن کو دیتا ہوں اور خیر لیکن و مکاں دونوں کی "لامکاں" سے مانگتا ہوں۔

والسلام، دعا گو:

عبدالماجد

سلیع نصیر الدین قدوائی (رڈاکاؤں، بارہ بنکی)

(۱)

جھبرالال نامی ایک مستجیر انصاف کی سفارش۔ مکتوب الیہ صلح گانیڈ ریشن کے صدر منتخب ہوئے تھے

مولانا سے قرابت داری بھی تھی۔

ردیاباد

۱۳ ستمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

اس حوزے کے صدر ضلع منتخب ہونے کی خبر ابھی معلوم ہوئی ــــ اخلاص و اخلاق کی شیرینی پر اس رسیل کیٹی کی صدارت کا اضافہ مبارک ہو اور اللہ دنیا و آخرت میں شیریں کام ہی رکھے۔

۱۰ اس خط کے حامل جھبرالال ردیاباد کے قریب ہی کے گاؤں کے رہنے والے ہیں، کہا یہ ہے کہ وہ ایک مدت دراز سے یعنی دس سال سے یہاں کی گنا یونین میں موسمی عہدیدار ہیں اور دوم کے ختم ہونے پر انہیں جواب مل جاتا ہے، آئندہ منتخبین کو موقع انہیں مسلسل ملتا رہا ہے۔ خدا معلوم مکہ میں ملازمت کے تقاضے کیا ہیں۔ بہر حال اگر تقاضہ میں کوئی گنجائش نکلتی ہو تو کیا عجب ہے کہ نعم المولیٰ و نعم النصیر کا ورد کرتے ہوئے وہ اپنی آرزو میں کامیاب ہو جائیں گے۔

والسلام، دعا گو:

عبدالماجد

مولوی محمد ہاشم انصاری فرنگی محلی (لکھنؤ)

مکتوب الیہ کے تحفہ "پنیر" (CHEESE) کے جواب میں۔

ردیاباد

۱۲ نومبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

سبحان اللہ کیا چیز (Cheese) آپ اس نابچیز کے لیے لے آئے۔ جزاک اللہ

والسلام

عبدالماجد

ڈاکٹر طوکت سبزواری (کراچی)

جامع لغت سے اشارہ ترقی اردو بورڈ کراچی کے زیر اہتمام تیار ہونے والے لغت کی طرف ہے اس لغت کی اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، تکمیل تقریباً تیس جلدوں میں ہوگی۔ (اب اس ادارہ کا نام "ادارہ ترقی اردو" ہے)

۱۱ جنوری ۱۹۶۴ء

کرم گستر! السلام علیکم

نقوش "آپ بیتی نمبر" صفحہ ۱۱۵۸ سطر ۸ آپ نے اپنے جس مقالے کا ذکر کیا ہے، وہ کہاں دیکھنے کو ملے گا؟

اُردو کے اس جامع لغت کا کام افسوس ہے کہ اب جا کر شروع ہوا۔ کاش میری ایسی قسمت میں شروع ہوا ہوتا کہ اپنی زندگی میں اس کے دیکھنے کی مسرت حاصل کر سکتا۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

نفیس احمد سبزی نوری (لاہور)

"ندیم" پارسائے مرحوم کے تاریاض خیرآبادی کی طرف اشارہ ہے۔

دریاباد

۱۳ جنوری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

کل نفیس اکیڈمی سے ایک جدید پارسل وصول ہوا۔ کھولا تو ترجمہ نادرالمعنی کی چار جلدوں پر نظر پڑی۔ ابھی کتاب کو کھولا تک نہیں پڑھنے کا کیا ذکر۔ نام ہی سے طبیعت بحال ہو گئی، دل شگفتہ ہو گیا ——— نادل ڈیسی کے بعد زادالمعاد ——— کسبِ دنیا کے بعد توشۂ آخرت، فکرِ معاش کے بعد فکرِ معاد ——— ضم کسے منزل راہ اور کعبہ منزل مقصود۔ ع

رندِ پارسا کا لقب، بگڑ خود ایک رندِ پارسا

مطبوعات ثقافت میں انتظار ان کتابوں کا رہے گا۔

الغزالی، اسلام اور رواداری، ملفوظاتِ رومی، پیغمبرِ انسانیت، اسلام اجتہاد، سیاست نامہ۔

دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

نعمان حسین لیمی (لاہور)

مولانا دریابادی کی قلمی تحریر کے لیے درخواست کے جواب میں۔

دریاباد

۱۶ مئی ۱۹۶۰ء بسم اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مہربان بندہ! السلام علیکم

مجھ سے بدخط سے جس کی بدشکلی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہے، قلمی تحریر کی فرمائش کی خوب ہی۔ یہ آخر آپ کو میری برسوں کی سوجھی کیا!

مومن خاں مومن، نجوم یا چوتکش میں بھی دخل رکھتے تھے، فرماگئے ہیں ؎

ان تعبیروں پر کیا اخترشناس
آسماں بھی کیا ستم ایجاد کیا ہے

اس "قلم خرد" کا حکم دینے کے بعد آپ بھی ستم ظریفی میں آسمان سے کچھ کم نہ رہے!

اب اپنے آئینہ خانہ کو بنائیے یا بگاڑیے اس کی ذمہ داری آپ ہی پر ہے۔ بندے نے تعمیلِ ارشاد کر دی۔

دعاگو و دعاخواہ: عبدالماجد

مولانا عبدالمجید جھنڈے نگری (رام رت گنج ضلع بستی)

آموں کے تحفے کے جواب میں شکریے کا خط۔

دریاباد

۱۱ جولائی ۱۹۶۰ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

آم "ڈھیر کے ڈھیر" آپ کے بھیجے ہوئے کھانے میں اب آئے، جو اک اللہ اتنے میٹھے اور رسیلے کہ حدِ تعریف سے باہر۔ سبحان اللہ! ——— کہیں آپ نے اخلاص کا رس تو ان میں نہیں گھول دیا تھا۔ والسلام دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

مولانا امین احسن اصلاحی (لاہور)

دریاباد ضلع بارہ بنکی

۳۱ اگست ۱۹۶۰ء

برادرِ مکرم اللہ! السلام علیکم

دلی خوشی ہوئی یہ پڑھ کر کہ "میثاق" انشاءاللہ جاری رہے گا اور تفسیر انشاءاللہ کتابی صورت میں شائع ہوگی۔

خدمتِ قرآن کے بیسیوں ڈھنگ ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ مقبول و قابلِ قدر و احترام رہیے

(قشقری اپنی جگہ اور ابن کثیر اپنے مقام پر) آپ کی تفسیر بھی اپنی نوعیت کی منفرد ہے اور یہ سعادت آپ ہی کا حصہ ہے اللہ مبارک کرے۔ رسالہ میں خط و اشاعت اور کتابی صورت میں اشاعت میں بڑا فرق ہے۔

اب اگر اجازت ہو تو اپنے مسن کی بڑائی سے فائدہ اٹھا کر دو باتیں بے تکلف عرض کر دوں۔

(۱) عربی الفاظ کے عمل استعمال اُردو میں اگر بہت جگہ بدل گئے ہیں۔ اس کا خیال اچھے اچھے علماء کو نہیں رہتا حالانکہ اس کا خیال رکھنا لازمی ہے۔ مثلاً ایک لفظ "تاویل" ہے۔ عربی میں بالکل بے عیب، لیکن اردو میں اگر ایک شاعر ذم کا بھی اس میں شامل ہو گیا ہے۔ میں نے اس قول کی تاویل کی ہے کے معنی اردو میں، ہو گے کر میں نے یوں بات بنائی۔"

یہی حال لفظ "کذب" کا ہے، اگر ہر جگہ اس کا ترجمہ جھوٹ کر دیتے ہیں۔ حالانکہ عربی میں اس میں بڑی وسعت ہے اور بارہا محض خلاف واقعہ کے معنی میں آیا ہے۔ جو کسی درجہ میں بھی کوئی اخلاقی جرم نہیں۔

اس فرق کے "فرق" کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے ——— اب آگے لقمان کو حکمت کیا پڑھائیں۔

(۲) دوسری بات اور یاد آ گئی۔ لفظ "بُرکاری" یعنی اردو میں اچھے مفہوم میں نہیں آتا بلکہ عیاری کے مترادف ہے۔ "سادگی و پُرکاری" کی ترکیب جو اس کثرت سے رائج ہو گئی ہے، خواص اہل قلم کے لیے احتیاط کے قابل ہے کہیں کہیں علت کے ساتھ بھی درست ہے۔ لیکن غالبؔ نے بلا علت بھی استعمال کیا ہے ؎

سادہ پُرکار ہیں خوبان غالبؔ ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

(سادہ یعنی سادہ لوح، پُرکار یعنی عیار۔ یعنی ان عیاروں کی سادہ لوحی دیکھو کہ وفا کا یقین ہم جیسے پکے بدنصیبوں کو دلاتے ہیں!)

والسلام

دُعا گو و دُعا خواہ:

محمد الماجد

اپنی تفسیر اُردو کے دوسرے ایڈیشن کی فکر میں عرصے سے مبتلا ہوں، نظر ثانی بڑی تفصیل سے کی ہے۔ اپنی غلطیوں، کوتاہیوں پر نظر کچھ تو خود ہی پڑی اور کچھ دوسروں کے بتانے سے۔ لیکن چھپے کیونکر؟ ۱۰۰۰، ہزار کے چشمہ لگانے کا دم ہندوستان میں اب کس پبلشر میں ہے۔ اور لاہور کا پبلی کیشنز کرنے کی دشواریاں ظاہر ہی ہیں۔ غرض اپنی زندگی میں تو یہ آرزو اور اب کہنا چاہیے کہ زندگی کی سب سے بڑی آرزو) پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔[1]

---

[1] تفسیر ماجدی کی جو اول نظر ثانی شدہ کاپی دس برس قبل بھارت سے شائع ہو گئی تھی، غالباً باقی جلدیں بھی وہیں سے شائع ہو گئی ہوں گی۔ (یہ خط پر شکریہ جناب محمد احسن خان درج کیا جاتا ہے)

ہاں اسالیب قرآن کو بھی کتابی صورت میں لائیے۔

غرائب القرآن پر بھی کوئی اچھی کتاب اردو میں موجود نہیں، اردو میں کیا معنی عربی میں بھی میری نظر سے نہیں گزری۔ بلکہ ری کا مشہور و متداول کتاب مختصر و ناکافی ہے۔

بلٹ آف ریویوز علاوہ (نقش)

نیو سار سیتی — یہ ویدک گرنتھ کی تقریر کردہ کمیٹی ہے جو اردو، ہندی، سنسکرت کی کتابوں پر انعام دیتا ہے۔ اس کے صدر آس زمانے میں ڈاکٹر سپور نانند گورنر راجستھان تھے، لالہ صاحب سے اشارہ انہی کی طرف ہے۔ چار رد و بدل سے راد کمیٹی کے چار مجوزہ ممبروں کی طرف ہے جنہوں نے مولانا صاحب کے مجوزہ کلام "حدیث عمر گریزاں" کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا کہ انعام ہونے کا فیصلہ کیا تھا "باغ و بہار" میر امن کی کتاب کا استعارہ اسی کے لیے لائے۔

دریاباد

۲۴ دسمبر ۱۹۶۳ء

کرم فرمائے یزداں! تسلیم

۱۹ کو کنسٹی ٹیوشن ہاؤس میں پرسار سبھا کی میٹنگ تھی۔ اردو کے لیے صرف چار تھے۔ صدر صاحب (لالہ صاحب راجستھان) بھی وقت پر نہ پہنچ پائے، بیمار ہو گئے۔ جلسہ میں نہ آ سکے۔ صدارت کا بار مجھ دیہاتی کے دوش ناتواں کو اٹھانا پڑا۔ آپ کی "حدیث عمر گریزاں" ہر چار ردیشن کی ٹوٹی کے لیے "باغ و بہار" ثابت ہوئی۔ انعام اوّل پر ہم سب متفق رہے اور اس فیصلے نے شاعر کو نہیں بلکہ فیصلہ کرنے والوں کی عزت میں اضافہ کیا۔

مرکاری اِقلاع خدا معلوم آپ کو کب پہنچے، مبارکباد میں سبقت کرنے کی مسرت سے میں اپنے کو کیوں محروم رکھوں۔

نیاز کیش:

عبدالماجد

ڈاکٹر سید عبدالطیف (مرحوم)

(۱)

پہلے خط میں کتاب پہنچنے سے اشاعت، بالخصوص احوال و امکان کی خبر ہے جسے سید عبدالطیف نے تحریف کیا تھا اور مولانا دریابادی تبصرے کے لیے بھیجی تھی، اور صدق نے اپنی ششماہہ کے شمارہ "صدق جدید" میں تبصرہ کرکے دیا تھا۔ مکتوب الیہ پہلے دو مکتوب کی آمد کے وقت گورنمنٹ ڈگری کالج بہاولپور میں شعبہ اردو سے وابستہ تھے۔ (خطوط پر شکریہ مکتوب الیہ)

دریاباد

۲۲ مارچ ۱۹۶۵ء

برادرِ مکرم ارحمن! وعلیکم السلام

کتاب پہنچ گئی، انشاءاللہ شوق و دلچسپی سے پڑھوں گا اور ایک آدھ مضمون "صدق" میں لکھ بھی مروں گا۔ زیادہ کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔ مروتاً آئی ہوئی کتابوں کا ایک انبار لگا رہتا ہے۔

"قومی زبان" میں اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھنا یاد ہے اور خیال تو یہ بھی آتا ہے کہ اُس وقت ہی کچھ لکھ دیا تھا۔

والسلام

دعاگو و دُعاخواہ:

عبدالماجد

دریاباد

۷ جولائی ۱۹۶۵ء

(۲)

برادرم! وعلیکم السلام

بڑی ہی حیرت ہوئی کہ اس مضمون پر اظہارِ خیال نہ کیسے گیا، ایسا کبھی ہوتا نہیں، خدا معلوم کیا ہوگیا اور حیرت سے بڑھ کر ندامت اور ندامت سے بڑھ کر مذمت واجب ہوگئی۔

"نقوش" کے آخری نمبر میں ذکر عبدالحق پڑھا۔ میں ہوتا تو عنوان رکھتا "عبدالحق بہ زبان عبدالحق" ——— یہ خفائی تو اللہ میاں کی سُنّی تھی کہ حشرِ میں جسم کے ایک ایک ٹکڑے پر تُنے کہ جو ذکر جس کو بھرت پیدا کردیں گے اور نعمت کی مست کردیں گے ——— بندے کے بیے یہ متاعی بھی کچھ کم نہیں کہ اس نے یا کدستی سے صفحۂ ہستی کے صفحۂ مظلم میں تبدیل و تحویل کردیا، مشتِ خاک نے آخر کچھ تو تجی آسمان الطالبین کی نیابت کا ادا ہی کردیا۔ بہرحال

ہزاروں سلام و دعا و سبحان اللہ کہے گئیں۔

بہرحال میں تو تامل آپ کی دیدہ ریزی، دانت، ذوقِ سیر، غرض ایک لفظ میں آپ کی صنعت گری کا ہی ہی گیا۔

والسلام: عبدالماجد

(۳)

مکتوب الیہ نے "صدق جدید" کا کوئی پرانا پرچہ طلب کیا تھا۔

دریاباد

۲۵ اپریل ۱۹۶۶ء

کرم گستر! وعلیکم السلام

میرا پتا دریاباد کا رہتا ہے اور ہر ہفتے صدق کی پیشانی پر چھپا رہتا ہے۔ صدق کا صرف دفتر لکھنؤ میں ہے۔ آپ نے پتے پر لکھنؤ کا، غلط دیدیا گیا اور دفتر کا خط سمجھ کر وہیں پڑا رہا گیا اور جواب بھی لکھ دیا گیا۔ اتفاق ہے وہ پرچہ دفتر میں بھی موجود نہیں۔

میرے پاس وہ خط اب پہنچا اور اس کا فرض رسید ہے۔

والسلام، دعاگو:

عبدالماجد

(۴)

مکتوب الیہ نے بہاولپور جدید کی خیالات انگیز ترتیب اور مقدرت کے ساتھ شائع کیا تھا اور مولانا دریابادی سے اصرار کیا کہ لکھنے کی فرمائش کی تھی، یہ خط اسی فرمائش کا جواب ہے۔

۱۷ اگست ۱۹۶۶ء

مکرم! وعلیکم السلام

"صدق" میں بار بار اپنی مسدود یاں عرض کرچکا ہوں، یہاں تک لکھ چکا ہوں کہ بصارت اب ۷۵، ۸۰ فی صدی رُخصت ہوچکی ہے صرف ۲۰ - ۲۵ فی صدی باقی رہ گئی ہے۔ اپنے ہی کام خدا معلوم کس طرح لشتم پشتم چلے جارہے ہیں، دوسروں کی خدمت کا کیا امکان ——— لیکن آپ کے سے قدردان حضرات، یہ سب سُن اَن سُنی کررہے ہیں، بس اپنی کہے اور فرمائشیں کیے چلے جارہے ہیں۔

فرمائش کرنے والوں کو اگر ظالم دکھوں، تو کیا میں فرمائش کو بھی غیر شعوری یا اضطراری ظلم نہ کہوں؟

والسلام، مغفورخواہ: عبدالماجد

قاضی محمد اظہر مبارک پوری (بمبئی)

(۱)

قاضی صاحب نے اپنی کتاب "رجال السند والہند" تصنیف کے لیے بھیجی تھی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے نیز قاضی صاحب نے ایک مضمون حضرت امام محمد کی "کتاب الآثار" کے تعارف میں بھیجا تھا، اسے لے گمنامیشن نکالنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

بسم اللہ

مؤرخہ ۲۰ جولائی ۱۹۶۸ء

دیوبند۔ ضلع سہارنپور

مکرم گستر! وعلیکم السلام

جناک اللہ! انشاء اللہ گمنامیشن نکلتے ہی وہ تحفۃً موصول ہو جائے گا، بلکہ اگر مزید مفصل معلومات اس سلسلے میں آجائیں تو ان کے لیے بھی گمنامیشن نکالنے کی کوشش ضرور کی جائے گی۔

والسلام، دعاگو:

عبدالماجد

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء

دیوبند۔ ضلع سہارنپور

مکرم! السلام علیکم

آپ کے شہر (بمبئی) میں جو تاج بکڈپو (ایرانی کتابوں کا) ہے، اس کی فہرست میں ایک نام درج ہے "الدعوۃ الاسلامیہ الی اہل السنۃ والامامیہ" دو جلد قیمت ۳۶ روپے مصنف کا نام ندارد۔ آپ کی نظر سے گزری ہے یا آپ کہیں سے اس کے متعلق معلومات فراہم کر سکتے ہیں؟ زیادہ تفصیس کی زحمت نہیں دینا چاہتا، بس غلام رضا صاحب دو چار سطروں میں کافی ہوگا، سیکنڈ ہینڈ مل سکتی تو میں خود منگا لیتا۔

والسلام، دعاگو:

عبدالماجد

(۳)

قاضی صاحب نے "الدعوۃ الاسلامیہ الی اہل السنۃ والامامیہ" تلاش کی لیکن اس دوران میں وہ فروخت ہو چکی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ اکتوبر ۱۹۶۹ء

دیوبند۔ ضلع سہارنپور

مکرم بندہ! السلام علیکم

"الدعوۃ الاسلامیہ" کے متعلق جواب مل گیا، خدا کرے جلد ہی آپ کو اس کے متعلق معلومات حاصل ہو جائیں، ایک اور بات جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کی تصنیفات و مقالات عربی زبان میں کون کون ہیں اور اردو علم و فن سے متعلق اردو زبان میں کون کونسی ہیں، جواب پاکر شکر گزار ہوں گا۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

(۴)

مولانا دریابادی نے کویت کی مطبوعات کے لیے اپنے طور پر کوشش کی تھی وہاں سے جواب آیا کہ اس سلسلے میں قاضی صاحب ہی ہماری کے ذخیرہ خاص ہیں، مولانا نے یہی اطلاع قاضی صاحب کو دی۔

بسم اللہ

۲۰ نومبر ۱۹۶۷ء

مخدوم و معظم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مطبوعاتِ کویت سے اپنے کو مسلسل محروم پاکر میں نے کویت اپنے خاص مخلص کو خط لکھا، کل اس کا جواب آیا کہ میں آپ کے لیے پوری کوشش کروں گا، لیکن ہندوستان کے لیے کتابوں کے ذخیرہ خاص الخاص مبارک پوری ہیں، آپ ان کو لکھیے تو امید ہے کہ تیس جلد ہو جائے"!

مجھے اس جواب کے باصواب ہونے کا پورا یقین تو نہیں، لیکن بہرحال اُمید ہے، جواب نقل کیے دیتا ہوں۔ سنت، تاریخ و تفسیر کی کتابوں کی تلاش خاص طور پر رہتی ہے۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (اعظم گڑھ)

دریاباد

۲۱ اپریل ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

وعلیکم السلام

عنوان میں بمشورہ ڈاکٹر صاحب میٹنگ ضرور ہو، گو شاہ صاحب کا پروگرام معلوم ہو گیا، اب کی "معارف" میں نوٹ کرنے کے قابل کئی باتیں نظر آئیں اور بڑی بات یہ کہ اس کے لیے وقت مل گیا۔

(۱) مناقب الاصفیاء پر بحث خواہ مخواہ، بڑھتی جاری ہے، موضوع سے دلچسپی رکھنے والا گروہ بہت ہی محدود ہوگا۔

(۲) صفحہ ۲۲۵ شروع کی سطر ۳ اعراف اس معنی میں اردو کے لیے بالکل نامانوس ہے، عرف ہی رسم کا کام دیتا ہے۔

(۳) املا بہت سی جگہ اس طرح کا نظر آیا۔ کیسے لیے کیجاتی ہے، حکر، لیکر، یہ سب بدلنے کے قابل ہے۔

(۴) صفحہ ۲۴۰ خارفرمائی غلط موقع پر استعمال ہوا ہے۔

"وہ رند بلانوش بھی تھے اور زاہد باصفا بھی" اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں تھیں اور آخر وقت تک رہیں، اسے یوں کھا جا سکتا ہے "اگرچہ اب ان کا شمار زاہدانِ باصفا میں تھا لیکن کبھی رند بلانوش بھی رہ چکے تھے" اس کے بعد والا فقرہ بھی ایسا ہی ہے۔

یہ خط ہرایی نہیں صرف اطلاعی ہے۔

والسلام

دعاگو: عبد الماجد

حبیب الصدیقی (الٰہ آباد)

مولانا آزاد سے مراد مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔

دریاباد

۱۴ فروری ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

مخلص نوازا!

وعلیکم السلام

"میرانیکی" کا لفظ مجھے تو نہ کسی اردو لغت میں ملا نہ کسی ادیب کی تحریر میں، ہاں بعض عوام کو برتتے سنا ہے۔ مولانا آزاد نے اگر استعمال کیا تو بے خیالی میں ہی کر گئے ہوں گے، بڑے سے بڑے ادیب سے بھی بے التفاتی اور بے توجہی ہو ہی جاتی ہے۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبد الماجد

شاہ غلام حسنین (پھلواری شریف)

(۱)

۱۵ فروری ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادر محترم! وعلیکم السلام

آپ کا ایک فتویٰ دربارۂ طلاق کسی رسالہ میں نظر سے گزرا تھا، وہ اس درجہ پسند آیا کہ رسالہ سے وہ ورق کاٹ کر اپنے فقہی لفافہ میں محفوظ کر لیا۔ ماشاء اللہ وجزاک اللہ

مکتوب گرامی بھی اُسی ٹکسال کا نکلا، میرے خیالات کا ہو بہو عکس و نقش۔ انشاء اللہ پورا مکتوب مع تصدیق "کے تائیدی نوٹ کے نکل جائے گا۔ البتہ ہر پرچہ بہت قبل سے تیار کرنا ہوتا ہے اس لیے فوری اشاعت ممکن نہیں ہوتی تاخیر ہو ہی جاتی ہے۔ نمبر ۹ مرتب ہو کر کل جا چکا، اب یہ کہیں نمبر ۱۰ میں ہی نکل سکے گا۔

گھر میں علیل بہت زیادہ رہنے لگی ہیں صحیح میں حالت غیر تاک ہو جایا کرتی ہے۔ دعائی کا مستدعی ہوں۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبد الماجد

(۲)

مکتوب الیہ نے "شمس المعارف" کا تحفہ بھیجا تھا۔ "سلیمان" سے مراد مکتوب الیہ کے والد مولانا شاہ سلیمان پھلواری ہیں۔

دریاباد

۱۴ جنوری ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

(۱) تحفہ شمس المعارف پہنچا۔ سُبحان اللہ

(۲) جلوۂ سلیمان نظروں میں پھر گیا۔ ماشاء اللہ

(۳) "صدق" میں چند سطریں نکلم ہی نکلیں گی۔ انشاء اللہ

(۴) والا نامہ پہنچا۔ بارک اللہ

(۵) خوشخبری خیریت بھی دریافت ہو گئی۔ الحمد للہ

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبد الماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرحت انوار صاحبہ (کراچی)

دریاباد

۲۰ مارچ ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! وعلیکم السلام

ہرم گسنگ وغیرہ میں کامیابی خوب رہی۔ اللہ ہر طرح سے مبارک کرے۔

فطرت کی اس شاعری پر دل کھول کر داد دینے کو جی چاہتا ہے جو خود ہی دائم المرض ہو اور بیماروں میں غرقا اس کو تیمارداری میں برق بنا دیا! ہائے مومن ؎

ان نعمتوں پہ کیا اختر شناس آسماں بھی کیا ستم ایجاد ہے

ہر بیمار اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ اس تیمارداری کے طفیل میں اب خود تیماردار کی بیماری کھود ے اور اسے بیمار سے تندرست و توانا بنا دے۔ "صدق" اگر کبھی یہ خود پڑھ تا تو لکھتا کہ ایک خاتون کی بہت مردانے بیس بیس جوان مردوں کے چھکے چھڑا دیے۔ مریم زمانی کہنا گستاخی ہو تو کہہ مریم کہنے میں شک کی گنجائش نہیں۔

جی ڈاکٹر صاحب نے یہ کہا کہ مرض اصوت فلاں بیماری ہوگی انہوں نے زنبر احمدی زبانوں میں ہو جھک ماری۔ موت کا حال کون بندہ جان سکتا ہے۔ ڈاکٹری رسائی تو بس محض کہ زندگی و تندرستی کا سوال اس سے بالکل الگ ہے

دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

نامعلوم

۱۲ جون ۱۹۶۷ء دریاباد ضلع بارہ بنکی

گرم گستر! وعلیکم السلام

ہدیۂ گرامی موصول ہو گیا۔ جزاک اللہ۔

تیل اور سرمہ کا عطیہ سر آنکھوں پر۔

شافی برحق ساری دواؤں میں شفا بخشے۔ والسلام

دعاگو و دعاخواہ: عبدالماجد

عبدالصمد (سہسوان ضلع بدایوں)

دریاباد

۴ جولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

مہربان بندہ! وعلیکم السلام

محاورہ واقعی سر پر احسان گرنے کا ہے۔ دل پر احسان خلافِ محاورہ ہے، البتہ میں اسے خلافِ محاورہ قرار دوں گا صرف غیر فصیح کہوں گا۔

والسلام، دعاگو:

عبدالماجد

غلام السیدین (دہلی)

سیدین مرحوم کے والد غلام ابو غلام الثقلین لکھنؤ سے "عصرِ جدید" نکالتے تھے۔ اس خویش ان کے بڑے بھائی غلام الحسنین (سیدین کے بڑے چچا) اور چھوٹے بھائی غلام السبطین (سیدین کے چھوٹے چچا) کا ذکر بھی آیا ہے۔ آئی۔ ڈی۔ پی۔ محقق ہے انٹرنیشنل ٹیلیگراف کا، مرحوم بارہ مرد آباد کی حکمت خانوادہ غلام الثقلین مرحوم شیعہ سُنی اتحاد کے زبردست مبلغ تھے اور شیعہ کانفرنس کے نوسے شدید اختلاف رکھتے ہوئے کانفرنس سے نکل آئے۔ مولانا دریابادی کا اشارہ ان کی سیرت کے اسی خوبی کی طرف ہے۔

دریاباد

۸ جولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

عزیزہ مکرم! وعلیکم السلام

شاعرِ نوعِ شناس کی داد پر پھولا نہیں سماتا۔ اس بے مہر کر ایک ہنر شناس کی داد تحسین پر اٹھی اور فرزندگی ہی ہوئی۔ اللہ نے کس غضب کا تحسینِ نظر بعض دلوں اور دماغوں میں رکھ دیا ہے۔

آپ کو علم نہیں اپنی زندگی کے ایک دور میں آپ کے والد ماجد کا علم مرید رہ چکا ہوں بستا پور ہائی اسکول میں پڑھتا تھا تو آٹھویں درجے میں، اور وہ لکھنؤ میں پریکٹس کیا کرتے تھے "عصرِ جدید" بھی نکالتے تھے۔ خاص انہی کی زیارت کے لیے سفر لکھنؤ کیا، بعد کو تو اس افراد و غلو میں اعتدال پیدا ہو گیا پھر بھی خاصی گہری عقیدت ان کے دم آخر تک رہی اور جب ان کی وفات کی خبر اچانک لکھنؤ کے انگریزی روزنامہ T.O.I. سے معلوم ہوئی تو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی بزرگ خاندان ڈنر یز اٹھ گیا ——— تو اس

رشتے سے تو آپ میرے محترم زادے، پیر زادے، مخدوم زادے ہوئے۔

۱۹۱۴ء میں میری عقلیت RATIONALISM اور لادینیت کا دور شباب تھا اُس وقت مرحوم کی کوئی خدمت دعا و ایصالِ ثواب سے نہ کر سکا۔ آپ کے بڑے بچا کی تحریروں کا بھی بڑا مداح اور شیدائی رہا، بھرپور کی آخر عمر میں ملی گڑھ میں ان سے نیاز حاصل رہا۔ کوٹ کی مبری کے سلسلے میں آپ کے چھوٹے بچا سے بھی دلی میں ملاقات رہی جب وہ ہندوستانی وزارت میں تھے۔

پچھلے دنوں سُنا تھا کہ آپ شیعہ کانفرنس کے صدر ہو رہے ہیں بڑا اشتیاق رہا آپ کے خطبۂ صدارت دیکھنے کا۔ اور حافظہ کے سامنے ۶۰ سال قبل کا منظر آگیا جب اس شیعہ کانفرنس سے آپ کے والد کو باہر نکل آنا پڑا تھا۔ ابھی کئی دن ہوئے آپ کا "سفرِ ارتقاء" نظر سے گذرا، ماشاء اللہ کچھ اور بھی لکھتا مگر وہ بات "حسن تمام" کی یاد پر ختم ہو گئی۔

دُعا گو،
والسلام،
عبدالماجد

مکرمہ نیر (بنارس)

نیر صاحب نے بنارس ہندو یونیورسٹی میں اردو فارسی کے عہدہ انصرام کی تفصیلی تحریر کی تھی بھلانا ان کے خط کو "صدقِ جدید" میں چھاپنا چاہتے تھے۔

دریاباد
۱۲ ستمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

بندہ نواز! تسلیم

آپ تو بڑی چیز نکلے ——— زندہ باشن!

اتنے بہتر اتنے مقفل! اتنے جان دار بلکہ جان بخش خط کی تو میں توقع ہی نہیں کر سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ خیال کیے ہوئے تھا کہ چند سطری خانہ پُری کا جواب آجائے گا۔ اس کا بیشتر حصہ چھپنے کے قابل ہے۔

بہت ہی نوشگوار تفصیلیں اس شاہراہ نیر سے روشن ہو جائیں گی۔

آپ اجازت دیتے ہیں نہ؟ اگر روکا ہو تو لکھ دیجیے گا۔ ورنہ آپ کی خاموشی کو نیم رضا نہیں بلکہ کامل رضا سمجھوں گا۔

نیازکیش،
عبدالماجد

مرزا جمیل احمد بیگ (حیدرآباد دکن) (۱)

دریاباد
۴ ستمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

(۱) مشکور بمعنی ممنون اصلاً یعنی عربی قاعدے سے غلط ہے لیکن اردو میں کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے۔ اور عوام ہی نہیں یعنی خواص بھی یہی بولنے اور لکھنے لگے ہیں اس لیے زبان سنجی اب صحیح نہیں، خاص کر جب اس کا عطف ممنون کے ساتھ ہو۔

اصلاً صحیح لفظ شاکر یا متشکر ہے اور عربی اور میں شکر گزار۔

(۲) جی نہیں، صحیح املا اقلیت ہی ہے بر تشدید۔

جی ہاں افسوس ہے کہ لکھنؤ آپ کی راہ میں نہیں پڑتا ورنہ ہو تا ہرگز نہیں آپ نے لکھی تھیں وہ زمانہ میرے قیام لکھنؤ کا ہے اگر مٹھوی ادھر سے گورتی بھی ہوتی تو آنے کی صورت ہی نہ تھی، انٹرویشن ہی اگر آپ سے مل لیتا۔

دُعا گو و دُعا خواہ،
والسلام
عبدالماجد

(۲)

دریاباد
۸ نومبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیز مکرم! وعلیکم السلام

سوال کے جواب میں گوارش ہے کہ میرے محدود علم میں مشکور اس موقع پر عربی قاعدہ سے صحیح نہیں لیکن اردو میں اس کثرت سے استعمال ہو گیا ہے کہ اب اسے غلط کہنا بھی آسان نہیں رہا۔

بہر حال خلاف احتیاط ضرور ہے، میں اس موقع پر متشکر گزار لکھا کرتا ہوں۔

اور اگر کوئی "مشکور" کا عطف ممنون کے ساتھ دے اٹھے اب چونکہ غلط تو ہی باقی نہیں رہتی اس لیے اس کے لیے بھی گنجایش نکل سکتی ہے لُغت سے مقدم الی زبان کا دوزمرہ محاورہ ہے۔

ہاں عرب یا ایا "شاکر" اور "شکر گزار" کا متبادل و مترادف ایک لفظ "متشکر" بھی ہے۔

والسلام، ہمچشمداں،
عبدالماجد

(۳)

دریاباد
۳۰ جنوری ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

کل صبح آپ کے بھائی صاحب کے سلسلے میں عیادت نامہ بھیج چکا تھا کہ شام کی ڈاک سے وہ خط ملا جس نے تعزیت نامہ کو واجب کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بھائی کی چوٹ بھی بڑی سخت چوٹ ہوتی ہے اس کا ذاتی تجربہ بھی رکھتا ہوں۔ ہر مسلمان کی موت یوں بھی مبارک ہوتی ہے۔ پھر جائیگان کے آخر وقت کے حالات جو آپ نے لکھے ہیں، اللہ بال بال رحمت فرمائے۔ درد کا مرض مشاہد سکرات ہوتا ہے۔ کتنے گناہ اسی موذی مرض سے دھل گئے ہوں گے میرے مرحوم بھائی کو بھی یہی مرض عمر بھر رہا تھا۔

والسلام، دعاگو:
عبدالماجد

شفاء الملک حکیم عبداللطیف (لکھنؤ) (۱)

حکیم صاحب کے بڑے بھائی حکیم عبدالمجید کے انتقال پر مکتوب تعزیت۔ حکیم صاحب مرحوم نے والد کے انتقال کے بعد شفاء الملک کی مثل اولاد کے پرورش کی تھی اور تعلیم و تربیت کی نگہداشت کی تھی۔

طبیب ان طبیب کہ مراجعت وطن حقیقی پر ہدیۂ تعزیت قبول ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جو خدمت خلق کرتے کرتے بڑھاپے کو پہنچ گیا وہ بالآخر اس شانِ برحق کے دربار میں پہنچ گیا جہاں آگے پیچھے ہم سب ہی پہنچ رہے ہیں۔

موئے سفید بیٹ کا مرض اور عشرہ مبارک ذی الحجہ، بے شمار بیماروں کی دعائیں سب کی سب شافع برحق کی نیابت میں ارحم الراحمین کی بلیغ رحمت کو موجود فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کا مژدہ کانوں تک کب کا پہنچ چکا ہوگا۔

بھائی کا رشتہ خود کیا کم ہوتا ہے اور آپ کے حق میں تو وہ مرحوم بمنزلہ والد کے تھے۔ لیکن غم و صدمہ جتنا بھی ہو بجا ہے۔

والسلام، دعاگو:
عبدالماجد

دریاباد (۲)
یکم اپریل ۱۹۶۸ء
بسم اللہ
محترم گستر! السلام علیکم

"العلم" کراچی والے سید لطاف علی کا عیادت نامہ آیا۔ خط کے آخر میں لکھتے ہیں "آپ کے معالج حکیم عبداللطیف سے مجھے بھی نیازمندی حاصل تھی میرا اسلام قبول فرمائیں وہ فرد رہے اپنے کمالاتِ لطیف کا

پھر زندہ آپ کے علاج میں صرف فرمائیں گے۔

جواب میں، میں کہہ بھیجوں گا کہ فی لطیفہ پر فخر اگر "الطاف" کی بھی نہ پڑے گی تو کمی نہ پڑے گی۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:
عبدالماجد

وقائع نویسی دولت (۱)

دریاباد
۱۲ اپریل ۱۹۶۸ء

برادرم! وعلیکم السلام

شاعر تو جہاں تک کہہ گیا ہے کہ

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا

اور "کاشانۂ دنیا" تو شاعروں کی دنیا میں چلنے اور برباد ہونے کے لیے تعمیر ہوتا ہے۔ خیر ہم سوختہ دل یہاں تک تو نہیں جاسکتے بلکہ خیر کہیں دکان دوں کی مناتے رہتے ہیں۔

تاہم اس پر تو شکر ہی بھیجے کرتی چاہتا ہے کہ جانیں محفوظ رہیں اور مکان کا بھی ایک حصہ اور مذہب کی یہ آواز کان میں اگر نہ سکین دے جاتی ہے کہ کسی نہیں تعمیر سے جو بھی مصیبت آئے اس سے بندے کے گناہ مٹتے اور مرتبے بلند ہوتے رہتے ہیں۔

والسلام، دعاگو:
عبدالماجد

دریاباد (۲)
۱۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
بسم اللہ
مکرم بندہ! السلام علیکم

آپ کا تازہ رسالہ دو ایک دن سے آیا ہوا تھا آج اتفاق سے پہلے صفحہ پر نظر پڑ گئی۔ رفیق زندگی کی جدائی خود ہی کیا کم موت ہے، کہنا چاہیے کہ یہ تو ام الصدمات ہے چہ جائیکہ اور بھی قریب کے عزیز ایک ایک کر کے اٹھ جائیں اور دوسرے مصائب کا بھی اجتماع ہو جائے۔ اللہ ہی آپ کے دل کو سنبھالے رکھے۔

موت کے لیے تو ہر شخص موت محض مہر بہ صورت قہر ہوتی ہے، ہر ایک کا ابدا اجر موعود ہے دنیا

کی راہنمائی، اور نئی کا کوئی مقابلہ ہی ابدی راستوں اور قوتوں سے نہیں اور یہ اخلاری مجاہدے جو کرائے جاتے ہیں سب اسی جنت کے لیے ہیں جو بہر کیف گی منزل مقصود ہے۔

اللہ ہم کو آپ کو سب کو اس گہری حقیقت کا تحقیقی احساس عطا کرے، اس کے بعد ہر تلخی انشاء اللہ شیریں بن کر رہے گی۔

والسلام، دعاگو:

عبد الماجد

سید اولاد علی بریلوی (کراچی)

عبد الحمید قریشی سید اولاد علی ٹرسٹ نیز مکتبہ کے سابق صدر نشین ریاضی کی طرح ہے۔ مولانا دریابادی علیل تھے اور لکھنؤ میں حکیم اور شفاء الملک حکیم عبد اللطیف کے زیر علاج تھے۔ مولا کی آخری ملنوں میں اشارہ اسی طرف ہے۔

لکھنؤ

۲۰ اپریل ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

۔ آپ کے پرزور عبد الحمید صاحب قریشی تو بڑے پیچھے پڑ گئے اور آپ نے انہیں خوب ڈھونڈ کر نکالا۔ تھوڑی بہت نیاز مندی مجھے بھی ان سے حاصل تھی اور اسی واقفیت کی بنا پر انہیں ایک مرد مسلمان اور علیگڑھ کا حاشق اور بڑا مخلص کارکن سمجھے ہوئے تھا۔ ان کی ادبیت کے جوہر تو آج پہلی بار کھلے۔

"العلم" کے تازہ نمبر نے تو انہیں دنیائے تر دشناس ایک ادیب اور ایک مشاق اہل قلم کی حیثیت سے کر دیا اور اس انکشاف کا سہرا "العلم" کے "الطاف" کے سر رہا۔ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں اور فارسی شعر و ادب سے تو ان کے اس ذوق لطیف کا میں ایک ریاضی دان سے تعصدی نہیں کر سکتا تھا، اللہ انہیں عمر نوح عطا کرے اور آپ اسی طرح ان سے خزانے اگلواتے رہیں۔

ضمناً ایک بات میرے کام کی ان کے ہاں خوب مل گئی یعنی سید بدر الرحمٰن کا ٹوٹا پھوٹا پتا۔ اسکول کے زمانے کے ساتھیوں اور مخلصوں میں تھے۔ اب تو ان کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکا تھا، ۶۰، ۶۵ سال بعد آپ نے یہ خوشخبری سنائی۔

آپ کا ادارتی تحریر خاصا دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ مرور زمانہ تو تاریخ، ادب، فلسفہ، سائنس سب ہی علوم کا جوہر ہے۔

یہ خط ختم ہو چکا تھا کہ عیادت نامہ پر نظر پڑی۔ بڑی جزاک اللہ، اب تو کچھ اور مہلت زندگی کی مل گئی۔ حکیم صاحب سے "فن لطیف" پر خط آئے، الطاف کی خبر ملے گی تو اور کس کی بڑے گی ان کو بھی اس کی اطلاع کرا دوں گا۔

والسلام، دعاگو:

عبد الماجد

مولانا شاہ مرادی الحق چشتی شہری (دار الاسلام)

دریابادی

۲۰ مئی ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

وہ گمشدہ کارڈ بحمد اللہ مل گیا اور میری تجاہل بڑی حد تک دور ہو گئی۔ میز ہی پر نکلا اور دوسرے خطوط و کاغذات میں دب گیا تھا۔

پانچوں رباعیاں از سر نو پڑھ لیں۔ ماشاء اللہ و سبحان اللہ گویا قفل ابجد کی کلید! ایسے شاعر کا خود اپنے کو ابجد خواں سمجھنا خود ایک شاعری ہے۔ کاش ایسے ابجد خواں بہت سے ہوتے۔ تیسری رباعی کا کیا کہنا آنکھیں روشن کر دیں۔

یہ شعر فرد جاری رکھیے، بہت سی ہو جائیں تو مجموعہ انشاء اللہ بہت کارآمد نکلے گا، اور حضرت سراج کا چراغ بعض پرانے رباعی گویوں کی طرح مدفون انشاء اللہ روشن رہے گا۔

والسلام، دعاگو و دعا خواہ:

عبد الماجد

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا (سہارنپور)

لکھنؤ

۷ ستمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

حضرت والا! السلام علیکم

مدینہ منورہ کا تیسرا سفر ہے ہی کہ اگر قدیل قدر تقاضہ جا پہنچے شیخ الحدیث کے واسطہ کرم سے ادھر کھجوروں کی حلاوت اور مٹھاس ادھر آنجناب کا جذبۂ اخلاص، اب سراپا سپاس بن کر رہ جاؤں تو

اور کیا ہو!

سرزمین بجانے مادی تحائف میں بھی دو بہترین نعمتیں ہیں، نمبر ۱ دل پر آبِ زمزم اور پھر بھی خمائے محترم۔

بہرحال یہ تبرک پا کر دل باغ باغ ہو گیا اور زبان ہی سے نہیں کہنا چاہیے کہ روئیں روئیں سے آپ کے حق میں دُعائے خیر نکلی۔

والسلام، دُعاگو و دعا خواہ:

عبدالماجد

ڈاکٹر اسرار احمد (لاہور)

دریاباد

۱۱ نومبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

صاحب من! السلام علیکم

"میثاق" بابت نومبر پیش نظر ہے صـ ۱۴

تحسین ناشناس کا ڈر نہ ہوتا تو دل نے بے اختیار یہ صلاح دی کہ اس ساری عبارت پر ایک خوب بڑا سا حاشیہ کھینچ کر بھی دیجیے۔ سبحان اللہ و ماشاء اللہ

دل نے یہ جانا کہ یہ سب کچھ بھی میرے دل میں تھا[1]

حیرت ہوتی کہ شبلی، فراہی، ابوالکلام تینوں کی نیاضی تجدید زمان و تجدید مکان دونوں کے باوجود اتنی صحیح کیونکر ہو گئی۔

در حیرتم کہ بادہ فروشی از کجا شنید

ڈاکٹر رفیع الدین کا بھی مقالہ اس نمبر میں بڑا قابلِ داد ہے۔

والسلام، دُعاگو و دعا خواہ:

عبدالماجد

---

[1] پورا شعر اور مصرع کے صحیح الفاظ ہیں:۔

دیکھنا تقدیر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

شیق احمد (گورکھپور)

دریاباد

۱۴ فروری ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

"فضائل الآیات" کے فضائل و خیرات پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانا، بات سورج کی طرح روشن ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

جس کو جو کچھ ملا ہے انہیں سے ملا ہے۔

مبارک ہیں وہ جنہیں اس کی خدمت کی بھی توفیق ہو جائے۔ والسلام

عبدالماجد

خیار حسین (ایڈیٹر آبشار دہلی)

ماہنامہ "آج کل" دہلی میں شائع ہوا تھا کہ حکم کے خود نوشت حالات کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ مولانا دریابادی کی خود نوشت "داستانِ حیات" اسی سلسلے میں طلب کی گئی تھی۔

دریاباد

۶ مئی ۱۹۶۷ء

مکرم نیاز کیشاں! وعلیکم السلام

حکم نامہ پہنچا حیرت ہی ہو گئی۔ ایک بے کمال یکسے بالکلوں کی بزم میں قدم رکھے اور اپنی "داستانِ حیات" "ہنرمندوں کو سنائے۔

لیکن بہرحال فرمایش ایک "شہباز" کی زبان سے ہوئی ہے "کنجشک" غریب میں یہ تاب و تمنائی کہاں کہ سرتابی کرے۔ انشاء اللہ تعمیل جوں توں ہو کر رہے گی۔ ہفتہ عشرہ کی مدت ہیں۔

والسلام

دُعاگو و دُعا خواہ:

عبدالماجد

فند کشور کرم (نائب مدیر "آہنگ" دہلی)

خیاز حسین ایڈیٹر "آہنگ" نے مولانا کے خوراشت حالات کے لیے جو درخواست کی تھی مولانا نے اسے قبول کر لیا تھا اور قبول ارشاد کر دی تھی اب حالات کے ساتھ صاحب حالات کی تصویر چھاپنے کے لیے تصویر کی فرمائش کی تھی، مولانا نے تصویر کی فراہمی سے معذرت کر لی۔

دریاباد

۲۵ جون ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

مہربان بندہ! آداب و تسلیمات

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکو نامی فرہاد نہیں

اس نشہیر اور خود نمائی کی فرمائش مجھ زشت رو سے! جیسے آئینہ میں بھی اپنا عکس دیکھنا گوارا نہیں۔ حیران ہوں کہ تعمیل سے معذرت کن الفاظ میں پیش کروں۔

دعاگو و دعا خواہ:

عبد الماجد

مہذب لکھنوی (لکھنؤ)

(۱)

لکھنؤ

۱۷ اکتوبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

کرم گستر! تسلیم

(۱) لکھنؤ کے عوام کی زبان سے بارہا یہ محاورہ سننے میں آیا کہ "وہ مجھ سے بھی چار جوتے آگے ہے" چار جوتے بجائے چار قدم چار ہاتھ کے۔ آپ کے لغت میں جوتے کا یہ تصرف دیکھنے میں آیا۔

(۲) "چیل چھپاٹہ" دکانداروں کی زبان ہے مجھے دان یا موشن دان ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔

(۳) سینٹ پیٹرز ہائی اسکول میں میرے عزیز کے آستاد ایک لکھنوی سید حسین نامی تھے آن کی زبان پر ۱۲۰۱ کا تلفظ برابر گیارہاں دونوں کو نہ کے ساتھ رہا کرتا تھا، شاید لکھنؤ کے بعض محلوں کا لہجہ ہی ہو جیسا کہ دہلی کے بعض طبقات یا بعض محلوں کا ہے۔

والسلام، دعاگو:

عبد الماجد

دریاباد

(۲)

۱۶ دسمبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

مرزا رسوا کے املاؤ جان ادا کے ص۲۳ کے شروع میں "سلام" خوشت چھپا ہے "لوگ نہیں جھک کر سلام میں کرتے تھے" (مطبوعہ ہمدم برقی پریس) دوسرے ایڈیشنوں میں بھی یہی فقرہ موجود ہے۔

تو کیا کوئی قول "سلام" کی تائید کا بھی ہے یا یہ محض سہو کتابت ہے۔ خدا کرے آپ ہر طرح بہت ہوں۔

والسلام

عبد الماجد

مدیر فضل (ایڈیٹر "نقوش" لاہور)

دریاباد

۲۸ دسمبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

عنایت نامہ کچھ روز ہوئے مل گیا تھا جواب دینا تو کچھ ذہن سے اتر گیا اور کچھ اس سوچ میں رہ گیا کہ آخر لکھوں تو کیا لکھوں۔

کوئی دو برس ہو گئے کہ نہ آپ کی طرف سے کچھ چھپا ہوا پرزہ کوئی اخبار رسالہ یا کتاب بھیجی ہے اور نہ ادھر سے اُدھر۔

ع جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

ایک آدھ صاحب نے ہمت کر کے اپنی ٹاک کا بل اور لندن سے روانہ کرائی وہ تو ابتہ مل گئی، ظاہر ہے کہ اتنی ہمت ہر ایک کہاں سے لا سکتا ہے۔

اب بظاہر زندگی بھر ملاقات کی کیا صورت۔

رشید صدیقی سے ملاقات مدتوں کے بعد ہوئی، بیچارے آنکھوں کی شکایت میں مجھ سے بڑھ کر مبتلا، میں نے شاید ان سے کبھی ہم چشمی کا دعویٰ کیا ہو قدرت نے بھی ہم نمائی میری کر دی۔

دل اس کی داد آپ کے سے معبر سے چاہتا ہے!

لاہور کے بہت سے دوست احباب زندہ و مرحوم یاد آتے ہیں خصوصاً میں جعفری مرحوم

والسلام، دعاگو و دعا خواہ:

عبدالماجد

عبداللہ (شاہ گنج، جونپور)

دریاباد

۴ نومبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! وعلیکم السلام

(۱) "میں لکھنے جا رہا ہوں" فقرہ صحیح ہے، پرانے ادیبوں کے ہاں یہ ترکیب بہ معنی اب بھی رائج ہے "جانا" ایک معنی "ارادہ کرنا، آمادہ ہونا، سامان مہیا کرنا" سب اردو میں داخل ہو گئے ہیں۔

(۲) "مشکور" شاکر کے معنی میں یہ قاعدۂ عربی غلط ہے۔ لیکن اردو میں عوام ہی نہیں خواص کی زبان پر بھی کثرت سے آنے لگا ہے۔ اب اسے اردو میں غلط کہنا مشکل ہو گیا ہے، میں خود اسے لکھتا ہوں اور اس کے بجائے "ممنون" یا "شکر گزار" لکھ دیتا ہوں۔

سب قاعدوں سے مقدم اہل زبان کا استعمال، محاورہ و روزمرہ ہے۔

والسلام

عبدالماجد

سید طفیل الاسلام ندوی (علی گڑھ)

دریاباد

۱۴ دسمبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

"انجب" تو رادو لغت سے آیا ہے جس زمانہ سے بھی ہو بہت سے اردو ہی لغت میں دیکھنا تھا عربی میں بعض الفاظ ایسے بھی زبان میں ہوتے ہیں جو عوام یا خواص کے کسی بہت محدود طبقہ کے اندر رہتے ہیں، عام استعمال میں نہیں آتے اور اسی لیے لغت تک بار نہیں پاتے۔

"انجب" بھی اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے، ما یا نہ تو ہے ہی ساتھ بہت قلیل الاستعمال اور صرف اپنے معنی میں رہیے "ذات شریف، شریف کے معنی میں" بڑے مغفرت ہیں" شریف النفس کے معنی میں بخار دراں ہے کم تعیس سمجھا ہوا ہے۔

شاید تجربہ کی زبان میں "انجب" کہیں بھی استعمال نہیں ہوتا ہے اس لیے اہل لغت کے چوک گئی۔

کتاب محمد وکی صاحب کی پہنچ گئی انشاء اللہ گنجائش نکلتے ہی تعارف "صدق" میں آجائے گا۔

والسلام، دعاگو:

عبدالماجد

سید علی صدیقی (ریڈیو "قومی آواز" لکھنؤ) (۱)

صدیقی صاحب کے والد ماجد کے انتقال پر بہ تعزیت نامہ تحریر فرمایا۔

دریاباد

۱۶ فروری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

سفر میں تھا، دریاباد پہنچ کر ۴ بجے کا "قومی آواز" نظر سے گزرا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم کے لیے میں دعائے مغفرت کر دی۔ والدین کی نعمت تو ایسی دولت ہے جس کا نعم البدل کیا محض بدل بھی ممکن نہیں۔ اور اولاد کا بس کچھ بھی ہو جائے آن کے دم تک وہ لڑکا ہی رہتا ہے اور بیسیوں سالوں سے آزاد۔

اللہ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور آپ لوگوں کو توفیق صبر دے۔

والسلام، دعاگو و دعا خواہ:

عبدالماجد

(۲)

دریاباد

۴ جون ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

"قرنِ آفاق" ۳۰ جون ۵۷ء کے ۲ نصف زیریں۔

"ممکن ہو سکے گی"!

ترکیب غلط ہے۔ "ممکن" اور "سکنا" ساتھ نہیں آسکتا۔ یا تو "ممکن ہوگی" لکھیے یا صرف "ہو سکے گی"!

والسلام

عبدالماجد

(۳)

لکھنؤ

۱۶ اپریل ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

خدا کرے اب شفائے کامل ہوگئی ہو۔ حکیم عبدالقوی سے حادثے کا حال سخت افسوس کے ساتھ سنا بعد کو فاتحہ بھی معلوم ہوگیا فاتحہ کرے اب بالکل ہی صحت ہو۔

آپ کے اخبار میں ایک تکلیف دہ اور غلط لفظ برابر لکھا جا رہا ہے "جسم فروشی" لفظ اس لحاظ سے کہ عورت اپنا جسم نہیں بیچتی ہے جسم کا صرف ایک محدود حصہ عصمت بیچتی ہے اور صحیح نام اس کے لیے عصمت فروشی ہر لغت میں موجود ہے۔

دوسرا غلط ایسا ہی لفظ "بدسلوکی" آپ کے یہاں چلا ہوا ہے Misdemeanour کے معنی ہو صحیح ایک بالکل دوسرے موقع کے لیے اس خاص معنی کے لیے اردو میں ایک نہیں متعدد لفظ پڑے ہوئے ہیں "سنہ کالا کرنا"، "گلچھرے اڑانا"، "بدکاری"، "آوارہ گردی"، "بدفعلی"۔

سائنس بورڈوں میں اب تک اردو کا مگہ نہ ملی، نہ تو صوبہ کا نخریلس کمیٹی کے دفتر نہ ضلع کانگریس کمیٹیوں کے دفتر میں لکھنؤ سٹی کمیٹی کو مستثنیٰ کرکے۔

والسلام

عبدالماجد

(۴)

دریاباد

۷ جولائی ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

مکرمی! وعلیکم السلام

Monosexuality کا تجربہ آپ کے ہاں[1] ہم جنسی یا ہم جنسیت بالکل غلط شروع

[1] مراد قرنِ آفاق ہے۔

ہوگیا ہے۔ ہم جنس Homo کے معنی میں سرے سے ہے ہی نہیں ہیں تمام تر نوع کے مفہوم میں ہے۔ عزیز کے پہلے ہوئے لفظ اغلام یا لواطت یا پھر یونانی اصطلاح استلذاذ بالمثل درنہ چہ باندی لفظ لونڈے بازی سے کام چلایئے، ثقاہت میں اگر قلم اپنائیے تو مرد پرستی میں آخر کیا عیب ہے۔

انشاءاللہ اب بیرکی چوٹ بالکل ہی ٹھیک ہوگئی ہوگی۔

والسلام

عبدالماجد

حکیم عبدالحمید (دہلی)

(۱)

دریاباد

۱۴ اکتوبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

اس عزیزہ کے حامل عبدالعلیم قدوائی ایم اے ایل ایل بی میرے بھتیجے بھی اور داماد بھی۔ ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ بارہ بنکی کا کارگذار رہیں، انھی کا تبادلہ ہوئے ہیں حکیم عبدالقوی دریابادی کے چھوٹے بھائی بھی ہیں۔

مکان کی سخت مصیبت ان کے لیے ہے جیسی ہر باہر والے کو ہوتی ہے، کوئی کسی کو کیا لکھے اور کس سے کیا کہے، جو حاجت روا تھے وہ خود محتاجوں میں گنے گئے ہیں، "مولیٰ اپنے بندوں سے بھاری"

ع کس کی حاجت روا کرے کوئی

آپ نے ایک عالم کی ہمدردی کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہ حاضر خدمت ہو رہے ہیں کہ شاید اس ذخیرہ میں ان کے نصیب کا بھی کوئی حصہ ہو اور تھوڑی سی مدد انہیں بھی مل جائے، یہ تعارف نامہ دیتے ہوئے خودی شرم سے گڑا جا رہا ہوں۔

انشاءاللہ آپ ہر طرح بخیر ہوں گے۔

دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

عبداللطیف اعظمی (دہلی)

(۱)

دریاباد

۱۴ اکتوبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیزم ! وعلیکم السلام

تمہیں ادیب و دیب ترکیا "بزرگ ترین نہیں" "خورد ترین" بھی نہیں البتہ آپ کے حسن ظن کی داد دیتے ہوئے تعمیل ارشاد میں جواب لکھے دیتا ہوں۔

جی ہاں رسالہ جامعہ میں "عش عش" کی بحث میں نے دلچسپی سے پڑھی اور استفادہ کیا، میرا معمول تو ابھی تک "عش عش" لکھنے کا تھا۔ فیلن نے بھی بھی دیا ہے۔

اشکے نفس الفتہ کی ردایف الف مطلوبہ موجود ہے اس میں "اش اش" موجود نہیں اس لیے قیاس یہی ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اسے ردایف میں رکھا ہوگا۔ "اشتقاق" کی بحث کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، لیکن اصل جواب فصحاء اور شرفائے ادب کے ہی فاتحہ کا ہے، میں اب تک استعمال غالب مع" کا سمجھ رہا تھا، اب اس بحث سے معلوم ہوا کہ دوسرے فریق کے دلائل بھی خاصی قوت رکھتے ہیں ایسے موقع پر تو وسیع اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ تذکیر و تانیث کی بحثوں میں ہوتا ہے، اس لیے میں تو "ع" ہی سے بدستور لکھے جاؤں گا لیکن جو حضرات الف سے لکھیں گے اسے بھی غلط نہیں سمجھ سکتا بلکہ عش عش کی طرح "اش اش" کو بھی جائز سمجھوں گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۲)

سید سعادت اللہ کا ایک نہایت عمدہ مضمون "مجتہد اعظم ابوالکلام آزاد" کے عنوان سے جامعہ، دہلی بابت ۱۹۵۸ء، رجولائی ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعض خیالات پر مولانا عبدالباری نے پیر طریقت کے نام ایک خط میں نقد کیا تھا۔ پیر طریقت جامعہ نے خط و کتابت کے شمارے میں شائع کر دیا تھا۔ صاحب میں اس کا ایک نوٹ بھی تھا۔ ذیل میں مولانا عبدالباری کا یہ خط پیش خدمت ہے۔ ساتھ میں ایڈیٹر کا نوٹ بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

جناب من! السلام علیکم

تازہ جامعہ میں ایک مضمون مولانا ابوالکلام مرحوم پر ایک فاتون کے قلم سے ہے۔ موصوفہ کے جذبات و معتقدات جو کچھ بھی ہوں یہاں صرف ان واقعات سے متعلق کچھ کہنا ہے، جو صفحہ ۱۴ پر مندرج ہیں۔ میں خود شریک جلسہ تھا۔ ان چیزوں کے یوں ہی چھپ جانے سے آپ کے پرچے کی ثقاہت پر حرف آتا ہے۔ اور تردید نہ کی جائے تو یہی چیزیں آگے چل کر تاریخ بن جائیں گی۔

(۱) "مسلم لیڈروں کا ایک جم غفیر تھا، جو اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے کھنو میں جمع ہوا تھا"——

یہ جلسہ ایک باقاعدہ اجلاس مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کا تھا، جس کے ممبر عوام و خواص نرم و گرم ہر قسم اور ہر طبقہ کے لوگ تھے۔

(۲) "رات کو گرم گرم بحثیں ہوئیں"—— اجلاس کی کوئی بھی نشست رات کو نہیں ہوئی تھی۔ ہر نشست دن ہی میں ہوئی تھی۔

(۳) "نواب اور راجہ لوگ حکومت وقت کی طرف سے اس خدمت پر مامور کیے گئے تھے"—— اس "مامور یت" کا کوئی ثبوت نہ شرعی، اخلاقی، قانونی، کسی صیغہ سے بھی موجود نہیں۔ نواب اور راجہ لوگ بھی سیکڑوں بلکہ شاید ہزار سے اوپر کے مجمع میں بس گنتی ہی کے چند شریک تھے۔

(۴) "نہ جانے بقیہ شب کی تاریکی میں کون سا افسوں پھونکا گیا"—— شب بقیہ شب کی حیثیت تو محض افسانوی ہے۔ باقی "افسوں" اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ تمام لوگ کل کے جلسہ کے بڑے رنگ اور خلفشار سے اکتائے تھے اور یہ طے کر کے بیٹھے تھے کہ آج کوئی نہ کوئی فیصلہ ہر حال کر لینا ہے۔

(۵) "اب ان کے سر حکومت کی ڈیوڑھی پر جھکے ہوئے تھے"—— حکومت کی ڈیوڑھی پر سر جھکنے کا تو قطعاً کوئی سوال ہی پیش نہیں آیا۔ مولانا محمد علی کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ مباحثی اور بے نتیجہ جھت بازی تو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ کام اگر کرنا ہے تو اس بڑے مجمع سے اپنے چند قابل اعتماد نمایندے چن لیجیے۔ اور انھیں سادہ چک دے کر حکومت سے نامزدگی کا کام ان کے سپرد کر دیجیے۔ چنانچہ میں ریزولیوشن اسی مضمون کا پیش کرتا ہوں۔

(۶) "ایک آزادی کی شمع تھے، جس کو نہ کوئی لالچ نہ کوئی دھمکی بجھا سکی تھی"—— موصوفہ یقین فرمائیں کہ جلسے میں نہ کسی لالچ کا سوال کسی طرف سے پیش ہوا، نہ کسی دھمکی کا۔ دونوں فریق طرف اپنے اپنے دلائل پیش کرتے رہے۔

(۷) "یورپی کا گورنر بھی بطور اعزازی مہمان کے موجود تھا"—— اس افسانہ کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں۔ لفظی ترسیم لفٹیننٹ گورنر بہار کے۔

(۸) "اس کی موجودگی میں بڑے بڑے ٹیریول لیڈروں کے ضمیر بک چکے تھے ..... اکابر ملت و رؤسا قوم جو گورنر صاحب کے چشم و ابرو کو دیکھ رہے تھے بوکھلا اٹھے"

سو فیصدی شاعری۔

(۹) "سیاسی شہدوں نے مولانا پر آوازے کسے"—— وہ کون لوگ تھے، جنھیں یہ مہذب خطاب عطا ہوا ہے؟

(۱۰) "باآخر مولانا یہ کہہ کر اسٹیج سے رخصت ہو گئے کہ آج اس اسٹیج پر تم میری زبان کو روک

سکتے ہو، لیکن دیکھنا ہے میرا قلم کون روک سکے گا ——— الفاظ حقیقت و واقعیت سے یکسر بے نیاز!

والسلام، عبدالماجد

(جامعہ) ہم مولانا کے شکر گزار ہیں کہ موصوف نے تصویر کا دوسرا رخ پیش کر دیا، لیکن جو رخ زیر بحث مضمون میں دکھایا گیا ہے، وہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبلی اور نواب وقار الملک کے مشہور بیانات پر مبنی ہے جس کا ثبوت ہم آگے چل کر پیش کرتے ہیں، اس لیے رسالہ جامعہ میں اس مضمون کا شائع ہونا قابل اعتراض نہیں ہے۔ البتہ مضمون کا یہ جملہ کہ "سیاسی شہدوں نے مولانا پر آوازے کسے" افسوسناک ہے اور رسالہ جامعہ، زیر بحث جلسے اور خود مضمون نگار کے وقار کے خلاف ہے ہم اس کی تباہی کا اعتراف کرتے ہیں کہ مضمون کے پڑھتے وقت اس جملے پر نظر نہیں پڑی اور یہ بغیر رسالہ میں چھپ گیا۔.....

(۱) جلسے کے بارے میں مولانا آزاد فرماتے ہیں۔ صبح آٹھ بجے ہی سے اجلاس کا ہال تماشائیوں سے بھر گیا۔..... یہ بھی خبر اڑی تھی کہ ایک جماعت کل کے لیے باہر سے ٹکٹ پر بلائی گئی ہے۔

(الہلال۔ ۵ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲۶)

(۲) یہ صحیح ہے کہ رات میں کوئی نشست نہیں ہوئی تھی۔ لیکن دن کے باقاعدہ جلسوں کے لیے رات اسی میں مشورے بلکہ فیصلے ہوا کرتے تھے۔ نواب وقار الملک، مشتاق حسین صاحب نے جو اس وقت جلسے کے آنریری سکریٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے، اپنے تحریری بیان میں اس کا صراحت سے ذکر کیا ہے اور مولانا آزاد نے اس کے بارے میں خوب خوب الزنبہ جملے لکھے ہیں۔ آخری فیصلہ سے قبل گورنمنٹ ہاؤس میں ایک ڈنر بھی دیا گیا تھا اور اس موقع پر بھی بڑی رات تک "مشورے" ہوتے رہے۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں "خود صبت آزمایاں شبیہ کا بیان ہے کہ یہ بادہ گساری رات کے دو بجے تک جاری رہی تھی۔ اللہ اللہ! جاٹے کی راتیں اور پچھلے پہر کی "پراسرار صحبتیں"! آپ الزام و اعتراض کی فکر میں ہیں اور "رات کے دو بجے" کے لفظ سے نہیں معلوم کیسے کیسے خیالات میرے دماغ میں گذر رہے ہیں! رات کی تاریکی، پچھلے پہر کا سناٹا، شاعرانہ کہنہ مشقی کا ہجوم اور بعض نوجوانوں کا آموز و جیاں حریت و بے سرشتی سے پر دستی کا یہ عالم! اب کیا کہوں کہ کیا کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

مولانا محمد علی کے بارے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں "راجہ صاحب نے کہا تھا کہ جب تک مسٹر محمد علی رام نہ کیے جائیں گے، کچھ نہیں ہوگا۔" یہی سبب ہے کہ اس "مقبولِ شب" کی بدات کا دو بجا انہی کو بنایا گیا تھا۔ اور رات بھر مصنفہ کی تسخیر کی دانش میں صرف ہو گئی۔"

دوسرے روز جلسہ شروع ہوا تو اس کے متعلق مولانا آزاد اپنے مخصوص طرز میں لکھتے ہیں:

"یہاں تک کہ دن بجے۔ مدعا نظر اے تفرقہ، اور صدا اے مضطرب کی صفوں سے گزاتی ہوئی، اب اس جلسہ کی تعارف جلوہ فروش ہوئی اور "جلسۂ سازش"[1] کے تمام "عروسانِ شب زندہ دار" ایک ایک کر کے نظر فریب بزم داغی ہو کے یہ جہر لگا نے پہلے ہی تعارف میں اباب نظر سے رمز فروشی کی کہ رات بھر میدنگ چل چکے ہیں..... (ہمیں ہمارے شیدہ طراز دوست مسٹر محمد علی بھی تھے۔ صحبت نیم شبی کا خمار آنکھوں میں، اور شب بیداری کی افسردگی چہرے پر۔"

(۳) "اس بات کا ثبوت دینا کہ کچھ لوگ حکومت کی طرف سے مامور کیے گئے تھے کہ کسی نہ کسی ترکیب سے سرکاری نقطۂ نظر کو جلسے میں ہوا دیں۔ واقعی ممکن نہیں۔ لیکن نواب وقار الملک نے حاشیہ" کا لفظ لکھا ہے۔ مولانا شبلی نے اپنی مشہور طنزیہ نظم میں اسی لفظ کو اسی موقع پر استعمال کیا ہے:

"سازشیں" کا ایک جال بچھا ہے ہر طرف — ہر شخص اس کی نکریں مصروفِ کار ہے۔
سرمیناں ہیں دورِ قدحہائے رازداری — ہر شخص "حکمت عملی" کا شکار ہے

(۴) لفٹیننٹ گورنر بہادر کے ڈنر سے قبل عام طور پر تقریروں کا لب و لہجہ حکومت کے سخت خلاف تھا اور ڈنر کے دوسرے دن اجلاس کا رنگ کچھ اور ہی تھا، اس لیے لوگوں نے اس طرح کے شبہے کیے ہیں۔ مولانا شبلی نے بھی اس تبدیلی پر حیرت ظاہر کی ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں — نے وہ خروش و جوش نہ وہ گیر و دار ہے
ٹوٹی ہوئی صفیں ہیں، علم سرنگوں ہیں سب — بازو سے تیغ گیر جو تھا رعشہ دار ہے

(۵) قابل اعتراض جملے پر ہم شروع ہی میں معذرت کر چکے ہیں۔ لیکن موصوف غالباً ہمیں کیفیت کریدنا چاہتی ہیں اسے مولانا آزاد نے یوں لکھا ہے:

"..... اس ہماہمی کی صفوف کی وجہ سے راہ مرور اس طرح بند ہو گئی تھی کہ اندر تک پہنچنے کے لیے کئی منٹوں کی جدوجہد مطلوب تھی۔ خود میں اور خواجہ غلام الثقلین اکثر اتفاق سے بالکل اسٹیج کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے جب سے ہوتے تو تقریر کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔... ایک دو مدبر خاص وہ تھی، جس کے ذریعہ موافقت کے تیز اور مخالفت کا شور و ہنگامہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی، یعنی اسٹیج پر بیٹھنے والی جماعت کا ایک طبقہ نیچے جلسے کی مختلف قطاروں میں متفرق ہو کر بیٹھ گیا تھا تاکہ وقتِ ضرورت مجمع کے ہر حصے

---

[1] سازش کا لفظ شاید پہلے بھی کہیں گزر چکا ہے لیکن یہ میری جانب سے نہیں ہے، بلکہ جنہیں نواب صاحب قبلہ کا لفظ ہے، جو انھوں نے اپنے مضمون میں دو جگہ استعمال فرمایا ہے۔ منہ (الہلال)

سے ایک ایک مدائے موافق الظہر شور مچا دے..... اگر کوئی مخالفت میں تقریر کرے تو مقابلے سے آوازیں اٹھنا شروع ہو جائیں الحاس کے ہنگامے میں بھی کی مخالف مدائیں مدغم ہو کر مفقود ہو جائیں گی۔

اسد القادری (لندن)

دیاباد

۲ دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۲ نومبر کا لکھا ہوا خط پرسوں ۳۰ نومبر کو ملا کوئی کہہ سکتا تھا کہ ہوائی ڈاک کا انتظام بھی ایسا باد ہوائی ہوتا ہوگا! توبہ توبہ!

میری کتاب کی خوش قسمتی کہ آخری عشرۂ رمضان المبارک میں قریب افطار آپ کی نظر سے گذری۔ ظاہر ہے کہ جب خط کی عبارت میں حسن ظن کی اس افراط بلکہ اسراف سے آپ نے کام لیا ہے تو دعائے خیر میں آپ بخل سے کام لینے والے نہ تھے۔ مومن مسافر و علیل روزہ دار کی دعا اور وہ بھی آخری عشرہ رمضان المبارک میں اللہ اکبر۔

اگر آئندہ خط لکھنے کی نوبت آئے تو اپنا تعارف ذرا تفصیل سے ضرور کرا دیں یعنی وطن کہاں تھا، تعلق کس خاندان سے تھا، تعلیم کہاں کہاں پائی اور کہاں تک وغیرہا۔

انشاء اللہ شفا ہوگی، وحشہ کا اثر خط پر تو کجا اللہ کچھ ایسا سانہ تھا خط مجھ سے تو بآسانی چل گیا۔

آنکھوں سے بڑی حد تک معذور ہو گیا ہوں اپنا خط خود نہیں پڑھ سکتا دوسروں سے لکھوا کر بھیجتا ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

عبدالقوی دسنوی (بھوپال)

بھوپال کے سفر میں مولانا دریابادی نے نواب شاہجہاں بیگم کا دیوان دیکھنے کو مانگا تھا، دیوان کا نصف پلٹا ہنا ٹھیک اس وقت جب مولانا روانگی کے لیے ریل میں سوار ہوئے، گاڑی روانہ

لہ اس نوٹ کے تمام اقتباسات الہلال ۵ مارچ ۱۹۱۳ء سے منقول ہیں۔ اشعار کے بعد دیکھیے: الہلال ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء

ہوئی اور پیکٹ کھول کر دیکھا تو تعارف سیدہ کو اسے ہاتھ لگانے نہ بنے، یہی بات مولانا نے خط میں تحریر فرمائی ہے۔

دریاباد

۶ مارچ ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہ! السلام علیکم

یہ اچھا مذاق تیرے ساتھ رہا۔ فرط استیاق سے میں نے ریل پر بیٹھتے ہی چہرہ سے نقاب کھینچ!

برقع اتارا تو سبحان اللہ، فرط نزاکت سے۔ ؎

ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کا عالم۔

مجبوراً۔ علانے تو بتلائے تو۔ دل شکر گذار بہرحال ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

مالک رام (دہلی)

تحریر سے مراد مکتوب الیہ کا سہ ماہی رسالہ "تحریر" دہلی ہے۔

دیاباد

۸ فروری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

جناب بندہ! تسلیمات

صاحب تحریر کی زبان سے مضمون نہیں مضمونچہ کی فرمائش اور اس سے جو بصیرت فرشایہ کبھی بھی نہیں رکتا اور اب بصارت سے بھی بڑی حد تک محروم رہ گیا ہے! اجابی معمول کا کام خدا معلوم کس طرح انشم پشتم ہو پاتا ہے دوسروں کی خدمت کا نہ دل رہا نہ حوصلہ۔ بجز فرسودگی کے اور معذرت کے پیش کش کے اور کیا کروں۔

سید مسعود حسن رضوی سے ملاقات آج کی نہیں کوئی ۴۰، ۴۵ سال قبل کی ہے۔ ان کے کمالات ادبی کو اگر چھوٹے سے مجمل میں سمیٹ کر کہوں تو یہی کہہ سکتا ہوں اور اپنی ذمہ داری کے پورے شعور کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ ان چند گنے چنے لوگوں میں ہیں جو اردو صحیح لکھتے ہیں، تحریر کی اور بھی خوبیاں ہوتی ہیں، فصاحت ابلاغ، سلاست، ظرافت، لطافت، یہ سب اوصاف اضافی ہیں۔ سب

سے مقدم زبان کی صحت ہے کوئی فقرہ دلچسپ نظر آیا اور لوگوں نے اس کی داد دے دی کوئی ترکیب بھڑکتی ہوئی سوجھ گئی اور پڑھنے والوں کی زبان پر واہ واہ آگئی، یہ ساری بخشیں بعد کی ہیں پہلے زبان صحیح بھی تو ہو۔

اردو میں لکھنے والوں اور شعر کہنے والوں کی آج کمی تو ہے نہیں سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک ایسے پہنچ گئے ہیں جو اردو کی فضائے نثر و نظم پر چھائے ہوئے ہیں ان پر کیسے کیسے "معلی القاب" پڑے ہوئے ہیں لیکن بجز گنتی کے کئے ایسے ہیں جو زبان کا خیال رکھتے ہیں، عبارت صحیح لکھتے ہیں اور ایک ایک فقرہ کو سوچ کر اس کے وزن کا اندازہ کر کے اپنے قلم پر لاتے ہیں۔

اونچے اونچے پڑھنے والوں کا ذکر نہیں اردو پڑھنے والوں کی خاصی تعداد ایسی ہے جسے صحت زبان کی فکر ہی نہیں بس ان کے لیے کوئی فقرہ کافی ہے۔ ظرافت نگاری کی بھی تو بھانڈوں اور نقالوں کی سطح کی۔ ادبی لطافتوں کی طرف ذہن کھنچے ہی نہیں جاتے۔

اور پھر مسائل ادب کی تحقیق میں مسعود صاحب صف اول کے لکھنے والوں میں ہیں۔ لمتے سلجھے ہوئے ادیب، نقاد، سخن فہم کی مثال اُن کے معاصرین میں تو مشکل سے ہی کوئی ہوگی۔

اس لیے بڑی حیرت ہوئی کہ جب سننے میں آیا کہ اردو اکیڈمی نے حال میں تین کہنہ مشق اہل قلم کو جو کمیشت رقم ان کی علمی خدمات پر پیش کی ہے اس خوش قسمت میں مسعود صاحب نہیں، وجاہت جو کچھ بھی ہو بہر حال اس اغراض اور اغماض سے ان کی حق تلفی ہی ہوئی، میں اکیڈمی کی اس سب کمیٹی کا بہ نہ تھا نہ مجھے کہیں سے اس کی کچھ سُن گن مل پائی اور نہ میں تو اپنی آواز ان کے نام کی تائید میں ضرور بلند کرتا۔ خیر اللہ کرے وہ اشاعت ضرور ہو جس کے اکیڈمی اس حق تلفی کی تلافی کرے گی۔

آپ کا اور اُن کا دونوں کا خیر اندیش

عبدالماجد

عثمان احمد (شاہ گنج، جونپور)

دیوبند

۹ مارچ ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! وعلیکم السلام

بڑا شاعرانہ مبالغہ آپ نے اس دیہاتی کی زبان سے متعلق قائم کر لیا ہے، پہلے تو اس کی املاء فرمائیے، اب جواب اپنی لیاقت کے اندر یہ ہے۔

(۱) فصیح اور غیر میں لفظ "برات" ہی ہے، باقی "بارات" بھی جائز اور تعبیراتی زبان میں رائج ہے۔

(۲) "ناقہ" اہل زبان کی زبان پر مذکر ہے، باقی میں غلط مؤنث کو بھی نہ کہوں گا، ہیں غلط سہی لفظ کو مشکل ہی سے کہتا ہوں۔

(۳) اظہار شعر و نثر ہی سے متعلق فیہ رہا ہے، میں تو دونوں کو صحیح تسلیم کروں گا، اتباع ترجیح مذکر ہے اور عرف ترجیح مؤنث۔

مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی ریڈریں اب بھی کیا تمہی ہیں سوائے اس کے کہ ذرا پرانی ہو گئیں، شاید جامو ملیہ والوں نے کچھ اچھی بنوا کر لی ہیں۔

والسلام، دُعاگو و دُعاخواہ!

عبدالماجد

مولوی ضیاء احمد بدایونی

کرم گستر! وعلیکم السلام

خود بدیر سیگزین سلہ اللہ ہی کا خط کیا کم تھا کہ اس پر ستر ہا آپ کا سفارشی نامہ! ؎

تو بستم بھی شریک جمعۂ نارہوا

آج کچھ اور بڑھا دی گئی قیمت میری

کیسے انکار کروں، معذرت کن الفاظ سے پیش کروں؟ کاش آپ کو میری مصروفیتوں کا تفصیل علم ہوتا! آپ خود ہی اس وقت ایسا حکم نہ دیتے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ جب اللہ نے اس عذر کی بناء پر بندوں کو معافی دے دی ہے تو کیا خود بندے بندوں کے حق میں اپنی درگذر سے کام نہ لیں گے؟

لکھ ڈالنا تو خیر کچھ ایسا مشکل نہیں تلگر کمپیٹ دینے میں وقت ہی کیا ایسا لگتا ہے! اصل سوال پڑھنے کا ہے۔ کسی ادیب یا شاعر کا آدھ سر نو پڑھے بغیر کیسے اس پر لکھ دیا جائے۔ اور بھی پڑھنے ہی کا وقت نکالنا تو محال ہے ——

اپنے محبوب سے محبوب ادیب یا شاعر کا آدھ سر مطالعہ کرنا ایک مجاہدہ عظیم ہے اور یہیں اگر بجز آپ سے معذرت دینے کے کوئی چارہ نہیں رہتا۔

خدمت صرف اتنی ممکن ہے کہ کچھ عام خیالات دے دوں۔ خود دو نمبر ہو تو اس پر بطور دیباچہ یا پیش لفظ چند سطریں لکھ دوں یا کوئی خاص مقالہ آجائے تو اس پر اٹلی سیدھی کچھ رائے دے

دون ——— بوڑھے پہلوانوں کو آپ نے سستا ہوگا کہ اکھاڑے میں اتر کر کشتی کے قابل نہیں رہ جاتے ہاں بیٹھے ہوئے داؤ پیچ بتا سکتے ہیں، نئے کے گُر سکھا بنا دیتے ہیں۔

مزاح و ظرافت اور طنز و تعریض دو الگ الگ چیزیں ہیں، امید ہے کہ اس فرق کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔ بلکہ خود شوخی و ظرافت کے درمیان میں لطیف فرق ہے اُسے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

شاعروں میں اکبر اور نثر نگاروں میں محمد علی و تہ ان سب اصناف کے جامع ہوئے ہیں۔ اکبر پر تو یقینی ہے کہ میگزین میں خوب کھل کر لکھا جائے گا۔ باقی کسی کی جوہر کی نثر نگاری پر بھی پوری توجہ کرنی چاہیئے۔ مضامین محمد علی، حالات محمد علی، انگارشات محمد علی وغیرہ کے نام سے کئی مجموعے نکل چکے ہیں، کم از کم انہیں تو ضرور ہی لیا جائے۔

لطیف، سبک، شوخ نگاری کی مثالیں رئیس خیر آبادی کے ہاں کثرت سے ملیں گی۔ کوئی ریسرچ کر کے ذرا دیکھے تو اور نذیر احمد تو کسی طرح بھولنے والی چیز ہی نہیں۔

غیر مشہور اور گمنام لکھنے والوں میں یہ دو بھی از بس قدر دانی کے محتاج ہیں۔ ایک سید مغفور اصل بدایونی مغفور، دوسرے شیخ ولایت علی۔

ظرافت اپنی حدود سے تجاوز کر کے ذاتیات اور شخصی ہجو گوئی تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کی مثالیں اودھ پنچ اسکول میں بہت ملیں گی۔ اور گلزار نسیم پر تو قیامت خیز بحث شروع ہوئی تھی، اُس میں آخریں طرف داران قمر بھی اسی سطح پر آ آئے تھے۔ ملاحظہ ہو لفظ وار ظریف مرحوم کے فائیں ——— ایک طرف ہیں خطوط بُرا ملین کے نام" دوسری طرف ہیں مکتوب "بھادی غنام کے نام"۔

ہزل، ہیکٹر، فحاشی سب کے ٹھکانے اگر مسخ شدہ ظرافت سے مل جاتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام کا جو مقام ادبیات میں ہے وہ تو نظر میں ہی گا۔ بہر حال کے لکھنے والوں میں شوکت تھانوی، رشید صدیقی، قاضی عبدالغفار، سالک، پطرس اور کنہیا لال کپور۔

ہر شدہ بھی متفرقہ رسالوں اور کتابوں میں ہو ایک دوسرے پر فلانتیں آچھالی گئی ہیں اُن سے بھی گزر کیسے گزر رہے گا انہیں بھی سمیٹنا لازمی ہے ——— ایک مولوی، صاحب رسالہ کہتے ہیں "شریعت کا ٹھٹھا" مٹا دوسری طرف سے جواب نکلتا ہے "شریعت کا آرہ" ———

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقس علیٰ ہذا۔ ایک رسالہ کا عنوان ہوتا ہے "خنجاب" (کھٹملوں کے معنی میں) معاً جواب نکلتا ہے "کشاپ" (جوتی کے معنی میں)۔ بریلی سے آواز آتی ہے کہ "دیوبند کا ایک دیوبہ کہتا ہے"۔ دیوبند سے جواب نکلتا ہے "تو نے جس ہم کو اپنا خصم قرار دیا ہے"۔ الخ ———

اس تجسس کی یہ آپ نے نہ کرائی تو کچھ نہ کیا۔

ایک مستقل عنوان "علی گڑھ کا حقہ خلافت و طنز میں" ضرور رکھیے اور اس کی ابتدا خود سرسید سے کیجیے ——— لیجیے معذرت نامہ خود ہی مضمون بن چلا۔

والسلام، نیاز مند

عبدالماجد

میکس اکبر آباد

دریابار، ۱۰ ربیع

بسم اللہ

عرض ا۔ وعلیکم السلام

آپ کا مراسلہ مع اپنے نوٹ کے اگلے شمارہ (نمبر ۱) میں انشاء اللہ نکلے گا۔ آپ کا مکتوب جس لہجہ میں ہے کاش ہنتائی صاحب آپ ہی سے اسے لکھ لیتے۔ سماع کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ تو مدتوں سے زیر بحث چلا آرہا ہے۔ اور کوئی اصولی، اساسی مسئلہ ہے بھی نہیں، لیکن یہ لکھنے کی آج تک کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ "گانا سننا اور ناچ دیکھنا سنت رسولؐ ہے"۔ معاذ اللہ آپ ہی فرمایئے ایسی گستاخیوں پر کوئی مسلمان کیسے صبر کرے۔

یا شاید یہ لکھ بیٹھتا کہ..... بنوا ایسے الفاظ نقل کرتے ہوئے میرا دل لرز جاتا ہے، یہ چھوٹائی ہاتھ کیسے مسلمان ہی کہ بے تکلف ان خرافات کے مدعی ہو بیٹھے ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

نمبر ۹ جو چھپ چکا ہے اس میں لفظ "سلالہ" کے معنی پر ایک مفصل نوٹ ہے، دفتر کہہ رہا ہوں کہ ایک پرچہ آپ کی خدمت میں بھیج دیا جائے۔

جانبِ اصطفانوی لکھنؤ (کراچی)

(۱)

اصطفانوی کے جواں سال صاحبزادے کے سانحۂ انتقال پر مولانا دریابادی کا تعزیت نامہ

شہید صاحب سے اشاعتِ مولانا حضرت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی کی طرف ہے۔ دوسرے مکتوب میں مہمان کا نام آیا ہے۔

دریاباد

۲۴ ستمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

سانحہ کا ذکر پرسوں لکھنؤ میں شہید صاحب سے سنکر دل دھک سے ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ لیکن سوچتا ہوں کہ آپ سے تعزیت کروں یا آپ کو مبارکباد دکھوں کہ کتنی بڑی قربانی آپ سے طلب کی گئی اور آپ کا ظرف کتنی سخت قربانی کے تحمل کا نکلا گیا۔ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۔

میں تو آپ کے صوبات سفر ہی کا ذکر کر کے ایک صاحب سے سنکر عش عش کر رہا تھا کہ ایسا مقبول آپ کو نصیب ہوا اور کیسے کیسے مجاہدے اضطراراً آپ سے کرائے گئے کہ اس آخری اضطراری مجاہدہ عظیم کا نمبر آپ سے بڑھ گیا! ——— انعام واکرام لطف ونوازش کی جو باتیں آپ پر ہونے والی ہے اس کا تو آج اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔

جوان ہونہار محبوب نورِ چشم جگر کا یوں اٹھ جانا کوئی معمولی مجاہدہ ہے؟ اللہ کرے اور تم اگر شادی شدہ ہو تو تمہاری بچوں پر کیا گذری ہوگی۔

اللہ آپ کو، ان کے سارے متعلقین کو صبرِ جمیل عنایت کرے، اولاد کا صدمہ تو وہ چیز ہے کہ خود صابروں، شاکروں کے سرتاج صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو اولادِ خورد سال تک پر نکل آئے ہیں ——— اور ہم ضعیف و ناتواں اُمتیوں کو اس باب میں بھی ایک اُسوۂ حسنہ نصیب ہو گیا ہے۔ والسلام علیکم

دعاگو و شریکِ غم:

عبدالماجد

(۲)

دریاباد

۲۸ نومبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

آپ کا مختصر نامہ خوب آگیا۔ اس عرصہ میں آپ کئی بار یاد آئے، اور دل نے اس حسرت کے ساتھ

محسوس کیا کہ لکھنؤ میں آپ سے ملاقات کی صورت ایک مدت سے پیدا نہ ہوئی۔

آپ کا تانیثی مجموعۂ کلام کچھ روز ہوئے مل گیا تھا، شکریہ۔ شہید صاحب کا دیباچہ خوب ہی ہے۔ گرہ صاحبہ کی زبان ظرِ پر ہمیشہ سے ہے اور اپنے اکابر کی شیفتہ ہی بولے سنا اور یہی لکھتے دیکھا ہے۔ گھرانا اور گھرت صرف پنجابی حضرات کا لحظ اور املا ہے اللہ آپ کو شنائے کامل دے کہ آپ جلد ہی سفرِ لکھنؤ کے قابل ہو جائیں۔

والسلام و دعاگو!

عبدالماجد

ڈاکٹر محمد طیب قاسمی دیوبندی

(۱)

مکتوب الیہ کی والدہ کے انتقال پر مولانا کا تعزیتی مکتوب۔

دریاباد

۲۷ اکتوبر ۱۹۵۹ء

فندم و کرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"الجمعیۃ" میں سانحہ کی خبر ابھی نظر سے گذری۔ اللّٰھم اغفرلھا وارحمھا۔

والدۂ والقلبِ عاطفت ہر سن میں ایک سایۂ رحمت اور دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہی رہتی ہے آپ خوش قسمت تھے کہ اتنے دن تک آپ کو ہر لمحہ کی خدمت کا موقع ملا اور جنت کا استحقاق ایک اس ذریعہ سے حاصل کر لیا۔

آپ کو تعزیت کے کلمات کھنا لفظ کو حکمت کا درس دینا ہے۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

(۲)

پہلے خط کے دو سال کے موقع پر مکتوب الیہ گھر میں تھے جہاں اُن کی آنکھ کا آپریشن ہوا تھا اور آنکھ کی کہانی کے عنوان سے ایک نظم تحریر کی تھی اور مولانا دریابادی کو بھیجی تھی۔ مولانا کے دوسرے خط میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

دریاباد

۱۵ دسمبر ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

حضرت محترم! السلام علیکم

"آنکھ کی کہانی" آں محترم کا عطیہ یہاں آتے ہی پڑھ ڈالی۔ سبحان اللہ و ماشاء اللہ۔ مجھے علم نہ تھا کہ آپ کو منظوم نثر پر بھی اس قدر قدرت حاصل ہے۔ ڈیک فضل اللہ

کیا کیا قافیے نکالے ہیں ایسے ایسے مضمون باندھے ہیں (بیشتر دوسرے شاعروں کے بھی چکے چھوٹ جائیں) نہ کہیں سے جھول اتنی طویل نظم میں کہیں سے آورد نہیں بس آمد ہی آمد ہے۔

خوش داغ تو بحیثیت ایک پختے قاسم زادہ کے آپ نے ہی، اب معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ خوش فکر بھی اس درجہ میں ہیں۔ ماشاء اللہ۔

والسلام

دعاگو و دعاخواہ،

عبدالماجد

(۳)

دریاباد

۱۷ جنوری ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! وعلیکم السلام

آپ کی آنکھ ماشاء اللہ کیا بنی کہ آپ نے بہتوں کی آنکھیں کھول دیں اور جانے بعدوں کو بھی اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ سوجھ بوجھ نظر آنے لگیں۔

نور التسوّلت والارض بصیرت و بصارت دونوں میں ترقی بخشے اور لفظاً و معنیً مادب و معرفت دونوں سے آپ کی حکمرانی برقرار رکھے۔

"صدق" میں بھی انشاء اللہ ضرور نکرآئے گا۔

والسلام

دعاگو و دعاخواہ،

عبدالماجد

(۴)

مکتوب الیہ کی رفیقۂ حیات کے انتقال پر تعزیتی مکتوب۔

دریاباد

۹ فروری ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سانحہ نے دل کو انتہائی ملول کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

قلب انسانی کے یہ جو دو بے انتہائی مسرّت و ماہو سکتے ہیں اور میں ایک ہی رفیقۂ حیات کی مفارقت ہے انشاء اللہ آپ اُس وقار اور عزیمت کے ساتھ گذر جائیں گے جو آپ کے مرتبۂ علم و فضل و معرفت کے شایانِ شان ہے۔ مجھے بڑھ کر اس علیم تعلی کا لذت شناس اور کون ہوگا اور میرے لیے سب سے ٹھنڈا سہارا آپ کے مکتوبات و مضامین ثابت ہوئے تھے، آپ کا وہ احسان کبھی بھولنے والا نہیں۔

اللہ مرحومہ کو کروٹ جنت نصیب کرے اور آپ کے رفع مدارج کو اس حادثہ کا سبب بنالے۔

"صدق" میں بھی انشاء اللہ اس کا ذکر کرلوں گا تاکہ کثرت سے لوگوں کو دعائے مغفرت و ایصالِ ثواب کا موقع ملے۔

مرد آہن سا استقلام زندگی اور یکسوئی قلب اس سے رخصت ہو جاتا ہے، بہرحال آپ کو مبارک ہو کہ اس اضطراری سنت (رسمِ خدیجہؓ) کا موقع مل گیا۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ،

عبدالماجد

طاہر حسن کاکوروی

(۱)

مکتوب الیہ مولوی نور الحسن مولف نور اللغات کے پوتے ہیں اور ذوق تحقیق لغات اور لسانیات میں اپنے دادا کے پیچھے جانشین۔ الفاظ کی تحقیق ہی کے سلسلے میں مولانا دریابادی کو خط لکھا تھا، اس کا یہ جواب ہے۔ آخر میں اشارہ ترقی اردو بورڈ، کراچی کے زیر اہتمام لغت کے کام کی طرف ہے۔ اب اس ادارے کا نام اردو ڈکشنری بورڈ ہے۔

دریاباد

۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ "فضل" کے لیے میں نے اپنی تفسیر میں کچھ لکھا ضرور ہے لیکن اب اسے دوہرانا آسان نہیں۔ باقی آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی صحیح ہے اور اپنی جگہ بالکل کافی۔

۲۔ "فروق" پر ضرور دیکھیے لیکن کل کتاب تو بہت ضخیم ہو جائے گی۔ اسماء و صفات، افعال، سب ہی اس کے تحت آجائیں گے۔ اسماء مثلاً گلا، حلق، حلقوم، ٹیٹوا کا فرق، صفات مثلاً سادہ دل، سادہ مزاج، سادہ لوح کا فرق، افعال مثلاً لکھ دیجیے، لکھوڈالیے۔ لکھ مارنے کا فرق۔

مسائل الفاظ کا ذخیرہ تو بہت بڑا ہے۔

۳۔ اللہ۔ رب، خدا کا فرق ضرور دیکھیے۔

۴۔ الف مقصورہ کا اطلاق جس ترتی اردو نے عرصہ ہوا محض الف کر دیا مثلاً ادنیٰ کے بجائے ادنا۔ تعالیٰ کے بجائے تعالا۔ اعلیٰ کے بجائے اعلا۔ ئیر یہ رواج پوری طرح چل نہ سکا حروف کے بدلنے کی بحث دوسری ہے۔ "س" کے بجائے "س مع" کے بجائے "ہ" اور "ض" کے بجائے "ز" کرنے میں بڑی ہی دقتیں پیش آئیں گی اور معنی اور مفہوم میں ایک بھونچال آجائے گا اس لیے اس رائے کا میں قطعی مخالف ہوں۔ لغت کا کام فرد واحد کے بس کا نہیں۔ انگریزی کے بڑے لغت دس۔ بیس بیس فاضلوں نے مل کر اور انگریزی ادب کی ہزارہا ہزار کتابیں من و عن مطالعہ کرنے کے بعد لکھے ہیں۔ پاکستان میں اردو لغت کا کام اب اس بڑے پیمانے پر حکومت کی سرپرستی میں شروع ہوا ہے۔

مولوی نور الحسن مرحوم تن تنہا لغت لکھ کر بڑا ہی جاہ و کر گئے۔ والسّلام

عبدالماجد

(۲)

۲ اپریل ۱۹۶۰ء

برادرم! السلام علیکم

یوم تواب ہر کس و ناکس کا منایا جانے لگا ہے مسن مرحوم تو خیر بڑی چیز تھے ضمناً اس میں ذکر ما حب نور اللغات کا بھی آجانا چاہیے۔ کسی عملی خدمت سے معذور ہوں۔ ٹھیک تاریخ جلسہ معلوم ہونے پر دو پیام عرض کروں گا انشاء اللہ۔ والسلام

دعاگو و خواہ: عبدالماجد

(۳)

مکتوب الیہ مولانا مرحوم کی اس رائے سے متفق نہیں ہو سکے۔ ان کا خیال تھا کہ "بربریت" کی اصل عربی ہے۔

۴ جنوری ۱۹۷۳ء

برادرم! السلام علیکم

کاغذات کی اُلٹ پلٹ میں آپ کے کرم نامۂ مورخہ ۵ دسمبر پر نظر پڑ گئی۔ حیران رہا کہ اب تک یہ کیسے نظر سے غائب رہا۔ بہرحال اس ہو نظر پر دل سے معافی چاہتا ہوں۔ "بربریت" یہ انگریزی لفظ Barbarism سے اردو میں آیا ہے، انگریزی میں اس کے

معنی نیم وحشی، نیم جنگلی اور غیر مہذب کے ہیں۔ انگریزی سے مورد ہے اور اب اردو کا جزو بن گیا ہے۔ قرآنی رسم خط سے متعلق جو سوال ہے اُسے صدق میں دے رہا ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ ہفتہ دو دفتر سے پہنچے گا اور آئندہ نہران میں جواباً آئیں گے۔ والسلام۔

دعاگو: عبدالماجد

(۴)

۱۹۷۴ء

برادرم سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

عربی لغات کو اپنی لیاقت کے اندر کھنگالنے سے پتا چلا کہ "مُدُس" کے مُعرّب ہونے پر سب کا اتفاق ہے یعنی سب ہی نے یہ لکھا ہے کہ عربی میں یہ لفظ باہر سے آیا ہے۔ لیکن یہ بہت کم کسی نے لکھا ہے کہ آیا کہاں سے ہے یعنی کس زمانے میں اور کس زبان سے آیا ہے۔ کسی نے ہندوستان کو لکھا ہے، اور کسی نے ایسے ہی گول چھوڑ دیا ہے معنی سب نے باریک ریشم کے لکھے ہیں۔ عربی لغت نویس کو ماخذ کی طرف جانا ضروری تھا بھی نہیں۔ افسوس ہے کہ اکاڈمی والوں نے نور اللغات کا مسئلہ بیچ ادھر میں چھوڑ دیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ اس میں صدر صاحب مخل ہو رہے ہیں۔ والسلام۔

دعاگو: عبدالماجد

(۵)

۱۰ مئی ۱۹۷۳ء

برادرم سلمہ اللہ وعلیکم السلام

زندہ ہوں اور بہرحال زندگی کی مدتِ موعود پوری کر رہا ہوں۔ والسلام

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

شورش کاشمیری (لاہور)

(۱)

اس خط میں ذکر محمد علی سے مراد محمد علی جوہر ہیں جو امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے۔ انہوں نے اپنی سیکرٹری سے شادی کر لی تھی۔ اس واقعے پر پاکستان کے بعض حلقوں میں بہت لے دے ہوئی۔ اسی واقعہ و ہنگامہ کی طرف اشارہ ہے۔

۸ر جولائی ۵۳ء

برادرم السلام علیکم

تار نوٹ پڑھ کر میں دنگ رہ گیا۔ پہلے تو دل میں آیا کہ سرے سے صبر کر جاؤں۔ پھر خیال آیا کہ ایک بار توجہ دلا ہی دینا چاہیے۔

پہلے تو مرزوں ہی کو کیا کہنا۔ بجائے نام کے ایڈیٹر معدتی چاہیے تھا خیر اُسے چھوڑیے۔ کمال آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ایک اہم مسئلہ شرعی کی تحقیق و تشریح کو۔ جس پر آپ کے پاکستان میں عموماً شد و مد سے عمل ہو رہا ہے۔ تمام تر ایک پاکستانی شخصیت کی حمایت و نصرت قرار دے دیا ہے یہ نیت پر مبنی حملہ نہیں تو آخر اور کیا ہے۔ اور اپنے ناظرین تک صدق کی صحیح پوزیشن کو تمام مسخ کر کے پہنچانا نہیں تو اور کیا ہے؟

کیا دنیا میں محمد علی ہی اس جرم کے تنہا مجرم ہیں؟ خود پاکستان ہی میں ایڈوکیٹ جنرل فیانمطی اور کتنے اور دل کی مثالیں حال ہی میں پیش آ چکی ہیں۔ پھر کچھ روز قبل ذیا ظلم انڈونیشیا کے لیے کیا کچھ اُمڈ رہا تھا؟

لکھنؤ میں ۱۹۳۸ء میں چودھری خلیق الزمان کا میں حشر دیکھ چکا ہوں۔ یہ قول خود انہیں کے جب تک میں نے آشنائی جاری رکھی۔ کوئی کچھ نہ بولا۔ بس جس دن عقد کیا۔ معلوم ہوا ہے کہ ایک آگ لگ گئی۔

۱۹۳۸ء میں میں نے بھی یہی جرم کیا تھا۔ ایک رات کسی صاحب اولاد اور مصیبت زدہ بیوہ کے ساتھ عقد کر لیا تھا۔ جس میں حقِ نفس (جی ہاں وہی حظِ نفس جس کو آپ حضرت کی شریعت نے ایک مستقل معصیت قرار دے رکھا ہے) کے ساتھ ساتھ ان بیچاری کی امداد کا بھی خیال تھا۔ معلوم ہوا تھا کہ ایک طوفان برپا ہو گیا۔ خاندان اور برادری والوں نے جو کچھ کہا اسے چھوڑیے۔ مستقل پمفلٹ عبدالماجد دریا آبادی بے نقاب کے نام سے نکلا۔ ہفتوں نہیں مہینوں اخبارات و رسائل کے صفحات اسی بحث سے پُر رہے۔ لکھنؤ سے کراچی تک پورا محاذ جنگ قائم ہو گیا۔

سید حبیب شاہ مرحوم کا خط اب تک یاد ہے۔ لکھا تھا کہ آپ کے خلاف یہ فردِ جرم لگی ہے آپ اپنی صفائی میں جو کچھ کہنا چاہتے ہوں کہیے۔

دہلی کے ایک ہفتہ وار نے سرخی جمائی "ایک مولانا کی حرم سرا کے اسرار"

غرض یہ کہ ہر تھوڑے دنوں کے بعد یہ فتنہ اُٹھتا ہے اور جس کے دل میں ذرا بھی غیرت دینی ہے اس پر فرض ہے کہ اس جرئی ارتداد کے مقابلہ میں صف آرا ہو۔

اپوا وغیرہ سلامت رہیں۔ اب یہ فتنہ شدید تر ہو گیا ہے اور حرام کاری اور عقد ثانی کا مقابلہ کھلم کھلا شروع ہو گیا ہے۔

کیا محمد علی اب سیاسی حیثیت سے اس درجہ منحوس و مردود ہو گئے ہیں کہ کوئی شرعی مسئلہ بھی ایسا نہ بیان کیا جائے جس سے ضمناً انہیں اپنی شخصی زندگی میں کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہو!

آخری فقرہ "خدا کے لیے آفتاب سے زوں کو نہ ملایئے" ——— کے جواب میں سوا اس کے اور کیا عرض کروں کہ خدا کے لیے کوئی طریقہ بتایئے کہ امت کے اعمال کے جواز و عدم جواز کی بحثیں بجز اصوا انبیاء کے پیش کرنے کے کوئی اور معیار رکھا جائے ———!

جو خاص الخاص معیار امت کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کو آپ اس سے چھین لینا چاہتے ہیں۔

آخری سوال بلوم سے ہم آہنگ ہو کر اور انہیں کی سطح پر اگر یہ حقِ نفس کو جرم آپ نے آخر کس دلیل سے قرار دے لیا ہے؟

صدق میں یہ بحث نہیں لانا یہ مراسلہ شیطان کے لیے ہے نہیں آپ کے نام ذاتی مکتوب ہے ہاں آپ چاہیں تو اس کے کچھ حصے دوسرے اشخاص کے نام حذف کرنے کے بعد شائع کر سکتے ہیں۔

دوستوں، مخلصوں سے مناظرہ کرنے میں دل کو جتنی کوفت ہوتی ہے اسے کچھ میرا دل ہی جانتا ہے۔ خط ارادہ کے خلاف طویل ہو گیا۔

ہاں ایک بات اور یاد پڑ گئی۔ آپ کے تازہ مرحوم دوست منٹو کی حمایت کے جوش میں بالکل بلا ضرورت ایک سخت اتہام میرے اوپر لگا کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اسے جس وقت تک میں زندہ رہوں اللہ میاں بھی شاید معاف نہ فرمائیں۔

والسلام

عبدالماجد

(۲)

شرویش مرحوم نے چٹان کے سالنامے کے لیے مضمون کی فرمائش کی تھی

۱۰ر دسمبر ۱۹۳۶ء

برادرم السلام علیکم

خصوصی نمبر کے لیے مضمون کی فرمائش عرصہ سے آئی ہوئی ہے تعمیل کے لیے وقت کہاں سے لاسکتا تھا۔ معذرت نامہ کو سوچ ہی رہا تھا کہ ۸ر نومبر کے چٹان میں ایک ادبی مضمون پر نظر پڑی اور جی میں آیا کہ الی سید می چند سطریں اسی ذیل میں لکھ بھیجوں۔ تراشہ رکھا لیا۔ اور آج خدا خدا کر کے اتنا موقع بھی مل پایا۔

(۱) سرورق پر جو فوٹو آپ نے اس وقت کے مشاہیر کا دیا ہے بیشک وہ ایک یادگار چیز ہے۔ کچھ اور چیزوں کی تصویر اس کے ساتھ ضروری نہیں۔

الف۔ یہ گروپ غالباً ۱۹۱۰ء کا ہے۔

ب۔ گروپ کے چھ ممبر ابتدا اس وقت کی انجمن ترقی اردو کے ممبر ہیں۔ انجمن اس وقت نئی نئی قائم ہوئی تھی اور مستقل وجود نہ رکھنے کے بجائے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ تھی۔ مولانا شبلی سیکرٹری تھے اور محسن الملک، وقار الملک، نذیر احمد، حالی، آرنلڈ اس کے ارکان۔

ج پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ (بعد کو ڈاکٹر اور پروفیسر نے) مصنف پریچنگ آف اسلام۔ استاد اقبال ایک بڑے شریف اور اسلام دوست انگریز تھے ۱۹۳۰ء تک زندہ رہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا آخری مکمل یعنی تیرھویں ایڈیشن میں اسلام اور اسلامیات سے متعلق مضامین ان کے قلم کے یا ان کے نظر ثانی کیے ہوئے ہیں۔ مگر گوشتہ بغیر کے پھیلائے ہوئے زہر کا توڑ بڑی حد تک جن چند شریف منصف مزاج انگریزوں نے کیا ہے۔ ان میں سر ویلیم ڈی کی طرح پیش پیش سر ٹامس آرنلڈ بھی تھے۔

(۲) یہ نوٹ غالباً سب سے اول بار انتخاب مخزن میں نکلا تھا مخزن مرحوم کا اب کوئی کیسا تعارف کرائے کہ اپنے زمانہ میں لاہور کیا معنی ہمارے ہندوستان کا کیسا بیش بہا ادبی پرچہ تھا۔

(۳) الف مولانا شبلی کا اصل تخلص صرف شبلی ہی تھا۔ شبلی نعمانی بس کہیں کہیں ضرورت وزن

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہی سے لاتے ہیں۔

ب۔ مولانا شبلی کے قیام حیدرآباد کا زمانہ قیام لکھنؤ سے قبل کا ہے۔ واقع کی جس صحت کا ذکر آیا ہے مولانا شبلی اس وقت جوان تھے۔

(۴) الف۔ محسن الملک مرحوم شیعہ سے سنی ہوئے تھے۔ حنفی نہیں۔ اغلباً مسلک اہلحدیث پر آخر دم تک قائم رہے۔

ب۔ سر امیتوشی مکھرجی (مکھرجی نہیں) کا سر کاصرف ریونا گری رسم الخط کے اجرا سے متعلق تھا۔ ہندی زبان سے متعلق نہیں۔

ج۔ محسن الملک بہادر نے علی گڑھ کالج کی سیکرٹری شپ سے استعفا گو پیش کر دیا تھا۔ لیکن بالآخر رہے وہی سیکرٹری اپنے وقت وفات تک۔

(۵) الف۔ حالی کا دیوان اور مقدمہ دیوان دونوں ساتھ ہی ساتھ چھپے تھے۔ بشرو شاعری کے نام سے مقدمہ الگ ہو کر تو ان کے انتقال کے بعد شائع ہوا ہے۔

ب۔ ان کے شدید مخالفوں میں شیخ سجاد حسین کا کوروی ایڈیٹر اودھ پنچ بیشک آگے آگے تھے اور ان کا ساتھ شیخ احمد علی شوق ایڈیٹر آزاد بھی دے رہے تھے حضرت موہانی کو ان دونوں کے ساتھ منسلک کرنا صحیح نہیں حضرت نے اپنے ابتدائی دور کے مضامین اول تو بہت بعد کے کئی سال بعد کی۔ اور دوسرے اس کا رنگ اودھ پنچ کا بالکل نہ تھا۔ دونوں شعر جو آپ نے نقل کیے ہیں وہ خالص اودھ پنچ کے ہیں۔

ج۔ دوسرے شعر کا دوسرا مصرع صحیح یوں ہے ؎

غازی میاں کا حال ڈھالی سے پوچھیے

اودھ میں دھوم دھام سے میلہ غازی میاں کا ہوتا ہے۔ وہ کہ بدھو میاں کا ہیں میں ڈھلا خوب بیٹھتا ہے

(۶) مولانا شبلی مرحوم سے سن میں بہت چھوٹے تھے اور ان کا بڑا ادب کرتے تھے۔ تحقیق کے لیے استفسار ضرور انہوں نے کیا ہوگا۔ لیکن آج کل کے پڑھنے والوں پر اگر اس سے یہ اثر پڑے کہ دونوں ہم سن اور ہم بے تکلف دوست تھے تو یہ صحیح نہیں۔

(۷) نذیر احمد کے بگڑے پر آزاد کی اصلاح والی روایت غلط اشتہ ہے میں نے اسے اول بار جدی انادی مرحوم سے بحوالہ مولانا شبلی سنا لیکن جب خود مولانا سے دریافت کیا تو انہوں نے

اس سے بالکل انکار فرمایا اور کہا کہ نذیر احمد بھلا اسے کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ اپنا یہ سکہ اصلاح کے لیے کسی کے آگے پیش کریں۔

(۸) شرر مرحوم عالم دین تو شروع ہی سے تھے۔ ہاں آخر زمانہ میں صورۃً بھی پورے مولوی ہو گئے تھے۔ داڑھی بہت بڑی اور گھنی ہو گئی تھی۔ اعمال بالحدیث تھے۔

والسلام۔ دعاگو عبدالماجد

(۳)

شرر مرحوم کے والد کے انتقال کی خبر پڑھ کر، ۸ مبارک سے اشارہ رمضان کی طرف ہے

دریاباد

۱۹ اپریل ۱۹۵۱ء

برادرم!

السلام علیکم

۱۵ کو نوائے وقت ایک روزہ کی تاخیر سے کل ۱۸ کی شام کو موصول ہوا اور اسی میں سانحہ کی خبر پڑھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جس کچھ ہی ہو جاتے باپ کا وجود دنیا میں ایک بہت بڑی نعمت ہوتا ہے جس کا کوئی بدل نہیں اور اس کے بعد ساری ذمہ داریاں اپنے ہی سر آ پڑتی ہیں۔

مرحوم کی مغفرت کے لیے یہی کیا کہے کہ ۸ مبارک نصیب ہوا۔

دعاگو و شریک غم،

عبدالماجد

(۴)

شرر مرحوم نے جٹان میں حاجی سید وارث علی شاہ کے معتقدین کی روش کے بارے میں بعض خیالات کا اظہار کیا تھا۔ مولانا دریابادی نے اپنے خطوں میں انہیں سے اتفاق یا اختلاف یا وضاحت کی ہے۔

مولانا دریابادی نے شرر کے مضمون کا نمبر ۲ جواب دیا ہے۔ نمبر ۱ میں حاجی وارث علی شاہ، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا حسین احمد مدنی کی طرف اشارہ ہے۔ نمبر ۳ میں حاجی صاحب کے اور ان کے مریدین کے تنگ نہ کیا جائے رہنے، جو تا پہننے، ہمیشہ حالت احرام میں رہنے کی ممانعت اور اس کے پس منظر کو ذکر کیا تھا۔ نمبر ۴ میں پنجاب کے بعض دیابنہ و مالکی فقہ کا بیان تھا۔ نمبر ۵ و ۶ میں حضرت حاجی صاحب کی کل و شرب کی عدم استیلاء کا بیان تھا۔ نمبر ۷، ۸ و ۹ میں ملک غلام محمد سابق گورنر جنرل پاکستان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ حضرت حاجی صاحب کے مرید رہتے، خواب میں انہیں دیکھا

تھا اور بارہا ان میں صرف اعتقاد رکھتے تھے۔ نمبر ۱۰ میں حضرت حاجی صاحب کے ایک مرید کے عشق و مستی کے واقعہ کا بیان ہے اور اس بات کی تردید کہ پیار میں پردہ فریضہ ہوتے تھے، ان کی عزیزہ تھی اور تعلق برگزیدہ تھی۔ مولانا دریابادی کا خط و خطبہ۔ انقلاب و آداب شاید چٹان کی اشاعت میں صفحہ کر دیے گئے ہوں۔

۷ فروری ۱۹۵۱ء

۱۔ حاجی صاحب کی ذات مختلف فیہ رہی ہے۔ جہاں آپ کے ماننے والے بے شمار تھے وہیں، منکرین کی جماعت بھی اچھی باوقعت و اقتدار رہی ہے۔ حضرت تھانویؒ — مولانا حسین احمدؒ وغیرہما کا شمار اسی آخری جماعت میں تھا۔

حاجی صاحب کا انتقال سنہ ۱۹ میں ہوا ہے جب میں ۱۲ سال کا تھا۔ اتفاق یہ اسی دن زلزلہ بھی آیا۔ معتقدوں نے سے بھی کرامت پر حمول کیا خود میرے اعزہ میں کثرت سے آپ کے معتقد تھے۔ لیکن بعض شدید مخالف بھی، حالات دونوں کی زبان سے بہت کثرت سے سننے میں آتے۔ آخری فیصلہ میں نے یہ کیا کہ آپ تمام تر شکر سے مضطرب ایک مجذوب تھے۔ اور اس لیے مرفوع القلم۔ قطعی تارک الدنیا اور ہر وقت مستغرق۔ لیکن تربیت صحت شاذ کے ناقابل عمر بھر مجنوں رہے اور ہر قسم کے علائق سے آزاد ——

۲۔ ہر مرید یا متبع نہیں۔ یہ موضع صرف واقعی نقر کی نفی اور ہے۔

۳۔ صدقت و برورت (تو نے سچ کہا خدا تجھ کو جزا دے) (آداب ترجمہ)

۴۔ یہ روایت کبھی ہے کہ کسی خاص دور زندگی کی حد تک صحیح ہو عام حالات میں آپ عدم اعتیاء کے پابند کبھی نہ تھے۔ سال کے ۱۲ مہینے ایک خود فراموشی کی کیفیت طاری رہتی تھی کھانا پانی کوئی بھی چیز خود سے طلب نہ کرتے۔ جب اور جس وقت کسی نے جو کچھ کھلا دیا برائے نام کھا لیتے۔

۵۔ لیکن قطعی انکار ان سے بھی نہ کرتے۔ جب کسی نے بریانی شیرمال وغیرہ پیش کر دی ایک آدھ لقمہ اس میں سے بھی چکھ لیتے۔

۶۔ ان کو حاجی صاحب کی زیارت صرف خواب میں ہوئی تھی۔

۷۔ ایک دفعہ نہیں بارہا۔

۸۔ یہ روایت خدا معلوم آپ نے کہاں سنی؟ ملک صاحب کا کوئی پیر نہ تھا۔ جو کچھ بھی تھے۔ وہ حاجی صاحب ہی تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۹۔ سب سے زیادہ دھوکا آپ کو یہیں ہوا ہے۔ اسی ضلع میں دیوا سے چند میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے تیرگانواں وہاں کے ایک شریف زادہ حافظ عبدالکریم نامی تھے حاجی صاحب کے پرستاروں میں سے پیاری بیچاری کوئی طوائف نہ تھی۔ انہیں کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھی۔ حافظ اس پر فریفتہ ہو گئے اور بجائے کسی لفنگے پن کے اس سے باضابطہ عقد کر لینا چاہا۔ لیلیٰ کے والدین کی طرح پیاری کے والدین کو بھی غلط فہمی ہو گئی۔

اس کے بعد کی داستان بڑی طویل بھی ہے اور حیرت انگیز و دردناک بھی۔ جنوں کے قصے تو سُنے سنائے ہیں۔ حافظ نے اس ساری داستان کو شنیدہ کی بجائے دیدہ، کردہ کہا۔ گویا میں کہ میں ہی الملکائی۔ قصہ کے ٹکڑوں نے چیتایا۔ جوں نے پیاری کے کپڑوں کا بہانہ کر کے آپ اُن سے انعام وصول کیا۔ ایک بدلحاظ جنونی عشق میں (چہرہ پر دیا سلائی کا مسالہ مل کر) جن کا روپ بھر کر رات کو اس کے مکان میں کود سے۔ ماں وغیرہ سب ڈر کر چھپ گئیں۔ ان کے ہوش اس عالم میں بھی اتنے باقی رہے کہ انہوں نے پیاری سے صرف قرآن مجید سنانے کی فرمائش کی۔ آخر ایک دن اس کے گھر کے کنوئیں میں خودکشی کے ارادہ سے چھلانگ پڑے۔ لوگوں نے نکال لیا۔ لیکن صحت تو بھی ہو چکے تھے۔ اُدھر پیاری کی شادی کسی اور سے ہو گئی۔ اولاد اس سے اولاد بھی ہوئی (اس کا بھی امکان ہے۔ کہ پیاری ۹۰، ۹۲ سال کی عمر میں کہیں زندہ ہو۔ حافظ آبادی اور ویرانے، سب کہیں ایک کمبل اوڑھے اور "مرہ" ہے پیاری کا نعرہ لگاتے پھرتے ہے۔ آخر میں دوستوں کی سفارش پر مرشد ہی کو رحم آیا حافظ کو گھر ہی پر تنہا ملا کر مراقبہ کرایا۔ اس کے بعد خود حافظ بیان کرتے (جس ان کا نام پڑا گیا تھا) کی روایت بھی یہی تھی کہ۔

"میں نے دیکھا کہ پیاری دلہن بنی ہوئی ایک چھپر کھٹ پر بیٹھی ہوئی ہے۔ بے انتہا حسین و دلکش میں نے خود کو کر سر دل پر گر پڑا۔ اور مرشد کی آواز کان میں آئی "تو اپنے رب کو بھی حشر میں اسی شکل میں دیکھے گا" ۔۔۔ آنکھ کھل گئی۔ دل کو تسکین تھی اور مراقبہ شریف کا اثر غائب تھا۔ واللہ اعلم

میں نے حافظ پیاری کا آخر دم تک زندہ دیکھا ہے ۱۹۳۲ء سے کئی سال بعد اُن کے وقتِ انتقال تک، سیکڑوں، ہزاروں معتقد خود اُن کے بھی تھے جو شاہ بھیک کے سیٹھ اور حیدرآباد کے سراج اور اُن کی زندگی بڑی عیش و عشرت سے بسر ہو رہی تھی۔ ویسا ہی میں ان کا بھی مزار ہے۔

(۵)

۱۹ مارچ ۱۹۵۶ء

دیابار باربنکی

برادرم وعلیکم السلام

قبل اس کے کہ اپنے سفرنامہ کے سلسلے میں ذکر اور ذکر ہمیشہ ذکر خیر ہی کا مرادف نہیں ہوتا) آپ کا، اور آپ کی شاعرہ بالغہ والی دعوت کا کروں، آپ کا مالا مامہ پہنچ گیا۔ کل شام کو ملا اور آج صبح ہی پہلی ممکن ڈاک سے جواب لکھنے بیٹھ گیا۔ سفرنامہ میں اس ذکر کا موقع تو کہیں ہفتوں بعد نکل پائے گا۔

تازہ چٹان ابھی بھی ڈاک سے ملا اس میں ۳ مارچ کے چٹان کے حوالہ سے ایک مراسلہ مولوی مسعود علی ندوی پر بڑا تند و تلخ نکتہ ہے جو اصل مضمون بالکل یاد نہیں پڑ رہا ہے۔ یاد کر کے وہ تراشہ ضرور بھیج دیجیے گا۔

آپ نے سوال کر کے ایک نازک مسئلہ چھیڑ دیا۔ مولانا مرحوم سے اختلاف دارالمصنفین کو تو کبھی نہیں رہا البتہ خود سید صاحب مرحوم کی مولانا سے متعدد رنجشیں اور شکایتیں رہیں جن کا اظہار وہ اپنی صحبتوں میں برابر کیا کرتے تھے۔ وہی آپ تک پہنچی ہوں گی۔ پہلی شکایت سید صاحب کو یہ تھی کہ الہلال (دورِ اوّل) کے فلاں فلاں مشہور و مقبول مضمون سید صاحب کے قلم کے تھے بعد کو کسی مجموعہ میں چھپے تو مولانا کے نام سے اور مولانا نے اس انتساب کی تردید نہ کی اور مرا الحق انہی سید صاحب کو فہار خالد اور مذکرہ کے متعدد بیانات پر تھا۔ مثلاً مولانا کا سفر عراق، یا مولانا کے بزرگوں میں فلاں فلاں بزرگ کا ہندوستان سب کو وہ افسانہ سمجھتے تھے اور اس ضمن میں مولانا کی ازہر میں تعلیم بھی جاتی رہی اگرچہ اسی روایت کی براہ راست زمہ داری مولانا پر نہیں آتی اس طرح ترجمان القرآن کے وہ ذرا بھی قائل نہ تھے اور اس میں ان کے ساتھ اہل علم کا ایک بڑا گروہ تھا۔ ان سب کے علاوہ بعض شکایتیں کا تعلق مولانا کی ذاتی مذہبی زندگی سے ہے۔ مثلاً ترک نماز، ترک روزہ اور وہ شغل شانہ جس کا نام نہ لوں گا۔ (اس کے متعلق روایتیں آخر تک بقی ہیں اور ان صحبتوں کے محرم راز صرف آصف علی وغیرہ تھے، ہاں صاحب وہ ——— ندوی کون سے ہیں! جواب تک مولانا کی طرف سے صاف نہیں ہو سکے ہیں۔ اس کا جواب ضرور دیجیے گا۔ ایک اور بھی بات عرض کر دوں۔ جس سے بہت سی باتوں کا جواب از خود نکل آئے گا۔ انسان کی زندگی میں دو طرح طرح کے آتے رہتے ہیں اور جس نے صرف سطح در سطح دیکھے ہیں وہ اکثر لگے دوروں کی تصور بھی نہیں کر سکتا ایک مجھی کو لیجیے میری موجودہ وضع قطع کو دیکھ کر کون یقین کر سکتا ہے کہ ایک زمانہ میں شدید ملحد ہو چکا ہوں اور اس سے بھی قبل اپنے اسکولی دور میں ایک اچھا ایکٹر تو بس یہ سمجھ لیجیے کہ ۱۹۰۰ء، ۱۹۰۱ء، ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۳ء کے بھی ابوالکلام ۱۹۱۲ء والے ابوالکلام سے بالکل ہی مختلف تھے۔ ان کی ذہانت، ظرافت

طبائع ہر دور میں زمانہ رہی ہے لیکن ان کی تعداد اس دور میں بہت ہی مشتبہ رہی۔ بالکل اگر آپ کو بڑی سے ناگواری برداشت کرلیں تو ایک موجودہ فاضل ندوی کا یہ فقرہ اسی وقت کا تعلق کر دیتے ہیں کہ یہ ہمت تو اپنے وقت کے ابوزید السراجی ہیں" (سراجی مقامات حریری کا ایک مشہور کیرکٹر، جو بے زبانی میں اپنی مثال آپ) سید صاحب چونکہ مولانا سے بہت زیادہ قریب رہے ہیں اس لیے ان کا تاثر اس قسم کا بہت پڑھا ہوا تھا۔

آپ سے عرض کروں گا کہ ایسے لوگوں کو اور اب وہ دو ہی چار رہ گئے ہیں، زیادہ قابل الزام نہ سمجھیں۔ وہ ایک حد تک معذور ہیں۔ اور خبث نفس کے مجرم تو ہر حال نہیں۔

مولانا ذاتی طور پر میرے عمی رہے خصوصاً آخر زمانہ میں چنانچہ اس کا ذکر بھی میں نے اپنے مضمون کے آخر میں کر دیا ہے یا در بات ہے کہ ان کی ساری کوششیں ناکام رہیں تاوقتیکہ کہ خود پبلشر بھی نے ان کی تائید نہ کی۔

ظاہر ہے کہ یہ خط محض رسمی نہ تھا اور صرف آپ کے ذاتی معلومات کے لیے ہے۔ یہ اثر شاید آپ کے غلو میں ہی کا ہے کہ دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیا۔

صدیث العاشر والاصفون تو ہست پر اما ہے، ۱۲ء کا آپ جس کا حوالہ دے رہے ہیں وہ ۲۳ء کا ہے ذرا کہ رسالہ کام مصطفیٰ کمال کی تاسیخ خلافت کے بعد۔ اسی کا عنوان "انتباہ العظیم" تھا اصل اس کا پہلا ٹمبر خلافت (بمبئی) میں نکلا تھا اس میں تو تعریض مولانا محمد علی کی جوہر علی تائید خلافت پر تھی۔ مولانا محمد علی اس کا جواب لکھوانا چاہتے تھے کہ کچھ مخلصین نے درمیان میں پڑ کر اس سلسلے کو بند کرا دیا اور دوسرا نمبر ہی اس کا نہ نکل سکا۔

ہاں صاحب یہ چٹان کی ایک بات سے نہایت ہی ناخوش ہوا تھا اور دلی رنج کے ساتھ غصہ بھی محسوس کیا تھا یہ بوٹا سکھ کو ہیرو بنانے کی کوشش دینی و دنیوی ہر اعتبار سے بہت ہی مکروہ

والسلام، دعاگو دعاخواہ،

عبدالماجد

مولانا کے ابتدائی دور اقیام بستی کے ایک رفیق آغا محشر مرحوم تھے وہ ایسے ایسے فقرے چلتی کرتے تھے کہ مولانا کا کوئی معتقد انہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ آغا سے مجھ سے ۱۹۱۵ء لکھنؤ میں خوب ملاقاتیں رہی تھیں۔ اسی عرصہ میں وہ مع اپنی کمپنی کے شہر سے ہوتے تھے۔

۸ اپریل ۱۹۵۵ء (۶) دریاباد ضلع بارہ بنکی

برادرم وعلیکم السلام

کتب کے جواب میں مقالہ اور مقالہ کی پورا رسالہ لکھ ڈالا میرے شیر نے! میں نے بھی وقت نکال ایک نہیں دو نشستوں میں پڑھ ہی لیا۔ اول سے آخر تک۔ یہ ہمت بھی کچھ کم نہ رہی۔

میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد!

غازی مسعود کریں آپ کی طرف سے کہے دیتا ہوں لیکن حضرت یہ کیا کہ میں نے مانگا کچھ اور آپ نے بھیجا کچھ؟ میں نے تو مانگی مولوی مسعود علی کی اصل تحریر یا تقریر تھی جو اس سراسلہ کا باعث ہوئی اور آپ نے مرحمت کیا اللہ ہی سراسلہ!

روزنامہ کی بجوا سی شاید ایسی ہی مثالوں کے رم سے اپنی شہرت قائم کیے ہوئے ہے.....

ہاں صاحب! عام السرار کے لفظ میں ایک مزید نمک نمائش کنایہ بھی ہے مولانا شبلی کی نظر اور ہر گئی، ورنہ روہ گزنہ یہ لفظ نہ لاتے۔ الفاظ کے بارے میں بڑے محتاط تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے متعلق ایک ناگوار رہبتی بھی اسی زمانے کی مولانا نذیر احمد دہلوی کی جانب منسوب مجھ تک پہنچی ہے۔ واللہ اعلم صحیح یا غلط۔ راوی اگرچہ شیعہ ہیں لیکن بہ ظاہر ہر طرح ثقہ۔

مضمون کے بارے میں میرے قائل کو خدا کے لیے کسی تصنع و تکلف پر محمول نہ کیجیے۔ صرف میری معذوریوں کو مستحضر کر لیجیے اکھٹی چار بار فریضہ حج ادا کرنے کے لیے اس وقت تک موصول ہو چکی ہیں۔ اسی ہی زور دار دعوت سے اور علی گڑھ سے اور لاہور سے دو سری فرمائشوں کا ذکر ہی نہیں، جو دعا کے اور کراچی سے دوسرے مخصوص نمبروں کے لیے سلسلہ ہو چکی ہیں۔

آخر انسان ہوں جن کو کر لوں جاؤں۔ دو چار سطریں دوسرے کاغذ پر لکھے دیتا ہوں ہاشم سلیم علی گڑھ میں آنے پر آپ کا خط انہیں دکھا دوں گا۔

والسلام، دعاگو، عبدالماجد

(۷)

مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب انڈیا ونس فریڈم کے ردمیں "آزادی ہند" کے نام سے ایک کتاب نیر اعظم نے مرتب کی تھی لیکن سرورق پر مولانا آزاد کی تصویر کے ساتھ انکا نام بھی چھاپ کر شائع کرنا چاہا کیونکہ مولانا کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ شاید یہ حرکت ناشکری ہو اسے علمی حلقوں میں سخت ناپسند کیا گیا۔ عبداللہ بٹ ہم نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ شورش مرحوم نے بھی چٹان میں اس پر سخت جملہ کیا۔ اس میں ذکر

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا مدنی بادی کا بھی آگیا تھا کہ جعفری صاحب مولانا مدنی بادی کے مخصوص ارادت مندوں اور مخلصوں میں تھے۔

مدنی باد

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

کیوں حضرت یہ کہاں فایدہ کہاں زندگی شق اپنے اس نیازمند پر میں تو آزادی ہند کی شکل ملک دیکھنے کا گنہگار نہیں پھر گرم گرم بحث کی لپیٹ میں میرا ذکر خیر کیسا میں اس کا نہ محل سمجھ سکا نہ محل۔

بانی ذنب قتلت

ظاہر ہے کہ جشان اور تبصرہ کے وسط کا ہے۔

مینجر صدق حکیم عبدالقوی سلمہ ابھی ٹکری سواری لاہور گئے تھے آپ کے ہاں بھی حاضر ہوئے تھے اتفاق سے آپ موجود رہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۸)

مولانا مدنی بادی مرحوم کا درج ذیل مکتوب شورش مرحوم کے جس خط کے جواب میں تھا جہاں اسے بھی درج کر دیا جاتا ہے شورش مرحوم کا یہ ایک خط تھا لیکن مولانا مدنی بادی نے اس کا راست جواب دینے کے بجائے اسے اپنے جواب کے ساتھ ۲۳ اپریل ۱۹۶۵ء کے صدق جدید میں جناب شورش مرحوم نے اپنے جواب الجواب کے ساتھ یہ خط چٹان کی اشاعت مورخہ ۱۹۶۵ء میں چھاپ دیا تھا۔

مکتوب شورش

یکم اپریل ۱۹۶۵ء

مکرم و محترم مولانا اسلام مسنون

لیکن ۲۶ مارچ کا مذاق نہیں ہے، ایک دو بہت سے پتا چلا تو یہ شمار سنگر اکر دیکھا۔ صفدر بہ دارالعلوم ندوہ کے ایک صاحب کا مراسلہ اور آپ کی دو صاعت دونوں میرے سامنے ہیں۔

۱۔ میں نے جو کچھ چٹان میں آپ کے حوالے سے درج کیا ان ہی کے قلم سے ہے، اور اس دعوے سے

۲۔ میں نے آپ کو لکھا تھا کہ آپ مولانا ابوالکلام آزاد کے نام پر درج کا نشان کیوں نہیں دیتے۔ اس کا استعمال کس مرکز پر ہوتا ہے، اور معیار کیا ہے؟ آپ نے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ میرے پاس محفوظ ہے اس میں تقاضا بھر میں پھر بنیاد کیا گیا۔ میں افتراپرداز پر لعنت بھیجتا ہوں۔

آپ نے جواب پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے، اور مختصر ہے۔ اب سیاق و سباق کے نام پر گریز و تحریر جائز نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد ہی کے بارے میں آپ نے مذکورہ پوسٹ کارڈ لکھا ہے اور اس میں مولانا کا نام موجود ہے۔ آپ نے اب جو پریشان کن ہے، صحیح نہیں ہے۔ پاکستان میں اپنے کسی معتمد، مخلص اور مسئول دوست یا عزیز کو ہدایت فرمایئے کہ وہ میرے ہاں اس خط کو ملاحظہ کر لیں۔ ڈاک کی مہر اور آپ کا قلم دونوں صاف ہیں۔ یہ خط شائع کیا گیا، تو مجھے امید ہے کہ آپ کو مزید پریشانی اور پشیمانی ہوگی۔ کہیے آپ کی رائے کیا ہے؟ افسوس ہے کہ آپ اپنا ہی لکھا بھول جانا چاہتے ہیں۔

۱۵ اپریل ۱۹۶۵ء تک آپ کے جواب کا منتظر ہوں گا جواب نہ ملا تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ کے ملاحظہ نے تسلیم کر لیا ہے واضح ہے کہ میرے پاس آپ کے تین خطوط اور بھی ہیں جن میں مولانا سے متعلق آپ کے رائے کا غبار موجود ہے۔

والسلام

المخلص: شورش کاشمیری

جواب

(از عبدالماجد)

مہربان نامہربان او علیکم السلام

شرفا کے ہاں دستور ہے کہ ہر تنگ سے تنگ بحث کا بھی خاتمہ معذرت پر ہو جاتا ہے، خصوصاً معذرت غیر مشروط پر ——— معذرت کر دی گئی، اُمید پوری نہ ہوگی۔

گریز اور فرار اور اس قبیل اور اس قبیل کے سارے ہی لغات کے بے محابا استعمال میں آپ کو جو ملکہ حاصل ہے۔ اس میں آپ سے مقابلہ کی مجال کس کو ہے ——— اپنا عجز تو تمام تر مسلم ہے۔

رہا نفس جواب، تو اس کے بارے میں فیصلہ تو جبھی ہو سکتا ہے، جب مسائل کے اصل کاغذ دیکھ لیے ہیں۔ اور ہاں اگر مسائل سے بے تکلفی ہے، تو کبھی اس کے حقیقت کے نکتوں کی اصلاح بھی تو نظر آتی ہے، پھر تاثر اگر دیدہ اور بصارت کے جواب کا تعلق مولانا کی ذات سے مخصوص وجود تھا، تو یہ سو فیصدی باطل ہے۔ اس کے بجائے نام نمود کر کسی کا بھی سوال میں ہوتا مابنطبہ کے لحاظ سے سب کے لیے جواب ایک ہی ہوتا، اور خود مجیب کے حق میں تو سب سے بڑھ کر۔

ذال کا غباء معلوم نہیں، آپ نے کس جبہ کا نام رکھا ہے، ظاہر ہے کہ مولانا مرحوم کو اُن کے سامنے کمالات کے اعتراف کے ساتھ معصوم تو سمجھا جانے سے رہا۔ جیسا کہ کسی بھی فاضل محترم کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ یقیناً موصوف کی کچھ کمزوریوں ہی کا ذکر ہوگا۔ اب اگر کوئی اپنے ممدوح، محبوب، مقتدا کے مثالب کو شائع کرنے ہی پر تُل جاتے۔ مگر ایک رقیب روسیہ کی زبان سے تو اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے؟ ——— البتہ عقیدت و اخلاص کی یہ ایک نئی قسم ہوگی۔

۱۹۱۸ء کے قبل جو کچھ نہیں ہوا ہو اس کے بعد سے (دھرے یہ احتیاط رہی تھی کہ عمومی اور کھلا کوئی مخالفانہ بیان بالکل میں نہ آنے پائے۔ اور مولانا میرے ایسے ہی مخدوم و محترم ہو گئے تھے جیسے اس زمرہ کے بہت سے دوسرے ادیب و خطیب، عالم و فاضل، لیڈر اور رہبر ——— احتیاط تو آپ تک کے باب میں یہ رہی کہ شکایتی مراسلے میں نام نہ آپ کا آنے دیا، نہ آپ کے پرچے کا ———

اب رہی میری "مزید پریشانی و پشیمانی"، تو اس کی سعی و اہتمام جس کا حصہ ہو چکا۔ اسے اب کسی تکلف، تامل و تذبذب کی ضرورت کیا ہے ؎

راضیم من شاکرم من اے حریف
پیش تو ریز و پیش حق شریف،

مقصود آپ کی تحریر کا آپ یقین فرمائیں کہ اب بھی نہیں سمجھا۔ یعنی آخر آپ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مختصر لفظوں میں آپ اسے فرما دیں، تو ممکن ہے کہ بات بہت جلد صاف ہو جائے یوم الحساب جس طرح محمد بیر فرقت سے دُور نہیں، اسی طرح آپ کے سے جواں سال سے بھی نہیں۔ اور عجب نہیں کہ یہ سب مولانا مرحوم کے عین مواجہہ میں ہو کہ ہم دونوں میں ظالم کون ہے اور مظلوم کون۔

۔ کٹ کی بنا پر آپ نے میری ایک نجی تحریر کو رکھا ہے اس لیے جواب بھی اپنی نجی حیثیت میں دے رہا ہوں۔

جواب الجواب

اُوپر کا خط اور اس کا جواب ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں۔ میرا خط مولانا کے نام ذاتی تھا، برائے اشاعت نہ تھا۔ لیکن مولانا شرافت اور شرفاء کے حوالے تو دیتے جاتے ہیں، شرافت کے ادنیٰ تقاضہ کو سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے۔ بہرحال ایک شریف کے لیے شرافت کا

واسطہ بڑی چیز ہے۔ ہم اس کٹ کو اس توقع پر ختم کرتے ہیں کہ مولانا خود بھی شرافت کے تقاضوں کو پاس رکھیں گے، اور مولانا ابوالکلام کو معصوم نہ سمجھنے کے باوجود ان کے ذکر میں حفظ مراتب کا لحاظ ضرور ملحوظ رکھیں گے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی
شورش کاشمیری

از: فقیر عطاء اللہ بی ایل اسلامیہ کالج پشاور (پاکستان)

کالج میگزین "البعثہ" کے شمالی نمبر کے لیے مضمون کی فرمائش کے جواب میں

۱۸، اکتوبر ۱۹۵۲ء — دریاباد، ضلع بارہ بنکی

جناب والا! وعلیکم السلام

آپ خدا کے لیے میرے اوپر رحم فرمایئے، اگر کئی ہفتہ ناغہ نہیں ہوتا کہ ہندوستان و پاکستان سے سرد فرمائشیں نامے اسی طرح کے "حقوق" کے واسطے سے نہ آتے ہوں، اسے "صدق" میں بار بار اپنی معذوری لکھ چکا ہوں، اسے آپ حضرات پڑھنے کے قابل نہیں سمجھتے۔

مستقل وقت معذرت ناموں ہی کے لکھنے میں صرف ہو جاتا ہے، یہاں "سمک پھر نیست تا مستقل شود" کی فرمائش میرے اوپر مرتبہ ظلم کرتا ہے۔

والسلام
عبدالماجد

از: نیال صاحب (پرتاب، دہلی)

کتب الہ کے ایک نام نہاد "پرتاب" دہلی کے جواب میں

۱۰، مارچ ۱۹۵۳ء — بسم اللہ — دریاباد، بارہ بنکی

جناب من! تسلیم

کل ایک صاحب نے کانپور سے "پرتاب" کا ایک تراشہ ارسال فرمایا ہے جس پر تاریخ درج نہیں، اس میں مگر تو بڑا نہ مانے! مالم نیال صاحب کے قلم سے صدق و مدینہ صدق پر اور جو کچھ گمراہ نشانی کی گئی ہے اس پر شش و پنج نہ کیوں کر ہو گا، صرف اتنا بے ادب دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو بار بار میری جانب منسوب کیا گیا

ہے کہ میں اپنا وطن پاکستان کو سمجھتا ہوں، تو براہ کرم ارشاد ہو جائے کہ میری اس تحریر پر آپ نے کہاں دیکھی ہے؟ آپ نے لکھا ہے کہ "مولانا پاکستان گئے تھے، تو ان کے ایمان میں تازگی آگئی تھی"، اور انہوں نے کہا تھا کہ اپنا وطن آخر اپنا وطن ہے۔ وہ ہندوستان میں رہتے ہیں لیکن اپنا وطن پاکستان کو سمجھتے ہیں"، سو یہ عبارت یا اس کے قریب قریب بھی میرے سفرنامہ کے کسی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کسی سطر میں ہے؟ سفرنامہ نہ سہی، صدق کے کسی نمبر میں؟ بڑا شکر گزار ہوں گا، اگر آپ پورا حوالہ مجھے لکھ بھیجیں گے۔

نیاز کیش:
عبد الماجد

آل احمد سرور (علی گڑھ) (۱)

۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء — دریاباد

کرم گستر! — السلام علیکم

"ہماری زبان" ۲۲ جولائی ۱۹۵۶ء پیش نظر ہے، کتاب کا مروق حسب ذیل ہے۔ ضلع جگت ۳۳۳ صفحہ عالی جناب معلی القاب راجہ رایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے سی آئی ایس۔ یمین السلطنت پیش کار وزیر اعظم دولت آصفیہ التخلص برشاد، تلمیذ حضرت آصف غلام اللہ مکلہ و سلطنتہ دمبلیغ اخترو کی طبع شد۔

۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء کے پڑتا ہے، جم ۲۲×۱۵ سانٹی پر ۵ صفحہ دو کالمی ہے، مہاراجہ شاد اس فن کے مانے ہوئے اُستاد تھے۔ اصفا علیل جانشین امیر کی تصنیف ہے، لفظ "جگت" پر مرزا شوق لکھنوی کا ایک شعر رسالہ کے دیباچہ سے آپ کے صفحات میں نقل ہو چکا ہے، دوسرا شعر بھی ان ہی شوق لکھنوی کا سن لیجیے ؎

میرے تیچھے نہ اس طرح پڑیے — اور جا کر کہیں جگت لڑیے

رسالہ کے خاتمہ پر اپنے نسخہ میں چند فقرے اس خاکسار نے بھی اضافہ کر دیے ہیں، شفاخانہ دوکان کے ضلع میں "میری خطائیں۔ کثیر ایلائچی۔ سوامی رام تیرتھ بڑے شخص تھے۔ عبارت قوسین میں لکھے۔ دردزہ میں تکلیف ہوتی ہے۔ نان خطائی کھلیئے دیکھیو۔

میرے نسخہ پر بکثرت حاشیے ایک باکمال لکھنوی نے قلم اور پنسل سے لکھ دیے ہیں، لکھنؤ میں اب بھی دو ایک اس فن کے اُستاد موجود ہیں۔

ہمارے بزرگوں میں مولانا سید سلیمان ندوی باوجود اپنی ساری ثقاہت و ثقات کے اس فن میں طاق تھے اور نام لینا اگر بالکل ہی بے ادبی میں داخل نہ ہو تو اب کیا عرض کروں کہ ہمارے اور اُن کے شیخ طریقت مولانا تھانوی بھی مناسبت لفظی کے بادشاہ تھے۔

والسلام
عبد الماجد

(۲)

۲۵ اپریل ۱۹۶۲ء — بسم اللہ — دریاباد

مکرم بندہ!

آپ کا ۲۲ کا پرچہ پیش نظر ہے اس کے ایک سلسلے میں سابق کے ایک مکتوب نگار سید فضل الحسن کے مکتوب ۲۲ مارچ کی چار عبارتوں پر گرفت کی گئی ہے، عبارتیں یہ ہیں:

(۱) ابھی حال میں (۲) کوئی اعلیٰ پایہ کا خوشخط (۳) ایک اہم ترین (۴) موٹے قلم کی کاوش۔

مجھ کم سواد کو ان چاروں میں زبان کی کوئی بھی غلطی نظر نہ آسکی "حال" میں تاکید روز مرہ کا اضافہ خادمہ روز مرہ میں بالکل جائز ہے، اور "موٹے قلم کی کاوش" کی غلطی تو اور بھی سمجھ میں نہ آئی فصاحا کا استعمال لغت صرف و نحو کے قاعدہ پر حاکم ہے محکوم نہیں! "اہم" اردو میں لازمی طور پر "فضل التفضیل نہیں" اہم تر" اور "اہم ترین" دونوں بالکل درست ہیں۔

والسلام
عبد الماجد

(۳)

(۱۲) میں ہندوستانی اکیڈمی کا جلسہ تھا جس میں سروجنی صاحبہ تشریف نہ لے جا سکے تھے۔ اسی کی روداد بیان فرمائی۔

۱۲ اگست ۱۹۶۲ء — بسم اللہ — دریاباد

برادرم! السلام علیکم

ادھر آپ پٹنے گئے اُدھر یہ نیاز مند پٹنے کے قریب پہنچ گیا ۲۲ تاریخ میں ایک ذہانی سبھا تھی ۲۱ جولائی کو الہ آباد میں دیکھنے میں آئی۔ اردو کانگریس نہایت بدمزہ بے زبان آپ نے شرکت نہ کر کے ظلم کیا اُردو پریس اکیڈمی پر اور خود اپنے پر، کون جانتا تھا کہ یہ غم سرور کے ہاتھوں اٹھانا پڑے گا۔

والسلام
عبد الماجد

(۴)

لفظ چورنی

چوٹنے کے لیے مرنش چٹنی تو مستعمل ہے لیکن چورنا کہیں سنے نہیں گزرا البتہ شاہ رفیع الدین دہلوی قدیم مترجم قرآن کے ترجمۂ قرآن مجید کے ایک ایڈیشن میں السارقۃ کے لیے لفظ چورنی لکھا دیکھا گزرا۔

شاہ صاحب کا شمار اہل زبان میں ہے اس لیے تنہا ان کی سند کافی ہے لیکن اگر ایک آدھ سند کہیں اور سے مل جاتی تو دل کو مزید اطمینان ہو جاتا۔ پھر یہ امر بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ شاہ صاحب کے ترجمہ کے میں نے پانچ مختلف ایڈیشن دیکھے مگر یہ لفظ صرف ایک ایڈیشن میں ملا اور یہ ایڈیشن تاج کمپنی لاہور و کراچی کا مطبوعہ چھوٹی ٹائپ کی صورت میں۔

عبد الماجد
دریا باد - بارہ بنکی

(۵)

حیدر آباد (دکن) کی ایک مشاق لکھنے والی کی خبر انتقال ہماری زبان اردو گڑھ میں پڑھ کر

۲۵ جنوری ۱۹۶۰ء
دریا باد

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

جہاں بانو نقوی کے گزرنے کی خبر آپ ہی کے پرچے نے سنائی۔ انا للہ۔

مرحوم کے اعزہ کا مجھے پتا شان نہیں معلوم۔ آپ کا احسان ہوگا اگر آپ میری تعزیت کسی طرح ان لوگوں تک پہنچا دیں، اللہ مغفرت فرمائے۔ ماہ و فات میں موت خوش نصیبوں ہی کے نصیب میں آتی ہے اور پھر کینسر سا موذی مرض تو خود ہی سارے گناہ دھو دیتا ہے۔ والسلام

عبد الماجد

(۶)

ترجمہ صاحب کے والد مرحوم کے انتقال کی خبر پڑھ کر

دریا باد
۱۶ دسمبر ۱۹۶۱ء

برادرم سلمہ! وعلیکم السلام

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کو خط لکھنے کو قلم سنبھال ہی رہا تھا کہ خود آپ کا خط مل گیا، سانحہ کی خبر میاں اشرف حمدوانی کے خط سے ہو چکی تھی، ڈھائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی اب پھر کر دی۔

باپ کا سایہ بہت بڑا سہارا ہوتا ہے جب تک زندہ رہتا ہے لڑکے کا سن جو کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے کو لڑکا ہی سمجھتا رہتا ہے، پوری فکریں اور ذمہ داریاں اس کے اٹھ جانے کے بعد ہی اپنے سر آپڑتی ہیں خوش نصیب ہے وہ اولاد جس کو اتنے سن تک باپ کی خدمت کا موقع ملتا رہے۔

بہرحال اب اللہ ہی مغفرت فرمائے اور ہر طرح سے مساعد رحمت کا رکھے۔

والسلام، دعاگو محمد الماجد

جوش ملیح آبادی (کراچی)

(۱)

مولانا دریابادی نے جوش کے ترک شراب نوشی کی خبر پڑھ کر بابائے اردو مولوی عبد الحق کی معرفت انہیں یہ خط لکھا تھا لیکن افسوس کہ یہ خبر صحیح نہ تھی۔

دریا باد
۲۷ ستمبر ۱۹۵۹ء
بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

کیا تازہ ترین مسرت قومی زبان میں ترک بادہ نوشی کی خبر پڑھ کر ہوئی، مخلصانہ مبارک باد صدقِ دل سے پیش ہے۔

ایسی شے جو زیلِ عقل ہو ہرگز کسی صاحب فہم و ادراک کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اب دوسری خوشخبری سننے کے لیے بھی مشتاق و منتظر ہی نہیں دعاگو ہوں، آپ کی شرافت پر مجھے ہمیشہ اعتماد رہا ہے اور میرا وجدان یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ جس قلم سے وہ زبردست ولولہ انگیز و وجد آفریں نعت نکل چکی ہے، ناممکن ہے کہ وہ اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں منکر و مکذب باغی و طاغی کی حیثیت سے حاضری دے ــــ وہ سعدی، حافظ، جامی، خسرو، ڈاکٹر اقبال و حسرت ہی کی صفوں میں محشور ہوگا۔ پتا معلوم نہ تھا فدوی کو اسی پتے سے بھیج جائے۔

والسلام
دعاگو: عبد الماجد

(۲)

دریا باد
۱۱ فروری ۱۹۶۲ء
بسم اللہ

حضرت جوش سراپا ہوش!

درود لکھنؤ کی خبر اور وہاں کی بزم آرائی لکھنؤ کے اخباروں سے معلوم ہوئی ــ

ہم سے بڑھ رہا غیروں سے ملاقات رہی

اگر یہ معلوم ہوتا کہ ابھی قیام کھنؤ میں ہے گا تو ضرور ملاقات کیلئے وقت نکال کر سفر اختیار کرتا یہ بھی علم نہیں کہ لکھنؤ میں قیام ہے کہاں؟

انداز سے یہ کارڈ بھیج رہا ہوں۔

سندی کا مصرع اگر ذہن سے نکل گیا ہو تو تازہ کر لیجیے ؎

قدیمان خود را بفرمائے بے قدر

والسلام، دُعاگو،

عبد الماجد

دریا باد (۳)

۳۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

والا نامہ ملا، ساتھ ہی نمونۂ لغت اردو بھی پہنچا! انشاء اللہ جلد ہی پڑھ کر کچھ نہ کچھ عرض کروں گا۔ بعض پاکستانی تحقیقیں پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے نقادوں کا زاویۂ نظر۔

قصور ڈھونڈھ کے پیدا کیے جفا کے لیے

نور و بین سے دیکھئے تو حسین سے حسین چہرہ میں داغدار نظر آسکتا ہے۔ اغلاط کے ذکر سے تشویش خاطر ہوئی، لیکن نہ تو "خدا کرے" اور "لعنۃ اللہ علیٰ من عبود" تو بڑی ہی ابعد فرد اغلاطیں ہیں۔

دنیا سے اٹھنا تو سب ہی کا برحق ہے لیکن دعا ہے کہ جوش کا بُلاوا جب اُدھر سے آئے وہ کسی صبا گسار، سزا وار، "کا نہیں بلکہ روحی، خسرو اور اقبال کی صف میں شامل ہونے اور کسی کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہنے والے کا ہو اور اس دعا کے قبول ہونے سے مایوس ہرگز نہیں۔

والسلام

عبد الماجد

(۴)

برادرم! وعلیکم السلام

اردو نامہ پہنچتا رہتا ہے اور اسی سے آپ کی مطبوعات کا بھی پتا چلتا رہتا ہے "مراۃ العروس"

و "مستطرف الحکایات" کے نئے ایڈیشن وغیرہ۔

نسخہ پہنچا اور اس کا معمول سے بہتر پایا۔ ذوالفقار صاحب نے حضرت اکبر پر تو غضب کھ ڈالا۔ قابلِ داد ہی نہیں، بلکہ قابلِ رشک بھی۔ یہ سب تو مجھے لکھنا تھا۔ نہ ہوا کہیں کا بادشاہ، نہیں تو ان کا منہ موتیوں سے بھر دیتا۔

بعض دوسرے مضامین بھی بہت خوب ہیں۔ دلچسپ بھی، معلومات افزا بھی۔

لغت کے باب میں آپ لوگوں کو کیا رائے دے سکتا ہوں۔ تاہم اپنے سن سے فائدہ اٹھا کچھ نہ کچھ تو عرض کیے ہی دیتا ہوں۔

اہل لغات نے بہت سے مستعمل الفاظ خواہ مخواہ چھوڑ دیے ہیں۔ آپ کے جامع لغت میں ان سب کو جگہ ملنا چاہیے۔ مثلاً کوئی ذکر کسی نماز نہیں بلکہ آیت اور پارے کی طرح ایک تقسیم قرآن کے معنی میں۔ محاذ، جنگ ..... کے معنی میں اخباروں میں کثرت سے چل گیا ہے۔ موجد غالباً سید جالب مرحوم ایڈیٹر ہمدم تھے۔

ستیاناس (Satyanas) اصلاً زبان میں سہاگ کے مترادف ہے۔

بیڑن، ادنیٰ درجہ کی ہندو بیسواؤں کی ایک ذات۔

حالیہ ("Present") کے معنوں میں۔

سنسنی خیز، زبان میں داخل ہو چکا ہے موجد غالباً ظفر علی خاں۔

چشمہ سار
پارچہ
تلنگا
رامشگر

یہ سب سرشار وغیرہ کے ہاں استعمال میں آچکے ہیں۔ اب البتہ کچھ متروک سے ہو گئے ہیں۔

ہتی ہے (ہے ہی کے بجائے زبان پر برابر مستعمل ہے)

تلفظ بھی جہاں جہاں دو دو مستعمل ہوں دونوں دیے جائیں۔ مثلاً ۱۲ اور ۱۱ آ کا تلفظ میں نے لکھنؤ اور دہلی دونوں جگہ باں اور گیاں دونوں نون غنہ کے ساتھ بھی سنا ہے۔ اسے نظر انداز کر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

بولنا حیدر آباد میں کہنے کے معنی میں ہے۔ یہ بھی ضرور درج ہونا چاہیے۔ یہیں میں لقمان کو حکمت سکھانے لگا۔

والسلام

۹ دسمبر ۱۹۶۱ء عبد الماجد دریا باد ضلع بارہ بنکی

ہاں ایک لفظ اور خیال میں آیا۔

پلتا، لکھنؤ میں یہ لفظ بار ہا سنا ہے۔ اہل لغت نے خدا معلوم کیوں چھوڑ دیا ہے۔

رنڈی، یہ لفظ پہلے اپنے محل میں عورت کے مترادف تھا۔ اب صرف بیوا کے معنی میں رہ گیا ہے۔ اس طرح کے بکثرت لفظ ملیں گے۔ بعض کے مفہوم کہیں وسیع سے محدود ہو گئے ہیں اور کہیں محدود سے وسیع۔ یقیناً آپ کے جامع، محققانہ لغت میں ان کی تصریح ہو گی۔

یہ خط ڈاک میں جا ہی رہا تھا کہ متی صاحب کا عنایت نامہ موصول ہوا تعمیل ارشاد کی صورت آسان نہیں۔ بہر حال اپنی والی کوشش کروں گا۔

عبد الماجد

(از دو نامہ، کراچی، جنوری ۱۹۶۲ء)

(۵)

دریا باد

۱۲ جنوری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

بے شک وہ غلط فقرہ زبان قلم پر آگیا تھا، جوش صاحب ملیح آبادی ہی ہونا چاہیے تھا نہ کہ جوشش ملیح آبادی صاحب۔ اصلاح کا دلی شکریہ اور املا یہ غلط اسی کے لیے ہے ورنہ اور کوئی خاص ضرورت اتنی جلد جواب کی داعی نہ تھی۔

اور اس پر ایک واقعہ بھی سن لیجیے۔ میرا بچپن تھا کہ داغ کی وہ غزل شائع ہوئی جس کا مطلع تھا ؎

دلبر سے جدا ہونا یاد ل کو جدا کرنا
اس سوچ میں بیٹھا ہوں کر آخر مجھے کیا کرنا

ریاض الاخبار اُس وقت دھوم دھام سے نکل رہا تھا۔ ریاض نے اعتراض کیا کہ "زبان" پر کیا کرنا نہیں "کیا کرنا ہے"۔ داغ نے نیچ کے خط میں جواب دیا کہ مطلع میرا کہا ہوا ہے اور یہ جاننے کے بعد آپ کو کوئی مزید سند درکار تو نہیں کہتے ہیں؟ ریاض نے جواب الجواب میں لکھا کہ بھی میری عرض ہے کہ یہ زبان آپ کی نہیں۔ اگر آپ کی ہے تو اپنے ہزار ہا اشعار میں کہیں سے اس کی نظیر پیش کیجیے بس میں قائل ہو جاؤں گا۔ یہ آپ کی زبان ہی نہیں ہے۔ دکھنیوں کی بولی سنتے سنتے بس یہ غلط محاورہ بھی آپ کی زبان پر چڑھ گیا اور بے خیالی میں قلم سے نکل گیا ——— اس پر داغ کو خاموش ہو جانا پڑا۔ تو برادرم جب یہ صورتحال داغ جیسے

مستند اہل زبان کو پیش آسکتی ہے تو مجھ سے دہقانی کا بھلا کیا ذکر ہے خدا جانے کتنی غلطیاں دانستہ و نادانستہ کرتا رہتا ہوں اور آجکل کی اخباری زبان سے تو بس اللہ ہی اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

کراچی تک کی رسائی یوں بھی آسان نہ تھی اور اب تو دشوار تر ہو گئی ہے۔ ؎

راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

ایک ممکن صورت یہی ذہن میں آتی ہے کہ آپ کی مجلس اگر کبھی یہاں کے دو چار مستند ادیبوں (مثلاً حضرت اثر لکھنوی کو ہفتہ دو ہفتہ کے لیے بہ غرض مشورہ مدعو فرمائے تو گنگا کے ساتھ گنگی کی طرح یہ نیاز مند بھی اثر پڑ کر کسی طرح وہاں پہنچ جائے۔

ہاں صاحب اگر کتاب شوکت آرا یکم آپ کی مجلس از سر نو شائع کرا رہی ہو تو اس کے صلہ یا معاوضہ کے ذمہ دار و مستحق جدا لروٹ کا کو دی کو نہ بھول جائیے گا۔ والسلام

عبد الماجد

(۶)

دریا باد

۹ جنوری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

یہ ۱۱ جنوری کے مفصل نیاز نامہ کا جواب ہے۔

اس خط میں داغ کے شعر کا دوسرا مصرع قلم سے غلط نکل گیا، صحیح یہ ہے۔

ع اس سوچ میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا

کہ اس میں زائد لکھ گیا۔ والسلام

عبد الماجد

(۷)

دریا باد

۸ دسمبر ۱۹۶۲ء بسم اللہ

حضرت سلامت! تسلیم

اردو نامہ تازہ پرچہ نمبر ۱ موصول ہوا۔ نمبر ۲ الف میں مکتوب ۵ میں اکابر و مشاہیر ادب کے ساتھ ایک عالی کا حوالہ دیکھ کر حیرت اور ندامت دونوں سے گونگا رہ گیا کہ کیا کیا آپ لوگوں نے۔ خواہ مخواہ اپنی کتاب کا

میاں اتخاگر دیا۔

اب۔ غور کرو سے تھوڑا سا گور بھی سن لے

ص۶۳ یا ۶۴ ابلیس..... آدم کی پیدائش سے پہلے عبادت کی بدولت فرشتوں کے زمرے میں شامل اللہ کا معلم ہو گیا تھا۔ یہ ساری عبارت بالکل بے سند اور محض عوام کے عامیانہ عقیدہ کی ترجمان ہے۔ ابلیس حسب تصریح قرآن جن تھا (کان من الجن) اور جن ہی آخر تک رہا اس کا فرشتہ و مقرب ہونا تمام تر مسیحی عقیدہ ہے۔

ص۶۵ کی "ابے تبے" کے ذیل میں یہ سہو چھوٹ تو نہیں گیا؟

ابے تبے کرنا، تو تکار کرنا، بدزبانی کرنا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا؟

فقرہ، آپ تو کالم گلوچ پر اتر آئے اور لگے ابے تبے کرنے۔

والسلام

عبدالماجد

شمس جمر یو خاں، لکھنؤ

(۱)

الہلال کے سلسلۂ بحث "خطاو کرب یا لذت عالم" کے سلسلے میں سوال کا جواب

۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء

مہربان بندہ! وعلیکم السلام

اب ان پرانی فراموش شدہ بحثوں کو از سر نو زندہ کرنے سے کوئی حاصل نہیں۔ بات اتنے عرصے کی ہو گئی کہ تفصیلات اب مجھے یاد بھی نہیں۔ ۴۵، ۴۶ سال کی مدت کچھ تھوڑی ہوئی؟ اور نہ اب اس موضوع سے کوئی خاص دلچسپی ہی رہ گئی ہے۔ آپ کے رفع انتظار کے لیے بس اتنا لکھے دیتا ہوں کہ ابلیٰ علم و آدم کے دو گروہ اس وقت تھے۔ ایک کے ساتھ صاحب الہلال تھے، دوسرے کے ساتھ یہ پے علم فاکسار وہی اختلاف و وثوق شاید اب بھی قائم ہو۔ مسئلہ صرف ایک پہلو کی ترجیح کا تھا نہ کہ کسی فریق کی یکسر تغلیط و تردید اور پھر اس میں سخت کا مظاہرہ جس حد تک میری طرف سے ہوا ہو اللہ سے معاف فرمائے۔

مکتوب الیہ کی مراسلت میں مولانا نے ذہنی و فکری جو گتھی محسوس کر کے ملاقات کے بعد سلجھتے آنے کو لکھا۔

مکتوب الیہ اس وقت گونڈہ میں تھے۔

۱۸ ستمبر ۱۹۶۲ء

"..... اس برسے مضمون کے بعد مجھے ضرورت ملاقات کی محسوس ہو رہی ہے کہ اپنے کو ذرا ہیپو تو سکوں، ماہ اکتوبر کا بیشتر حصہ لکھنؤ میں انشاء اللہ گزرے گا اگر بآسانی فرصت مل سکے تو وہاں کا سفر ملتوی کر دیا جائے کہ آسانی تر ہوگا۔ ملنے میاں وغیرہ سے بھی ملاقات کا امکان ہے، ندوہ کی سیر بھی ہو جائے گی۔ گونڈہ سے لکھنؤ اور لکھنؤ سے کابل میرے ذمہ، جیسا کہ بہت سے عزیزوں اور ان کی طالبعلمانہ زندگی کے لیے رکھتا ہوں۔"

دعاگو

عبدالماجد

(۳)

مراسلت میں طویل وقفے کے بعد مکتوب الیہ کا خط ملا تو مولانا نے تحریر فرمایا

یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء

مشفقی! وعلیکم السلام

میں تو معمولی تعلقات کی حد سے بھی مایوس ہو کر اب مبرا ہو چکا تھا۔ آج ہی لکھنؤ کا پوسٹ کارڈ ملا ہے۔ چار بیٹھنے کے لیے، ملاقات کا وقت تو وہی سہ پہر کا ہوگا نا؟"

(۴)

مراسلت میں غیر معمولی وقفے کے بعد مکتوب الیہ کا خط آیا تو مولانا نے جواباً تحریر فرمایا

۳ اگست ۱۹۶۱ء

عزیزم! وعلیکم السلام

ایک عزیز کے بعد خط ملا، شروع میں مہینوں میں منتظر رہا کیا پر یہ سمجھ کر چپ ہو گیا کہ کوئی قصور میری طرف سے ایسا ہوا ہوگا جو آدمی کی اس نجیش و بیزاری کا باعث بن گیا، اور کوئی بات قابل ذکر نہیں.....

والسلام

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری (کراچی)

مکتوب الیہ کے نام چند خطوط حکیم عبدالقوی دیا بادی کے بھی ہیں چونکہ ان سے مولانا دیا بادی کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، نیز مسلک مباحث کے تسلسل کے لیے ان کا مطالعہ ضروری تھا اس لیے وہ بھی شامل کر لیے گئے ہیں۔

(۱)

۹ نومبر ۱۹۶۳ء — دیا باد، ضلع بارہ بنکی (یو۔پی)

کرم گستر وعلیکم السلام

محمد سپر فرتوت" معاند حاسد" کا نشتر خدا کرے آپ ۱۱ کر سن چکے ہوں۔ اس میں ایک فقرہ یہ بھی آپ کی حمامت میں آگیا ہوگا کہ قدرت نے جسے بڑائی کے لیے پیدا ہی کیا تھا۔ ابھی کم سن ہی تھے کہ تحریر و تقریر دونوں کی دھوم مچ گئی ..... خدا بد نظر ..... لسان الصدق ..... الندوہ کے کوچہ علم و فضل میں آنکھ تو ایڈیٹر بنے بغیر ہی ایڈیٹر بن گئے تھے۔

کیا آپ اس فقرہ پر رضامند نہیں؟ میں آپ کے اس فقرے پر رضامند ہو گیا تھا کہ "الندوہ کے علاً ایڈیٹر ہے"۔

مکتوبات سلیمانی تو گویا چھپ چکی۔ ہفتہ ہی عشرہ میں ان شاء اللہ شائع ہو جائے گی۔ دیکھ کر آپ خود ہی فیصلہ کر لیں گے۔ ۳۰۰ سو صفحوں کی کتاب میں مولانا والا کلام کا ذکر چار پانچ مقام سے زیادہ نہیں اور وہ بھی زیادہ تر صرف ابتدائی خطوط میں۔ ۱۹۱۳ء ۱۹۱۴ء والوں میں۔ وہاں بھی میں نے اپنے حواشی میں تلخیوں کو زیادہ سے زیادہ ہلکا کر دینے کی کوشش کی ہے اور ایک لمبا خط جو خود مولانا نے اپنی صفائی میں سید صاحب کے نام لکھا تھا، درج کر دیا ہے اور اس سے مولانا کی تمام تر عظمت و شرافت ہی نکلی ہے۔

دنیا کو کیسے یقین دلاؤں کہ مولانا میرے کرم و محرم تھے، بلکہ ۱۹۱۳ء ۱۹۱۴ء میں تو میرے محسن بھی بن گئے تھے۔ ۱۹۱۹ء وغیرہ میں ایک لمبی مدت تک میں وہ برابر خلافت کمیٹیوں کے جلسے میں شریک ہوتے رہے اور کہیں میرے ان کے اختلاف کی نوبت نہ آئی حالانکہ میں شریک محمد علی کی پارٹی میں تھا۔ مولانا ابوالکلام اس وقت بڑے صدر تھے (یعنی آل انڈیا) اور میں چھوٹا صدر (یعنی صوبہ اودھ کا)۔ حشر میں ان شاء اللہ اس کا فیصلہ خود مولانا ہی پر چھوڑ دوں گا۔

مولانا کے میرے نام کے خطوط بھی کیا ان ظالموں نے نہیں پڑھے؟ بعد کے زمانہ کا ذکر نہیں، خود ۱۹۱۳ء ہی میں کیا ایسی مراسلت دشمنوں کے درمیان ہوتی ہے؟

مجھے ان مرحوم سے جو کچھ اختلافات تھے۔ وہ سب ۱۹۱۸ء تک، بلکہ اس سے قبل ہی ختم ہو چکے تھے۔ اس کے بعد میری کوئی بھی پبلک تحریر مولانا کی مخالفت میں نہ ملے گی۔ بلکہ نیچ کی تحریروں میں بھی احتیاط رکھنے لگا۔ مرحوم کی وفات کے بعد جب دیوبند کے ایک صاحب نے خطبہ میں مولانا سے متعلق ایک بہت پھیلی ہوئی اور زبان زد عوام روایت سے متعلق تحقیق کرنا چاہی تو میں نے جواب لکھ دیا "کہ یہ کیا ضرور ہے کہ جسے مولانا کی زندگی کے ہر ہر جزئیہ کی اطلاع ہو اور بالفرض ہو بھی تو کیوں میں اپنے سارے معلومات کو آپ کی طرف منتقل کرنے لگوں؟

البتہ آپ کے اس عموم و اطلاق سے اتفاق مشکل ہے کہ کسی بھی شخصیت سے متعلق کوئی بھی ناگوار حصہ کتاب میں نہ آنا چاہیے۔ ایسا کسی بھی تاریخ یا تذکرہ کی کتاب میں کیوں کر ممکن ہے؟ کم از کم اردو میں اب تک جتنے بھی "مکتوبات" چھپ چکے ہیں، شبلی، اقبال، محمد علی، عبدالحق، مہدی، اکبر وغیرہ کے۔ یہ سب موتنی قرار پا جاتے، بلکہ رقعات غالب میں بھی قتیل، صاحب برہان قاطع وغیرہ کا ذکر کن الفاظ میں ملتا ہے؟ آنا نظر و تحمل تو ہر پارٹی کے اشخاص میں بہر حال ہونا ہی چاہیے۔

اپنی "سیر دہلی" میں تین جگہ مولانا کا نام لایا ہوں، کہیں بھی بے ادبی کے ساتھ؟ آئندہ "سفر دکن" میں بھی تین مقام پر تذکرہ ہوئے گا۔ اور ان شاء اللہ ہر جگہ ذکر خیر ہی ہوگا۔

خط خلاف عادت اتنا طویل ہو گیا اور اس میں بڑا وقت لگ گیا۔

شاہجہان پور سے مجھے بھی ایک نسبت حاصل ہے۔ میرے دادا مفتی مظہر کریم ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں، دہلی کلکٹری سرشتہ دار تھے۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ باغیوں کے مشورے انھیں کے مکان پر ہوتے تھے۔ صحیح یا غلط اسی الزام میں ان پر مقدمہ چلا اور کئی سال کے لیے کالے پانی بھیجے گئے۔ میرے والد کی پیدائش بھی غالباً وہیں کی ہے۔ اکرام اللہ خان ندوی، نہور احمد چشتی ندوی، دونوں مرحوم میرے مخلصوں میں تھے۔ اور ڈپٹی الطاف حسین خان میرے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں۔ اور شدید شاہجہان پوریوں سے تعلقات اب تک ہیں۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲)

کرم و محترم! علیکم السلام۔ مزاج گرامی

۱۴ دسمبر کا مکتوب گرامی ۵؍ اس سے تین یا چار دن قبل عم محترم مولانا دریابادی کے حسب ہدایت ایک نسخہ کمتوبات سلیمانی حصہ اول کا آپ کی خدمت میں صحفۂ بذریعہ رجسٹرڈ پیکٹ ارسال کر چکا تھا۔ خدا کرے یہ پیکٹ بخیریت پہنچ جائے۔

آپ کا ایک مراسلہ آیا تھا۔ وہ ان شاء اللہ صدق کی کسی قریبی اشاعت میں درج ہوگا۔ وہ پرچہ روانہ خدمت کر دوں گا۔

مجھے بھی آپ سے کراچی میں ملاقات نہ کر سکنے کا بڑا افسوس رہا۔ ان شاء اللہ اگر اگلے سال آنا ہوا تو ضرور ملاقات کروں گا۔ ممکن ہے ستمبر یا اکتوبر، ورنہ نومبر میں میرا کراچی آنا ہر سال ہوتا ہے۔

مولانا کے سفر حیدرآباد کی روداد ابھی صدق میں نکلنی شروع نہیں ہوئی ہے۔

نیازمند

حکیم عبدالقوی

(۳)

مکتوب الیہ کا ایک سلسلہ مضمون علامہ سید سلیمان اور مولانا ابوالکلام آزاد سے متعلق سہ

نقطہ مدینہ منورہ میں نکل رہا تھا۔ اس ظہیر اور اس کے بعد کے دو خطوں میں ڈرامہ اس کے بعض مطالب کے بارے میں ہے۔

۸ فروری ۱۹۶۴ء

کرم گسترا السلام علیکم

مدینہ میں آپ کے یہ "معلومات" نظر پڑے کہ سید صاحب "اس خط کے شائع نہ کرنے کی وصیت فرما گئے تھے"۔ حلف شرعی ہے۔ عرض ہے کہ یہ بات آج بالکل پہلی بار میرے علم میں آئی ہے۔ یہ طور وصیت اور مجہول روایت کے بھی آج تک نہیں سنی تھی۔

آپ نے یہ چھاپ کر کتنی بڑی ذمہ داری میرے سر ڈال دی اور ایک مخصوص طبقے کے ہاتھ میں کتنا بڑا حربہ دے دیا اور اس طرح نادانستہ کتنا بڑا ظلم خود اپنی شرافت اور ثقاہت پر کر گزرے۔ والسلام

عبدالماجد

(۴)

۲۲ فروری ۱۹۶۴ء

کرم گسترا وعلیکم السلام۔

خط میں کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔ پھر بھی یہ خیال کر کے کہ شاید آپ جواب کے متوقع و منتظر ہوں، یہ لکھے بھیجتا ہوں۔

اپنی کتابوں پر ریویو عموماً اور عادۃً نہیں پڑھتا۔ بس کسی سے ان کا خلاصہ و ماحصل زبانی سن لیتا ہوں۔ اس کتاب کی صورت دوسری ہے۔ آپ کے مضمون کا پہلا نمبر پڑھا تو بہت ہی سرسری یعنی بیچ بیچ سے چھوڑ کر۔ اتفاق سے اس خاص فقرہ پر نظر پڑ گئی سادہ وہ بہت ہی کھٹکا۔ اس لیے کہ ایک ذمہ دار اور شریف قلم سے تھا۔ بعد کے طویل نمبروں کے لیے وقت اتنا بھی نہ نکال سکا اور محض برائے نام ہی مطالعہ پر قناعت کرنا پڑی۔ والسلام

عبدالماجد

(۵)

۱۲ مارچ ۱۹۶۴ء

کرم گسترا السلام علیکم

کل ایک صاحب نے آپ کے تازہ مضمون کا ایک فقرہ دکھلایا کہ دریابادی کا خیال ہے کہ یہ تمام غلط فہمیاں ۱۹۱۸ء میں دور ہو گئی تھیں، لیکن واللہ اعلم آپ نے یہ خیال کہاں سے اخذ کر لیا۔ میں نے تو اپنے اور مولانا کے تعلقات کے سلسلے میں کہا تھا کہ فلاں سنہ سے ہمارے اختلافات ختم ہو چکے تھے۔ سید صاحب اور مولانا کے تعلقات سے اس بیان کو کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ والسلام

عبدالماجد

(۶)

اس خط کے نمبر ۵ میں مولانا دریابادی نے جو بیانیہ دیا ہے اس کے بارے میں کیا عرض کیا جائے۔ اسلیمانی جماعت کے متعلق آرا اور خیالات تو خود انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک مرید باصفا مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم و مغفور کو ابوالکلام کی منقسم کے سامنے پیش کیے تھے، تنظیم اور سیاہ باطن کے القاب سے یاد فرمایا ہے۔ کیا یہ سب جھوٹ اور مرچ کا کالی نہیں، اخبر بمثل کا شہری مرچ نہیں؟ مولانا کے دفاع میں میسوں مضمون لکھے لکھائے یہ سرگروہ حقیقت احترام ہی ہے۔ حالانکہ خود مولانا دریابادی کا بیان ہے کہ سلیمان ندوی مرحوم مولانا آزاد سے اپنی شکایتوں اور نجشوں کا ذکر اپنی مجلسوں میں کیا کرتے تھے، کیا کہ نہ تھے یہ سید صاحب مرحوم کی وفات مرتوی میں نے پاکستان آنے اور مرتے دم تک ان کا بھیجا نہیں بھولا۔ اگر جہاں شکایت کر نصیحت کے سوا کوئی اور نام

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں دیا جاسکتا لیکن مولانا آزاد کے کسی معتقد کی زبان یا قلم سے کوئی سخت یا اخلاق و تہذیب سے گرا ہوا جملہ ڈھونڈھے سے نہ ملے گا لیکن جب شورش مرحوم نے مولانا دریابادی سے شکوہ کیا کہ آپ اپنے قلب کی ناصافی کے لیے سید صاحب تو اتنا سخت لکھتے ہیں کہ مولانا اپنے ٹوٹے ہوئے قلم کی دُہائی دیتے ہیں اور معتقدین کو مدد کے لیے پکارتے ہیں اور معتقد خصوصی خوش ہو کر خدا کی گرفت کی وعید سناتے ہیں۔ اس کی گزارشات کو ایک تنقید اس کے شکوے کو جاں سوزی، اور اس نے وجود کو شرافت و بھلمنسی کا مرقع قرار دیتے ہیں۔ (دیکھیے تُرجمان ماہ مئی ۶۸ء)

ابھی پچھلے سال پاکستان کے سفر کے وقع پر سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے حیدرآباد سے گھر جاتے ہوئے کراچی سفر میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں معلومات کے جو دریوے لا رکھے ہیں، اس کی گہرائی ان کی تحریر سے دیکھ۔ عزیز مکرم مولانا دریابادی اور سید سلیمان ندوی (مرحومین) کی نجی صحبتوں اور ان کے معتقدین کے اخلاق کے پرسہ ان میں سے بروہ تو سید سلیمان ندوی سے تنقید و تبصرہ کی زد میں آگئے تھے؟ ایسا میاں مولانا دریابادی کے جمیع کا جواب تھا، ان کے اپنے الفاظ اور ان کے ایک معتقد کے الفاظ میں۔ اسے پڑھو کر ایک صاحب نے کہا: اگر چور کو تو ال کو ڈانٹے، کی کیا خوب مثال ہے۔

نمبر ۱ میں اشارہ مولانا غلام رسول مہر کی طرف ہے مولانا نے خط واپس منگوالیا تھا اور دیکھ کر اسے بھیجنے جواب دینے کی اجازت دے دی تھی، لیکن مولانا دریابادی نے اسے چھاپنا مناسب نہیں سمجھا۔

۱۴ مارچ ۱۹۶۲ء

مہربان بندہ وعلیکم السلام

۱۔ نصت اللہ خاں کا مراسلہ محض ان کے اصرار شدید پر چھاپنا پڑا۔ جینوں سے آیا ہوا تھا۔ ذہنی ناگواری کا اظہار صاف اپنے ادارتی نوٹ میں کر دیا تھا۔ موضوع کی اتنی اہمیت میری نظر میں نہ تھی کہ اس پر مستقل سلسلۂ بحث جاری رکھا جائے۔ میرے معلومات جو تھے، وہ پہلے لکھ چکا ہوں۔ دوسروں نے اپنے اپنے خیالات شائع کر دیے۔ بس بات ختم۔ قوم و ملت کا کون سا اہم مسئلہ اس دعوے کے ثبوت و عدم ثبوت پر متعلق ہے؟

۲۔ مکاتیب سے متعلق جو باتیں آپ نے لکھیں، یقین فرمائیے کہ بالکل پہلی بار میرے علم میں آ رہی ہیں۔ میں نے آج تک یہ افواہ بھی نہیں سنی تھیں۔ بڑا ہی فرق ہمارے آپ کے ذرائع علم میں ہے۔

۳۔ جی بار بار چاہتا ہے کہ آپ کا پورا سلسلۂ مضامین پڑھوں۔ طوالت و ضخامت کو دیکھ کر بس ہمت جواب دے جاتی ہے

۴۔ مکتوبات کو پڑھ کر مکتوب الیہ سے متعلق جو بہت سخت مضمون ذہن میں تھا، اس کی میری طرف سے قوراً اجازت ہے۔

۵۔ سلیمانی جماعت کے کسی فرد کے قلم سے اگر سب و شتم اس کا آدھا چوتھائی بھی نکلے، یا اب تک ابوالکلامی جماعت کے بعض افراد کی طرف سے ہو چکا ہے، تو مجھے ضرور اس کی نشان دہی کیجیے۔

۶۔ لاہور ہی کے ایک پرانے اہل قلم اور آپ ہی کی جماعت کے ایک اہم رکن کا طویل نجی مکتوب آیا ہوا ہے۔ جس میں سید صاحب پر بھی خاصی تنقید ہے، مگر سنجیدہ و شریفانہ۔ میں نے شائع کرنے کی ان سے اجازت مانگی ہے۔ اگر بھی تو بعض ناموں کو حذف کر کے چھاپ دوں گا۔ والسلام

عبدالماجد

(۷)

پچھلے مکتوب میں بعض جملے پڑھے نہ جا سکے تھے۔ دریافت کرنے پر مرحوم نے جملے صاف کر کے لکھوا دیے اور یہ لکھ کر اپنے قلم سے تحریر فرمائی۔

۱۔ کہ اس پر مستقل سلسلۂ بحث جاری رکھا جائے۔

۲۔ اہم مسئلہ اس دعوے کے ثبوت و عدم ثبوت

۳، ۴۔ مکتوبات کو پڑھ کر۔ ..... مضمون ذہن میں تھا۔

۵۔ تو مجھے ضرور اس کی نشان دہی کیجیے۔

۶۔ اہم رکن کا طویل نجی مکتوب۔

ان عبارتوں کو دوبارہ لکھوا کر صحیح کر رہا ہوں اور اپنی بدخطی پر عفو خواہ ہوں۔ والسلام

عبدالماجد

۱۴۔ اپریل ۱۹۶۲ء

۲۲/ اپریل ۱۹۶۲ء (۸)

کرم گستر وعلیکم السلام

آپ کا یہ حسن ظن صحیح نہیں کہ میں ہر ایک کے خط محفوظ رکھتا ہوں۔ آپ کی فرمائش کی تعمیل یوں بھی مشکل ہی تھی پھر جبکہ جب میرے پاس خطوط موجود ہی نہ ہوں۔

اپنے ہی کاموں کے لیے وقت نہیں نکال پاتا۔ ان بحثوں میں پڑنے کے لیے وقت کہاں سے لاؤں۔ آپ سے بہ منت التجا ہے کہ میرے اوپر رحم فرما کر مجھے بالکل ہی معاف فرما دیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نعت الشرخاں صاحب کے خط میں اپنی مظلومیت پر جو فریاد کی تھی اور جسے انھوں نے آپ کے خلاف غصہ سے تعبیر کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا تعلق آپ کی کسی تحریر سے نہ تھا۔

والسلام

معذرت خواہ:

عبدالماجد

(۹)

دہلی سے اجمل خاں صاحب نے مولانا آزاد کے نام اپنی خطوط و جوابات آزاد کے نام سے ایک مجموعہ چھپوایا تھا۔ اس میں مولانا مرحوم یا باری کے نام بھی چار خطوں کے جواب مولانا آزاد کی جانب سے مگر اجمل خاں کے قلم سے تھے۔ چنانچہ مولانا مرحوم یا باری سے ذکر کیا تھا کہ شاید ان کے پاس یہ اصل خطوط اور دیگر خطوط ہوں گے۔ یہ مضمون اگلے خط میں بھی آیا ہے۔

۲۹ دسمبر ۱۹۶۷ء

مکرم بندہ! علیکم السلام

مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے خود مولانا کا لکھا ہوا کوئی بھی خط چھوڑا ہو، صرف وہی خط چھوڑ دیے تھے، جن میں عبارت مولانا کی نہیں، بلکہ ان کے دفتر کے کسی صاحب کی ہے اور وہ تمام تو سرکاری یا دفتری خطوط ہیں۔ مولانا ان پر صرف دستخط کے گنہ گار ہیں۔

دہلی کے نئے مجموعے کی مجھے خبر نہیں۔ اگر ایسا کوئی خط اجمل خاں صاحب نے چھاپا ہے تو میرے پاس سے تو انھیں ملا نہیں۔ بہرحال آپ کی خاطر سے بعید رمضان ایک بار پھر وقت نکال کر اپنے کاغذات کو کھنگالنے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ اب بھی کچھ ایسے خطوط محفوظ مل جائیں۔ ادھر چند سال کے عرصہ میں بہت سے محفوظ خطوط کچھ میری بے پروائی اور کچھ دیمک وغیرہ کے باعث تلف بھی ہو چکے ہیں۔

دفتر کو لکھنؤ کہے دیتا ہوں کہ مکتوبات سلیمانی حصہ دوم تحفتہً آپ کی خدمت میں بھی دی جائے۔ والسلام

دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۰)

مولانا مرحوم یا باری کی مکتوبات سلیمانی مجھے تحفتہً بھیجنا چاہتے تھے۔ میں نے بتایا کہ وہ تو میں نے حاصل کر لیا۔ آپ اس کے بجائے اپنا دوسرا رسالہ "سیرۃ نبوی قرآنی" مجھے عنایت فرمادیں۔ محض اس لیے کہ مولانا یہ خیال نہ فرمائیں کہ تحفہ لینے سے انکار ہے۔

عالم جنونی ۱۹۶۸ء

مکرم بندہ! وعلیکم السلام

آپ کا خط بڑے موقع سے آگیا۔ دفتر سے یہ پوچھ کر کہ مکتوبات آپ خرید چکے ہیں۔ میں تو سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ آپ ہی نے مناسب حل پیش کر دیا۔ "سیرۃ نبوی قرآنی" کے لیے ابھی دفتر کو لکھے دیتا ہوں۔ بعد تفہیم کے اسی کو اپنے لیے سب سے بڑا سرمایۂ سعادت سمجھتا ہوں۔

اجمل خاں صاحب کی کتاب سے اب تک ناواقف ہوں۔ خدا معلوم میرے کون سے ادبی خطوط مع جواب انھوں نے شائع فرما دیے ہیں۔ مجھے تو کوئی یاد ہی نہیں پڑتے۔

ہاں صاحب، مولانا مرحوم کے خطوط کا وہ ذخیرہ خدا معلوم میرے ہاں سے کیا ہو گیا۔ بعد رمضان میں نے بہت ڈھونڈھا دوسروں سے بھی ڈھونڈھوایا، اب تک تو پتا چلا نہیں ہے۔ گو میں ابھی مایوس نہیں۔

اور کیا بتاؤں کہ آپ سے کس درجہ شرمندگی مجھے ہو رہی ہے۔ زندگی میں ایسے ہی اتفاقاً بے شان و گمان پیش آ ہی جاتے ہیں۔ اناللہ ثم انا للہ۔ والسلام

عبدالماجد

۱۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء

(۱۱)

مکرم گسترا وعلیکم السلام

ابھی ابھی آپ کا کارڈ موصول ہوا۔ اس میں آپ کے جس پچھلے خط کا حوالہ ہے، افسوس کہ وہ موصول ہی نہیں ہوا۔ خط کے ضائع جانے سے جو تکلیف کاتب اور مکتوب الیہ دونوں کو ہوتی ہے، وہ ظاہر ہی ہے۔ والسلام

دعاگو،

عبدالماجد

(۱۳)

جنرل محمد ایوب خاں کا عہد تھا۔ سنسرشپ کا شعبہ ہی مرحوم کو ان کے جرم حق کوشی میں گرفتار کر لیا گیا، چٹان کا ڈیکلریشن منسوخ ہوا اور پریس بھی ضبط کر لیا گیا۔ آخر میں کے خلاف کراچی سے ایک صاحب کا نہایت سخت مراسلہ صدق میں چھپا، شبہ یہ ہوا تھا کہ مراسلہ نگار بھی انصاری ہیں۔ مولانا نے اس خیال کی تردید کی، نیز اس خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ یہ موقع انتقام لینے کا نہیں ہمدردی کرنے کا ہے۔ نمبر ۱ میں مولانا نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

مولانا دریابادی کا یہ آخری خط ہے۔

۱۷ر اکتوبر ۱۹۶۸ء

مکرم بندہ! وعلیکم السلام

جس مفصل خط کا آپ نے حوالہ دیا تھا، وہ اب جا کر موصول ہوا۔

ایک سرسری نظر، وقت نکال کر، شروع سے آخر تک کر گیا۔ تو صرف دو باتوں کا کہہ دینا چاہتا ہوں۔

۱۔ وہ مراسلہ بزدلی بیچارہ کا ہرگز نہ تھا۔

۲۔ آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ مئوررشن صاحب کے اندر یا باہر ہونے کی ہرگز کوئی تحقیق، اُس مراسلہ کی اشاعت کے وقت نہ تھی۔ ان کی گرفتاری اور ان کے پریس کی ضبطی کی خبر میں نظر سے گزری تھیں، پھر یہ بھی کہیں پڑھ لیا تھا کہ پریس چھوٹ گیا اور خیال غالب یہ قائم تھا کہ وہ بھی چھوٹ گئے ہوں گے۔

باقی آپ نے جو چیزیں لکھی ہیں، ان کا فیصلہ آپ ہی کے مشورے کے مطابق بجائے آپ کے، کل ہی پر چھوڑتا ہوں۔ والسلام۔

عبدالماجد

(۱۴)

اب مولانا دریابادی کی زندگی ہی سے متعلق حکیم عبدالقوی دریابادی، مرحوم کے مختصر مگر دلآویز خطوط شروع ہوتے ہیں، یہاں ان کے صرف خطوط شائع کیے جاتے ہیں۔

۲۵/۳/۶۹

مکرمی سلام مسنون

آپ کا ۲ر نومبر کا کارڈ محترم مولانا دریابادی کے نام موصول ہوا۔ ان کے حسب ارشاد جواب میں لکھ رہا ہوں۔

چونکہ آپ نے خط میں تحریر فرمایا ہے کہ پچھلے مضمون کی اشاعت آپ کے نزدیک مناسب نہیں ہے اور آپ اس کے بجائے دوسرا مضمون ارسال کریں گے۔ اس لیے اس کی اشاعت روک دی گئی ہے۔

مولوی رئیس احمد جعفری کی وفات سے سخت صدمہ ہوا۔ مرحوم میرے بھی بڑے کرم فرما تھے۔ انکے بھائی عقیل جعفری صاحب نیو ٹرگ کالونی، کراچی کو میں نے تعزیتی خط لکھا ہے اور رئیس صاحب سے متعلق ایک تعزیتی مضمون میں نے روزنامہ قائد لکھنؤ میں لکھا تھا ماہنامہ کا تراشہ بھی انھیں بھیج دیا ہے۔

نیازمند:
حکیم عبدالقوی

۲۵/۳/۶۹

(۱۴)

محترمی وعلیکم السلام۔ مزاج شریف

گرامی نامہ ملا۔ ہم محترم کی طبیعت ماگزشتہ زیادہ خراب رہی تھی۔ بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا۔ اب خدا کا شکر ہے کہ طبیعت بہتر ہے۔ لیکن افسوس کہ اب زیادہ دماغی کام لکھنے پڑھنے کا نہیں کر سکتے۔ صدق کی ذمہ داری اب ایک حد تک میری طرف منتقل کر دی ہے۔ صدق کے تازہ پرچہ میں جو اب کی جمع کو ان شاء اللہ حوالہ ڈاک ہوگا، اپنی علالت کی تفصیل وہ اپنے قلم سے لکھیں گے۔ ان کے حافظہ پر بھی خراب اثر پڑا ہے۔ جس مسئلہ پر آپ نے لکھا ہے، میں ان کی اس حالت میں، اُس پر اُن سے گفتگو تقریباً بیکار ہی ہے۔ بہرحال آپ کی رائے سے میں متفق ہوں۔ دعا کیجیے کہ ان کی طبیعت جلد اس قابل ہو جائے کہ میں آپ کی اس تحریر کو ان کے سامنے پیش کر سکوں۔

فروغ اردو والوں نے وہ کتابیں بھیج دی تھیں اور ان کے عوض مجھے مل گئے تھے آپ کے صدق کے چندہ میں یہ رقم شمار کر لی گئی ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔ پہلے ۲۰ پیسہ کے ٹکٹ میں صدق پاکستان جاتا تھا۔ لیکن اب تین ہفتہ سے بیس پیسہ فی اخبار ٹکٹ لگنے لگا ہے۔ ۲۰ پیسے ٹکٹ والے جو پرچے ارسال کیے تھے، سب واپس آ رہے ہیں۔ اس لیے اب صدق کا چندہ پاکستانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

خریداروں سے عہدہ سے کہیں زائد رکھنا پڑے گا۔ لیکن ابھی پاکستان میں وصولی چندہ کا انتظام نہیں ہو سکا ہے۔

کتابوں کی تجارت ابھی ہند ہے اور اس وقت ڈاک کا محصول بہت زیادہ ہے۔ اس لیے کتابوں کے سلسلہ میں فرمایش کی تعمیل فی الحال نہ ہو سکے گی۔ علاوہ ازیں اخبار و کاغذ کی شدید گرانی و نایابی، عام گرانی اور عدم تحرک کی علالت کے باعث صدق انتہائی نازک مالی دور سے گزر رہا ہے۔ دعا فرمایئے۔

نیازمند،
حکیم عبد الحق

پروفیسر محمد اشرف خاں (بہادر)

خط کے پہلے نمبر پر سید صاحب نے علامہ سید سلیمان ندوی مراد ہیں۔ دوسرے نمبر پر شیخ اشرف سے اشارہ لاہور کے انگریزی کتابوں کے مشہور پبلشر شیخ محمد اشرف کی طرف ہے۔ مکتوب الیہ اپنی انگریزی کتاب "اردو انڈو عرب ریلیشنز" چھپوانا چاہتے تھے اس سلسلے میں مولانا صدیقی باری سے کسی مناسب پبلشر کے بارے میں دریافت کیا تھا تیسرے نمبر میں مولانا نے اپنا مفصل نظام اوقات تحریر فرمایا ہے۔ نمبر ۴ میں جس اوارے کے قیام کا ذکر ہے، وہ برائے نام قائم تو ضرور ہوگیا۔ اگرچہ سید صاحب کے شایان شان نہیں پانچویں اور آخری نمبر میں ڈاک خانے کی مہر میں "شمبل" کی اسپیلنگ میں غلطی کی درستگی کی طرف اشارہ ہے۔ مکتوب الیہ کا بیان ہے کہ اس غلطی کی طرف انھوں نے توجہ دلائی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع ۱۲ دسمبر — دہلی بارہ بنکی

ختم ۱۳ دسمبر — عزیز مکرم وعلیکم السلام

۱۔ سید صاحب سے میرے تعلقات یگانگت عزیزوں کے سے تھے۔ اس لیے جو ان کا یگانہ ہو وہ میرے لیے بیگانہ نہ رہا۔

۲۔ شیخ اشرف اچھے پبلشر ہے مزید اپنی کتاب کے لیے ان سے مراسلت کیجیے۔

۳۔ اس بے بضاعت کا نظام اوقات حسب استطاعت بے تکلف عرض ہے۔

صبح تڑکے ایسے وقت اٹھنا کہ نماز فجر سے قبل ۲ گھنٹہ چہل قدمی بھی کر لی اور اس میں

تھوڑا بہت کچھ پڑھ بھی لیا۔ باوضو ہوتا ہوں واپس ہوتے ہی نماز فجر شروع کر دی ——— روزنامہ کچھ نہ کچھ ورزش اپنے سن اور حیثیت کے مناسب لازمی ہے بہت دیر کے بعد اور بہت نقصان اٹھا کر یہ سبق سیکھ سکا۔ بعد فجر برائے نام کچھ پڑھا پڑھایا کہ چند منٹ بعد ناشتہ آگیا۔ اب تک چائے کا عادی تھا۔ اب چند روز سے بجائے چائے کے محض گرم پانی میٹھا کر کے شروع کیا نفع اس کا بھی وہی یعنی رفع قبض اور چائے کے مضرات سے نجات۔ ورکنگ ڈے، اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی اخبار رسالہ وغیرہ ناشتہ کے ساتھ ساتھ پڑھتا جاتا ہوں اس کے بعد لڑکیاں سلام کو آئیں کچھ پڑھنے کا کام انھوں نے کیا اور کچھ باتیں ان سے عام تربیت کی ہوئیں۔ اب خط کے جوابات لکھے۔ اور متفرق کام (حوالہ کی کتابیں تلاش کر رکھیں جن کی دن میں ضرورت پڑے گی۔ وغیرہا) ساڑھے نو پر ڈاک روانہ کر دی تا نہ وضو کے بعد یوں بچوں سے مختصر ملاقات کر تا ہوں۔ دوسرے کمرے میں آیا جو اصل تصنیف گاہ ہے۔ یہاں دس سے دو بجے تک مسلسل لکھتا ہی رہتا ہوں۔ زیادہ تر قرآن مجید کے سلسلے میں کبھی دن کچھ اور دو بجے نماز ظہر دو ان کا کھانا وقت بچانے کے خیال سے ساڑھا سات سے ترک کر دیا ہے)۔ بعد نماز ظہر ہلکا سا ناشتہ جو کام میں مخل نہ ہو۔ بعد ناشتہ پھر متفرق کام عموماً صدق کا جس زمانہ میں لڑکے اور لڑکیاں موجود ہوتے کوئی آدھ گھنٹے کے وقت ان کے لیے فرداً فرداً ان سے ہر قسم کی آزاد النہ بات چیت اُن کے خانگی مسائل (problem) پر گفتگو۔ کبھی کبھی درس مثنوی ہیں۔

اس کے بعد نماز عصر پھر تازہ ڈاک آگئی ہیں میں اخبارات اور رسالوں کی بھرمار ہوتی ہے انگریزی اور اردو روزنامے ہی ہندو پاکستان کے ملاکر ۱۰ ہوتے ہیں۔ ہفتہ روزہ، پندرہ روزہ ان کے علاوہ، سات آٹھ تو بغیر پڑھے ردی میں ڈال دیتا ہوں پھر بھی اچھے خاصے پڑھنے پڑتے ہیں۔ مغرب سے آدھا گھنٹہ قبل برآمدے میں بیٹھ جاتا ہوں وہ وقت عام ہوتا ہے ڈاک بھی ساتھ ساتھ دیکھتا جاتا ہوں۔

بعد مغرب فوراً ہی کھانے پر بیٹھ جاتا ہوں اور دانتوں کی خرابی کے باعث دیر تک کھاتا رہتا ہوں ضعف بصارت کے باعث رات کا پڑھنا کئی سال سے موقوف ہے۔ کھانے کے بعد برائے نام چہل قدمی چھت پر کر لی اور پھر نیچے آکر بیوی اور لڑکیوں کے پاس بیٹھ گیا۔ ان سے باطمینان گھنٹے کا یہی وقت ہوتا ہے لڑکیوں نے دن میں جو کچھ پڑھا تھا۔

(حضرت تھانویؒ کے دفعہ، مثنوی کے ترجمے کی برابر تاکید رہتی ہے) اُسے میرے سامنے دم لاق ہیں اور بہت سی باتیں کام کی بحمداللہ ہو جاتی ہیں۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ کے بعد عشاء کے لیے آیا۔ بعد نماز میری تھوڑی دیر کے لیے آجاتی ہے ان سے ملنے کا یہی وقت ہوتا ہے۔ وہ اُدھر گئیں اور اِدھر میں سونے لیٹ گیا۔

یہ پروگرام ظاہر ہے کہ ہر ایک کے لیے قابل عمل نہیں تاہم بہ اختلافِ احوال کسی حد تک نمونہ کا کام انشاء اللہ دے سکے گا۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا جتنا احسان مند ہوں بس میرا دل ہی جانتا ہے دوسرے اہل ہمت تھے انھوں نے اُن سے دین لیا میں کم ہمت تھا میں نے دنیا اُن سے لی۔ انھوں نے زندگی بنادی تربیت اور تنظیم جو کچھ آئی ان ہی کے فیض سے ورنہ پہلے انتشار ہی انتشار تھا۔

دو ایک باتیں رہ گئی جہانی اور ملاقاتیوں کا مزدر نظم قائم کیا جائے۔ میرے ہاں کوئی عزیز بھی بغیر اطلاع سابق مہمان نہیں آسکتا ہر ایک سے وقت پہلے ہی طے ہو جاتا ہے دو قسم ملاقاتیوں کے لیے وہی قبل مغرب آدھ گھنٹہ کا وقت مقرر ہے خاص ضرورتوں میں وقت پہلے سے مقرر کیا جاتا ہے تنظیم اوقات میں وقت شروع میں ضرور ہوگی لیکن رفتہ رفتہ لوگ عادی ہو جائیں گے۔ اور آپ کو انتہائی راحت ملنے لگے گی۔

لیجیے خط بہت ہی طویل ہو گیا۔ باقی باتوں کا مختصر جوابات دے کر ختم کیے دیتا ہوں۔

۴۔ سلیمان اکیڈمی کا خیال بہت ہی اچھا ہے لیکن محض خیال کی اچھائی کافی نہیں اصل اور اہم ترین سوال موزوں اور اشخاص کے ملنے کا ہے۔ اور پھر سرمایہ کا۔

۵۔ ڈاک خانے کی مہر کی اب اصلاح ہو گئی مدت دراز ہوئی کہ ایک ندوی نے جامعہ ملیہ سے اس پر توجہ دلائی میں نے فوراً اکیڈمی والوں کو لکھا۔ انھوں نے پوسٹ آفس سے مراسلت شروع کی دفتری گھس گھس میں پورا ایک سال لگ گیا۔ اب خدا خدا کر کے تصحیح ہو پائی ہے۔ والسلام، دعاگو و دعاخواہ:

عبدالماجد

پیغامات

مولانا ابوالکلام آزادؒ

سہ ماہی "اردو ادب"[1] ملی گڑھ کے مولانا آزاد نمبر کے لیے پروفیسر آل احمد سرور کے نام

۱۸ر اپریل ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

پیام

اردو ادب نے مولانا آزاد کی یاد میں جو خصوصی نمبر شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے ہر طرح مبارک و قابل تحسین ہے۔ اس سے کم سے کم ایک ظلم کی تو کسی حد تک تلافی ہو جائے گی۔

اس درس بیس برس کے اندر اردو ادب کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آزاد نامی ایک بڑے ادیب و انشاء پرداز کی کوئی ہستی موجود ہی نہیں ہے! یہ کتنا بڑا ظلم ہوا ہے! یہ ظلم دو چار اور صاحبوں پر بھی ہوا ہے لیکن مظلوم اعظم آزاد ہی ہیں۔

مولانا کی دینی و سیاسی خدمات کا جائزہ تو دوسرے بھی لے سکتے ہیں۔ لیکن ان کی ادبی اور انشائی خدمات کا مراحت و تفصیل سے جائزہ لینا آپ کے رسالہ کا خاص موضوع ہونا چاہیے۔ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ تحریر و تشریح و بسط سے لکھوں۔ کچھ نہ کچھ ہر حال صدق دل سے لکھ ہی چکا اور آپ کے علاوہ چار چار جگہوں سے اور فرمائشیں آئی ہوئی ہیں۔ آپ کے رسالہ نے اگر یہ کام کر دیا تو گویا سب کی طرف سے ایک ادبی فرض کفایہ ادا کر دیا اور تاریخ ادب کے دامن سے ایک بہت بڑا دھبہ کو دور کر دیا۔

مولانا کی انشا کے متعلق دو رائے قائم کرنے لازمی ہیں، تین دو تو کھلے ہوئے ہیں اور طبل اسکول سے ان کا تعلق واضح کرنا ضروری ہے۔ یہ ایک عجیب لطیفہ ہے کہ شبلی سے اتنا قریب اور متاثر ہو کر بھی مولانا دور اور غیر متاثر رہے۔ والسلام

عبدالماجد

---

[1] اردو ادب، انجمن ترقی اردو (ہند) کا سہ ماہی علمی مجلہ، اس وقت ملی گڑھ سے پروفیسر آل احمد سرور کی ادارت میں نکلتا تھا، اب دہلی سے ڈاکٹر خلیق انجم کی ادارت میں نکلتا ہے۔ یہ پیام سرکردہ صاحب تک نہ پہنچ سکا۔ مکتوبات ماجدی ص ۱۸۳ میں شامل ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکیم محمد اجمل خاں

پیام بموقعہ یادگار برسی حکیم اجمل خاں مرحوم بنام حکیم عبدالاحد پرنسپل طبیہ کالج، پٹنہ

دریاباد

۲۶ر جنوری ۱۹۵۹ء

اجمل خاں کے ذکر جمیل سے اپنے کو تر زبان رکھنا خود اپنی خوش ذوقی اور احسان شناسی کا ثبوت دینا ہے اور اس کا اعلان کرنا ہے کہ آپ کا ادارہ حذاقت فن کا بھی قدردان ہے اور شرافت نفس اور صحیح انسانیت کا بھی۔

مرحوم کا مونوگرام (MONOGRAM) کاغذات پر چھپا ہوا تھا "افضل الاشغال خدمت الناس" اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل پر کندہ تھا خدمت خلق میں دن رات لگے رہنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور یہی گویا ان کا ہمہ وقتی فریضہ۔

جلسہ یادگار کی صدارت کے لیے بھی انتخاب ڈاکٹر ذاکر حسین کا خوب رہا جال شرافت سے اسی طرح آراستہ و پیراستہ۔

حکیم صاحب کی یادگار اگر اخلاص سے منانا ہے تو خصوصی توجہ ان تین چیزوں پر لازمی ہے۔

(۱) ان کے مدرسہ طبیہ دہلی کی ہر طرح تعمیر و ترقی انھیں کی قائم کی ہوئی بنیادوں پر۔

(۲) ہندو مسلم اتحاد کا فروغ گاندھی جی کے قائم کیے ہوئے خطوط پر۔

(۳) جامعہ ملیہ اسلامیہ کی فلاح و ترقی اس کی قدیم خصوصیات کے ساتھ۔

والسلام

عبدالماجد

پروفیسر احتشام حسین

پیام نوٹ لکھنؤ کے لیے مضمون کی فرمائش پر اس کے ایڈیٹر مرزا جعفر حسین[1] ایڈیٹر کے نام

دریاباد۔

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۲ء بسم اللہ

[1] کتب ایسے پرانے مسلم نیشنلسٹ لیڈروں اور شیعہ پولیٹکل کانفرنس کے دنوں جنرل سیکریٹری رہے ہیں۔ شیعہ سنی اتحاد کے زبردست حامی اور مکتوبات پر برابر تبادلہ خیال آج کل میں لکھنؤ رہتے تھے پروفیسر احتشام حسین مرحوم کے خاص دوستوں میں تھے، پیام نوٹ کا ہفتہ وار پرچہ نکالتے تھے جس کے بعد بھی جاری رہا۔

احتشام مرحوم کے فکر و فن پر لکھنے والے تو بہت سے ہوں گے میں اپنی طویل ذاتی واقفیت کی بنا پر صرف دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ وہ بڑے اچھے کارکن اور کارگزار اردو کے حق میں تھے لشکر اردو کے بہترین سپاہی اور سپہ دار لشکر اردو کے ہر محاذ پر معرکہ آرا خدا معلوم کتنی اردو کمیٹیوں اور اداروں کے وہ دل و دماغ بھی اور اور تھے پیر بھی بابا بنائے اردو ڈاکٹر عبدالحق اردو کے بڑے بابا تو یہ چھوٹے بابا۔

۲۔ یہ حیثیت انسان بڑے ہی شریف النفس، شرافت کیا تھی ان کی کرامت تھی، سادگی، اخلاص، حسن سلوک و احسان، مروت اور خدمت خلق کے گویا پتلے تھے اور حفظ مراتب میں تو اپنی نظیر آپ تھے۔

وہ سلسلہ تقریب والی میری تقریر جلسہ گاہ ہی سے "قومی آواز" والے لڑائے گئے مجھے دیکھنے کو بھی نہیں ملے[1]

عبدالماجد

مولانا احسن مارہروی

پیام بنام ڈاکٹر انعام احسن صاحب، کراچی

دریاباد

۱۸ر فروری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

مارہرہ کا خطہ یوں بھی سرد م خیز ہے احسن مرحوم اس عموم میں ایک مرتبہ خصوصی رکھتے تھے۔

داغ کے شاگرد رشید ہی نہیں زبان میں ان کے ہم زبان، غزل گوئی کے میدان میں فرد ادب کے صاحب نظر استاد۔

ان کا یہ مقطع کبھی کانوں میں پڑا ہوا بھلانے سے بھی نہیں بھولتا ؎

اپنی تصویر کی تقدیر پہ کیوں رشک نہ آئے
وہ مٹاتے گئے احسن کو بناتے بنا گیا

والسلام عبدالماجد

[1] گلگار پرشاد ہال میں پروفیسر احتشام حسین صاحب کے انتقال پر تعزیتی جلسہ ہوا مرحوم کی صدارت میں میں ہوا اسی موقع پر مولانا نے جو تقریر پڑھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

افق لکھنوی

رقم افق کے مرتبہ پر بیشتر پرشاد مقدر لکھنوی کے نام مرقومہ دریاباد کا پیام

دریاباد
۱۱ر جولائی ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

یوم افق

افق صاحب کا نام نامی کان میں اس وقت پڑا جب میں اسکول کے ساتویں آٹھویں درجے کا طالب علم تھا ان کی ایک نظم اُردو کورس میں داخل تھی غالباً کوئی مسدس "شہر آشوب" قسم کا تھا دو ایک مصرعے اب بس حافظہ میں رہ گئے ہیں۔

دو شالہ اوڑھ کر چلے ہیں فصلِ گرما میں
ہے شہر بتی کا انگرکھا بدن پہ سرما میں

جب ذرا اور بڑا ہوا تو اودھ اخبار میں کہ وہی اپنے دور میں اردو کا سب سے زیادہ سر برآوردہ اخبار تھا۔ ان کے مضمون پر مضمون دیکھنے میں آئے۔ شاعر کا نام بھی جب ہی معلوم ہوا۔ ملک الشعراء کا لقب بھی ان کے نام کے ساتھ پڑھنے میں آیا۔ ان کی قدرت کلام کا اندازہ بھی اسی وقت ہوا اس وقت وہ اودھ اخبار کے ایڈیٹر تھے اور یہ بجائے خود ایک امتیازی اعزاز تھا۔

مشہور یہ تھا کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے اس کلیہ کی تردید میں ایک ہجوم جس طرح ایک طرف کشمیری پنڈتوں (نسیم سرشار وغیرہ) کا تھا اسی طرح دوسری طرف کائستھوں کا تھا اور کائستھ برادری کے صف اول میں ایک جوالا پرشاد برق تھے۔ اور دوسرے یہی دوارکا پرشاد افق تھے اور حضرت افق کی خوش نصیبی تھی کہ اپنا جانشین اپنے فرزند سعید اور شاگرد رشید کو چھوڑ گئے جو ہر طرح ان کے کام کو ترقی و تکمیل تک پہنچانے والے اور ان کے نام اور یاد کو موزہ رکھنے والے ہیں۔ ایسی خوش نصیبی کم ہی کسی کے حصہ میں آتی ہے۔

والسلام
عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

اکبر الہ آبادی

یوم اکبر کے سلسلے میں انجم اور پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے نام

دریاباد
۱۹ ستمبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

پیام

اکبر کی عزت کرنا خود اپنی عزت بڑھانا ہے ع

مادح خود رشید مدّاحِ خود است

دل خوش ہوا کہ آپ نے اکبر شناسی کا ثبوت دے کر اپنے عرفان نفس کے بھی مدارج طے کر لیے۔ اکبر کا پیام سیدھا، لطیف، ذوق ادب کے ساتھ اسلام اور اسلامیت کے پیام کے سوا کچھ نہیں۔ آلِ سنن و حاصلِ کلام کے لحاظ سے اکبر و اقبال بالکل ہم زبان ہیں، گو راستے دونوں کے الگ الگ ہیں۔

والسلام
عبدالماجد

(۲)

یوم اکبر الہ آبادی کے سلسلے میں اکبر مرحوم کے پوتے سید محمد مسلم رضوی، کراچی کے نام

دریاباد
۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

پیام

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اکبر کے زمانہ میں تو رپٹ اللہ کا نام لینے پر لکھائی جاتی تھی، مگر اب تو وہ وقت آگیا ہے کہ خود حضرت اکبر کا نام لینا بھی رپٹ لکھانے کے قابل نظر آتا ہے۔ چہ جائیکہ ان کی یاد منانا اور یوم اکبر کی طرح منانا!

اکبر کا پیام اور تھا ہیں کیا۔ بجز اسلام اور اسلامیت اور درس خود داری کے دل روتا جاتا اور چہرے پر بجائے آنسوؤں کے تبسم کے آثار طاری رکھتے۔ مرتبہ کا مضمون نغمہ طرب

کے لیے میں ادا کرتے۔

آفریں ہے آپ کی ہمت پر کہ آپ نے اس دور میں بھی ان کا پیام سنانے کی ٹھان لی ——

دعاگو:

عبدالماجد

(۳)

یوم اکبر کے موقع پر محمد عصمت اللہ خاں سکریٹری اردو فارسی سوسائٹی، لکھنؤ کے نام

پیام

دریاباد

۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء

کلام اکبر کی اگر آپ کو چاٹ پڑ گئی تو ایک ہی وقت میں۔

۱۔ آپ نے اپنی زبان بھی درست کر لی۔

۲۔ اردو کے ایک اچھوتے، لطیف، پیارے اسلوب بیان کے بھی رمز شناس ہو گئے۔

۳۔ اپنی سخن گوئی، سخن فہمی، سخن سنجی کی بھی نوک پلک درست کر لی۔

۴۔ توحید و معرفت کی بھی چاشنی چکھ لی۔

۵۔ اپنے اندر مشرقیت، اسلامیت، غیرت ملی اور خودداری کی روح بھی جذب کر لی۔

اکبر اور کلام اکبر پر سیکڑوں صفحے لکھ چکا ہوں اور پھر بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کچھ بھی نہیں لکھا اللہ تکملہ آپ لوگوں کے ہاتھ سے کرے۔

عبدالماجد

اتحاد حیدرآبادی

اتحاد حیدرآبادی پر مضمون کے مطالبے پر خواجہ حمید الدین شاہد کے نام شاہد صاحب اس وقت حیدرآباد دکن میں تھے اب کراچی میں مقیم ہیں۔

دریاباد ۴ جنوری ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

"اتحاد" نامور بوذی شان کے باب میں "ماجد" گم نام و بے نشان کا کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانا۔

شہد کو اور کون سی مٹھاس ڈال کر میٹھا کیا جائے۔ اور نمک میں اور کون سی نمکینی ڈال کر نمکین بنایا جائے؟

دوسرے افضل التفضیل برائے نام ہی نہیں زندگی کے ہر صیغہ میں مجھ سے افضل، کرم، اشرف، اور اکمل ہیں۔

اللہ ان کی عمر میں، کمالات میں، کرامات میں زیادہ سے زیادہ برکت عطا فرمائے۔

عبدالماجد

بابائے اردو مولوی عبدالحق

بابائے اردو کی جوبلی کے موقع پر سید ہاشمی فرید آبادی سکریٹری عبدالحق جوبلی کمیٹی کراچی کے نام

دریاباد

۱۵ دسمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

پیام

بابائے اردو کی خدمات زبان و ادب پر کچھ لکھنا لکھانا

سورج کو چراغ ہے دکھانا

جو چیز خود ہی آفتاب کی طرح روشن ہو اس پر کوئی روشنی کہاں سے لا کر ڈالے گا۔ یہ عظیم الشان تناور درخت جس کا نام انجمن ترقی اردو ہے اور جس کی شاخیں ہندوستان و پاکستان دونوں مملکتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ خوب یاد ہے کہ ایک زمانہ میں کچھ بھی نہ تھا اور یہ سارا فیض ایک ہی ذات کی ان تھک آبیاری کا ہے۔ یہ انجمن ابتداءً محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صرف ایک شعبہ کی حیثیت سے شعبۂ علمیہ کا نام رکھتی تھی۔ غالباً ۱۹۰۳ء میں قائم ہوا تھا پھر ۱۹۱۱ء میں مولوی عزیز مرزا مرحوم کی وفات سے بالکل مُردہ ہو گیا تھا ۱۹۱۷ء میں صاحب زادہ آفتاب احمد خاں مرحوم کی مردم شناس نگاہ نے اس کا سکرٹری مولوی عبدالحق صاحب کو منتخب کیا اور اسی گھڑی سے قالب بے جان میں جان پڑ گئی بلکہ قالب تک بدل گیا۔ ہر صوبہ حیدرآباد، اورنگ آباد، دہلی جہاں کہیں بھی رہے ہوں بس وہی اردو کی تحریک کا مرکز بن گیا اور اب قیام کراچی کے وقت سے جو کچھ کر رہے ہیں سب پر روشن اور آشکارا ہے۔ انجمن کو ایک مستقل قائم بالذات خود مختار ادارہ کس کی مساعی نے بنایا۔ سیاسی، علمی، یا لسانی ہر محاذ پر ہیں اردو کے لیے لڑائیاں لڑے اور شدید مخالف قوتوں کے باوجود

میدان پر میدان مار لیے۔

بس ایک دھن ہے خدمت اردو کی جو اُن کی زندگی کی رگ رگ میں بسی ہوئی ان کے عقیدے میں عبادت کا درجہ حاصل کیے ہوتے ہے۔

اللہ ان کی عمر میں برکت زیادہ سے زیادہ عطا فرمائے اور ان کی ہمت کو جو جوانوں کو شرمائے ہوئے ہے ہمیشہ جوان ہی رکھے! ان کی سرگرمیاں قابلِ رشک ہیں اور ان کی بلند ہمتی قابلِ صد تقلید و ہزار آفریں۔

والسلام، دعاگو و مداح: عبدالماجد

(۲)

مدیر نامہ صداقت، حیدرآباد (دکن) کے بابائے اردو نمبر کے لیے مضمون کے مطالبے پر،
اس کے ایڈیٹر کے نام

دریاباد
۶ مئی ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

بابائے اُردو

ہمارے مخدوم و کرم سرزا احمد مادی مرزا لکھنوی (رسوا نہیں مرزا، رسوا تو انہوں نے بدنامی سے بچنے کے لیے ایک نقاب ناول نویسی کے لیے تیار کر لیا تھا۔ ورنہ شاعری کی دنیا میں محض مرزا تھے، شعر پڑھے مرزے کے کہتے تھے ان کی ایک غزل کا شعر ہے ؎

ہو کوئی حوروں پہ فدا کوئی بتوں پہ ہو شہید
ڈھونڈھ ہی لیتا ہے انسان خدا کچھ ایک

سو جہاں بزرگ بابائے اردو نے اپنا خدا اور ڈھونڈھ نکالا ہے۔ وہی ان کا مرجع، وہی ان کا ملجا، وہی ان کا مقصود، وہی ان کا مسجود، وہی ان کی عبادت، وہی ان کی ریاضت، وہی ان کا معبد، وہی ان کا مصلیٰ۔ نہ بیوی نہ بچے۔ ساری خانگی الجھنوں دلچسپیوں کا وہی ایک مرکز۔ دور ۱۹۱۲ء سے جب انجمن ترقی اردو اس کس مپرسی میں پڑی ہوئی تھی ان کے حوالے ہوئی ہے ہی دیکھیے کیسی خضر گئی ہے۔

اورنگ آباد ہو کہ حیدرآباد، دہلی ہو کہ کراچی، جہاں کہیں بھی رہے سوتے جاگتے ہیں

ایک دھن ان پر سوار۔ جوان سے ادھیڑ ہوتے اور ادھیڑ سے بوڑھے اسی ایک خبط میں۔ عجب نہیں کہ جب کبھی گنگناتے ہوں تو اپنے اسی محبوب کو مخاطب کر کے۔

اے تو الطافِ دو جا لینوس ما

دولت رشائی تو اسی کی خاطر دست گدائی پھیلایا تو اسی کے لیے۔ آج اس سے لڑے، کل اسی سے ملے۔ سب اسی پر جفا و پر وفا کے لیے۔ اتنے مجاہد ہے دین و مذہب کی خاطر کرتے تو عجب کیا کہ جنیدؒ و بایزیدؒ کی صف میں شمار ہوتے۔

آندھیاں اُٹھیں اور گزر گئیں، انقلاب آتے اور ختم ہو گئے، ذہنیتیں اسی بساطِ اردو سے چمٹے ہوتے۔

ان کے کارناموں کو گنانا، ان کی تفصیل لکھنا دوسروں کا کام ہے یہاں تو داد محض ان کی استقامت بلکہ کرامت کی دینا ہے جس کسی نے انھیں بابائے اردو کہا بہت خوب کہا۔ کچھ خیال ایسا پڑتا ہے سب سے پہلے شاید میر نیرنگ مرحوم کی زبان سے نکلا تھا یا شاید اسی کے موجد خواجہ حسن نظامی ہوں۔

اللہ ان کی عمر و توانائی میں زیادہ سے زیادہ برکت دے اور خدمت اردو کے لیے ان کی جسمانی اور دماغی قوتوں کو سدا جوان رکھے۔

عبدالماجد

جگر مرادآبادی

برم بزرگ موقع پر آدم سیتاپوری کے نام

دریاباد
۳۰ اکتوبر ۱۹۶۱ء

پیام

جگر اپنی غزل گوئی میں تو فرد تھے ہی شخصیت بھی محبوب دل آویز رکھتے تھے۔ اور یہ ادا تو ان کی کبھی بھولنے والی نہیں کہ سالہا سال کا زمانہ رندی میں گزرا اور بدمست اس مدت میں ایک بار بھی نہ ہوتے۔ شرافت کے حدود ہر حال تمام رکھے اور اسی وصف نے انھیں بہت بڑا انسان بنا دیا۔

اردو والوں پر فرض ہے کہ ان کی یاد کے ساتھ اپنی محبت اور عقیدت کا تعلق زیادہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے زیادہ قائم رکھیں۔

والسّلام عبدالماجد

مولانا حسرت موہانی

یوم حسرت موہانی کے موقع پر نصرت موہانی، کراچی کے نام

دریاباد

۱۴ مئی ۱۹۵۶ء بسم اللہ

پیام

یونانیوں اور بہت سی قدیم قوموں میں دستور رہا ہے کہ صفات انسانی کے اعلیٰ اور مثالی درجہ تکمیل کے لیے ایک ایک دیوتا تراش لیا تھا۔ مثلاً شجاعت کا دیوتا، حسن و جمال کا دیوتا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے دین میں اگر یہ جائز ہوتا تو عجب نہیں بے خوفی، لاعلمی اور سادگی کا دیوتا ہم حسرت موہانی کو قرار دیتے۔ ان اوصاف کے وہ مثالی پیکر تھے اور توکل علی اللہ سب پر مستزاد۔ ان کے شعری، ادبی اور تنقیدی کمالات کا باب ان اوصاف ملکوتی کے علاوہ ہے۔ ایسی ہستیاں اپنی صدی میں کہیں دو چار ہی ہوتی ہیں۔

والسّلام عبدالماجد

(۲)

آل انڈیا سنگم، لکھنؤ کے سکریٹری حیات وارثی کے نام مولانا کا پیام

دریاباد

۱۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

پیام

حسرت موہانی سچے مسلمان تھے۔

- صاحب ایمان و عرفان تھے۔
- محبت کی جان اور اخلاص و ایثار کے مجسم نشان تھے
- قناعت اور توکل میں اپنی مثال آپ تھے۔
- ایک بہترین شاعر خصوصاً غزل گو تھے۔
- جرأت و ہمت میں لاثانی تھے۔

- جاں بازی و بے خوفی میں فرد فرید تھے۔
- ایک بہترین ناقد و ادیب تھے۔

اخلاق، کردار، عقل و ذہن کی خوبیوں کی جامعیت کے لحاظ سے ایک مکمل انسان تھے۔

عبدالماجد

خواجہ حسن نظامی

ماہنامہ منادی، دہلی کے لیے مضمون کی فرمائش پر، منادی کے ایڈیٹر خواجہ حسن ثانی نظامی کے نام

دریاباد

۷ جولائی ۱۹۵۶ء بسم اللہ

البیلا انشاپرداز

خواجہ صاحب کی بزرگی و وزرگی کا حال تو کوئی بزرگ ہی بتا سکتا ہے۔ اپنا ایمان تو ان کی انشاپردازی پر ہے۔ صاحب قلم (یا نہیں کی زبان میں قلم کار) کی حیثیت سے فرد تھے۔ اور اس کی شہادت یہاں سے لے کر آخر تک میں دے سکتا ہوں کہ ان کا سا البیلا انشا پرداز نہ ان کے زمانے میں پیدا ہو سکا اور نہ آج تک پیدا ہوا ہے۔

وہ صحیح معنی میں انشاپرداز تھے۔ سازسے زیادہ سوز کے مالک اور اس سے بڑھ کر تاریخ و ادب پر کوئی قلم نہیں کہ کتابوں پر کتابیں اور مقالوں پر مقالے نثر اردو کے ماہرین پر تیار کر دیے جائیں اور ان میں مرحوم کا نام بھی نہ آنے پائے۔

والسّلام عبدالماجد

(۲)

یوم حسن نظامی کے سلسلے میں حامد عرب پاکستان، لاہور کے مدیر جناب ماجد نظامی کے نام

دریاباد

۲۱ مئی ۱۹۶۲ء پیام

خواجہ صاحب کی دوسری حیثیتوں سے متعلق جو بھی رائے قائم کی جائے بحیثیت ادیب و انشاپرداز ان کا مرتبہ بالکل مسلّم ہے۔ سلاست، گھلاوٹ، شگفتگی کے وہ بادشاہ تھے ایک مخصوص طرز انشا کے وہ مالک تھے۔ اس کے موجد بھی وہی اس کے خاتم بھی وہی فن بلاغت میں جسے سہل ممتنع کہا گیا ہے یہ انھیں کی انشا تھی۔

میں نے اپنے ابتدائی دور میں ان کے قلم سے خاصا کسب فیض کیا ہے۔ حال میں جن لوگوں نے اردو ادب کی تاریخیں لکھی ہیں انھوں نے بڑا ظلم کیا ہے کہ خواجہ صاحب کا ذکر ہی سرے سے اڑا گئے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کوئی عشق و عاشقی کی تاریخ لکھے اور اس میں نام قیس عامری کا نہ آنے پائے۔

میں نے حال ہی میں ایک مضمون لکھا ہے "اردو کے چند مظلوم ادیب" ان مظلوموں کی فہرست میں مولانا آزاد کے بعد پہلا نام خواجہ صاحب کا لکھا ہے۔

ان کا قلم جامع تھا "آہ" اور "واہ" کا لیکن مسکراہٹوں سے بھی کہیں بڑھ کر آنسوؤں کے لیے موزوں تھا۔

ان کی ادبیت کی یادمنا کر آپ لوگ خود اپنے حسن ذوق کا ثبوت دے رہے ہیں۔

والسلام عبدالماجد

(۳)

برسوہرحسن نظامی کے موقعہ پر جناب عابد نظامی کے نام مولانا مدیر بادی کا پیام

دیا باد

یکم اپریل ۱۹۶۵ء

البیلا ادیب

تاریخ زبان اردو کے پرچہ میں اگر یہ سوال آیا ہے کہ البیلا ادیب کون گزرا ہے تو جواب صرف ایک ہوگا:

خواجہ حسن نظامی

وہ مستوں کا مست، سرشاروں کا سرشار، دیوانہ بکار خویش ہشیار، ادب کا خادم ادیبوں کا مخدوم سب سے نرالا اپنی اداؤں میں البیلا، زبان دانوں کا پیلا ادب دانشا، کی آنکھوں کا تارا۔

والسلام عبدالماجد

حفیظ جالندھری

ماہنامہ الحمرا، کراچی کے حفیظ نمبر کے لیے۔ اس کے ایڈیٹر جناب صہبا لکھنوی کے نام

دیا باد

۲۰ جولائی ۱۹۶۳ء بسم اللہ

پیام

جوش نمبر کے بعد حفیظ جالندھری نمبر۔ آتش سیال کے بعد دور ماء اللحم کا اور شربت مدح المزاکا! الحاد کو شہ دینے کے بعد تحسین اور پیشوائی اسلام کی!۔۔۔ حسن خلافی کا حسین و قابل دید نمونہ۔

شاہ نامۂ اسلام کا مصنف اور وہ سرپھرا ملاح، کا خالق۔ آپ کے ملک میں اندھیرے گھر کا چراغ۔ اکبر و اقبال دونوں کا جانشین۔

والسلام عبدالماجد

رفیع احمد قدوائی

مدرز نامہ سیاست ہدیے کانپور کے قدوائی نمبر کے لیے مضمون کی فرمائش پر

مقام رفیع

ہندوستان کی تازہ تاریخ میں جو مقام رفیع رفیع احمد قدوائی مرحوم کو حاصل ہے اس سے انکار کسی دشمن کے لیے بھی ممکن نہیں مدلل خوش ہوا کر اسی کا اعتراف سیاست جدید اپنا ایک خصوصی نمبر نکال کر کر رہا ہے۔ ایک سیاسی مخالف کی عظمت کا اعتراف خود ادارہ سیاست کی بھی شرافت کا ایک عملی ثبوت ہے۔

اپنی دوسری بے شمار خدمات کے علاوہ مرحوم نے ہندوستان کے ایک پیچیدہ ترین مسئلہ رزق کو جس طرح حل کر دکھایا اور رزاق مطلق کے نائب کی جو تجلی اس عالم ناسوت میں دکھادی اس کے لحاظ سے اگر انہیں "میکائیل ہند" کہا جائے تو کیا بے جا ہے!

"حسرت آیات" ایسی ہی وفات کو کہا جا سکتا ہے۔ مرحوم کی وفات کے وقت صدق نے جو کچھ عرض کیا تھا، اسے آج بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

عبدالماجد

ڈاکٹر محی الدین زور

ڈاکٹر زور پر محمرہ حسرکوئی نمبر کی کتاب مرتب کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا مدیر بادی سے مضمون کی فرمائش کی تھی، مولانا نے درج ذیل جواب دیا۔

دیا باد

۱۲ دسمبر ۱۹۶۳ء بسم اللہ

---

(۱) مولانا محمد علی کے انتقال پر حفیظ صاحب نے ایک تعزیتی نظم اس عنوان سے کہی تھی۔

جو "زور" مجسم ہے اس کی مدح و توصیف میں مجھ جیسا کم زور، قلم اٹھا ہی کیا سکتا ہے۔
ادارۂ ادبیاتِ اردو کے تو خیر وہ بانی ہیں، باقی حیدرآباد دکن سے کون ایسی ادبی تحریک اور ۲۵، ۳۰ سال میں اٹھی جس کے وہ روحِ رواں نہ تھے۔ کوئی لکھنے کو قلم اٹھاتے تو کیا کیا لکھے اور کہاں تک لکھتا جائے۔

ان کے کمالات کو سمجھ لینا اور ان کی داد دے آمادہ ہو جانا یہ خود ہی ایک کمال ہے۔ آفتاب کو روشن دیکھنا خود بینیِ صحتِ بصارت کا اعلان کرنا ہے۔ بہ قول مادر رومی

مادحِ خورشید مدّاحِ خود است
کیں دو چشم روشن تا مدّت است

اس اجمال کے اندر آپ ساری تفصیل پڑھ سکتے ہیں۔

والسلام عبدالماجد

سید سلیمان ندوی

حضرت سید صاحب کی یادگار کے طور پر "سلیمان ہال" کے قیام پر مولانا دریابادی کا پیام

دریاباد

۲۶ر دسمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

"سلیمان نمبر" کی یادگار کے سلسلہ میں آپ لوگوں کا مجوزہ "مرد ضعیف" کو یاد کرنا محض آپ کی بندہ نوازی ہے۔

اور پھر ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے علم دوست و جوہر شناس گورنر کے ورود کے موقع پر میرا ان کے فرائض کی یاد دہانی کرانا بلکہ اس کی طرف اشارہ بھی کرنا۔

سورج کو چراغ ہے دکھانا

یا لقمان کو حکمت سکھانا۔

جو پروردگار کارسازان کے قدم وہاں لے آیا ہے وہی ان کے قلب و زبان پر بھی حکمراں ہے مجھے تو صرف دور سے دعاگوئی اور خوشخبری سننے کے لیے رہنے دیجیے۔

دعاگو: عبدالماجد

(۱) ڈاکٹر محی الدین زور صاحب جامد حیدرآباد اس کے بعد کشمیر یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر و صدر شعبہ رہے پروفیسر صاحب موصوف ادارۂ ادبیاتِ اردو کے بانی تھے ادارے نے خاصا علمی و ادبی کام میدر آباد میں کیا اور اب تک کر رہا ہے۔

(۲)

ماہنامہ "نیا دور" کراچی کے ایڈیٹر انصار ناہری کے نام جنھوں نے رسالے کا سلیمان نمبر نکالنے کا عزم کیا تھا، یہ نمبر نکل نہیں سکا۔

دریاباد

۲۱ر جنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

پیام

"سلیمان نمبر" کے لیے سلیمان کے شایانِ شان یہ "مردِ ضعیف" "پروبال" کہاں سے لائے۔ مرحوم سے اس نیاز مند کے تعلقات ۴۰، ۴۵ برس تک رہے، گھریلو بے تکلفانہ عزیزانہ، طالب علمی سے لے کر سن کہولت تک، عمر کے ہر دور میں، شروع شروع میں ایک حد تک حریفانہ، معارضانہ، اخلاص نے ساتھ ہر دور میں دیا۔

اتنے طویل تجربے اور ساتھ میں ایسا ثریا، ایسا متین، ایسا سنجیدہ، مکتبی کوئی نظر آیا۔ صحیح معنی میں طالب علم ساری عمر رہے۔ علم کے پتلے کتاب کے کیڑے۔ علم و تحقیق کا ذوق، ہر دور سے ذوق پر غالب۔ سیرتِ نبوی سے عشق ساری عمر رہا اور آخر عمر میں فنافی الشیخ ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک پیکر تواضع و خشوع علمی معاملات میں اپنے چھوٹے سے بھی اپنے کو چھوٹا سمجھنے والے۔

والسلام عبدالماجد

علامہ شبلی نعمانی

مولانا اسد القادری صدر پاکستان اسٹوڈنٹس ایڈوکیٹ کراچی نے یوم شبلی منانے کا عزم کیا تھا۔ ان کی درخواست پر مولانا دریابادی نے یہ خط روانہ فرمایا۔ یہ یوم منایا نہیں جا سکا۔

۲۳ر جون ۱۹۵۶ء

بندہ نواز وعلیکم السلام

یوم "شبلی" کی تحریک مولانا "اسد" کی طرف سے! بہت ہی خوب

مرے شیر شاہ رحمت خدا کی

پروردگار کی دعائیں بکھری ہوئی مگر بڑی نکھری ہوئی نظر آئیں! دلکش حسن موہبتی، وجدآفریں اہلِ حال سے بڑھ کر اہلِ حال کے قابل یہ نیاز نامہ ہی کی خاطر ہے۔

والسلام

دعاگو و دعاخواہ، عبدالماجد دریاباد

قاضی عبدالغفار

قاضی صاحب مرحوم کی یادگاری تقریب کے موقع پر نیر حجوردی کے نام مرزا دیاباری کا پیام

دریاباد

۱۰ر جنوری ۱۹۴۱ء

پیام

قاضی عبدالغفار مرحوم ظریف تھے۔

اور شریف تھے۔

ظرافت اور شرافت کا اجتماع لازمی نہیں قاضی صاحب دونوں کے جامع تھے۔ مسکراتے ہوئے مزاح میں جسے خوش طبعی کہہ لیجیے یا شوخ نگاری اردو میں ان کی نکتہ کا شاید کوئی مل سکے۔

وہ ابتذال اور رکاکت سے ناآشنا تھے اور پھکڑ کی تو شاید انھیں ہوا بھی نہ لگی تھی۔ وہ مہر و وفا کے پتلے تھے، بغض، دشمنی و دل آزاری سے کوسوں دور تھے۔ زندہ دلی کے ایک مجسم پیکر تھے۔ مدتوں مولانا محمد علی کے حاشیہ نشین رہنے صحافت کے ابتدائی سبق انھیں سے سیکھے علی گڑھ کے شیدائی تھے وہیں کی زمین اپنی ابدی خواب گاہ بناتی۔

اللہ جنّاتے خیر دے جناب خیر کو انھیں نے ان کی یاد ہم خانلوں کو دلادی۔

علی عباس حسینی

حسینی مرحوم کے یادگاری جلسے کے موقع پر انجمن اباب ادب مکھنؤ کے ایس اے احسن نقوی کے نام

دریاباد۔

۱۳ر دسمبر ۱۹۶۹ء

پیام

علی عباس حسینی کیا بہ حیثیت انسان اور کیا بہ حیثیت صاحب قلم دونوں حیثیتوں سے بڑا امتیاز درجہ رکھتے تھے کہنے کو وہ ترقی پسند تھے لیکن میں کہا کرتا تھا کہ اگر ایسے ہی ترقی پسند سب ہو جائیں تو میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں اتنا صاف ستھرا قلم، اتنا شستہ ذوق، اتنی صحیح اور سلیس زبان، گندگی و بدلواری سے اتنا گریزاں ان کے طبقہ

میں شاید ہی کسی کے نصیب میں آیا ہو۔ امریکہ کے گندے جنسی ناولوں کے مطالعہ میں غرق رہتے لیکن کیا مجال جو اپنے قلم پندار بھی ان کا عکس پڑنے دیں۔ زندگی کی عکاسی اور مصوری میں انھیں ملکہ حاصل تھا اور زبان و بیان پر پوری قدرت۔

بہ حیثیت صاحب قلم اگر شریف تھے تو بہ حیثیت انسان شاید شریف تر۔ جب انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے تو منطق (LOGIC) کے کچھ سبق مجھ سے پڑھ لیے تھے اس چند روزہ سرسری تعلق کا پاس آخر عمر تک کرتے رہے خود بڑے ہو چکے تھے مگر میرے سامنے اپنے کو طالب علم و شاگرد ہی سمجھتے رہے۔ یوں بھی منکسر، متواضع، صلح کل، مذہب گزار، مہمان نواز قسم کے آدمی تھے۔ آخر عمر میں عبادت و مذہبیت کا رنگ اور غالب آگیا گفتگو اکثر آیات قرآنی پر کرتے اور نماز کے لیے چوکی بستر علالت کے پاس لگی رہتی اتنی خوبیوں کے لوگ کتنے ہی نظر آتے ہیں۔

دعاگو عبدالماجد

اسداللہ خاں غالب

روم غالب کے موقع پر غالب اکیڈمی، بنارس کے نیر حجوردی کے نام

دریاباد

۱۳ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

پیام

غالب کی قدر کرنا خود اپنی سخن شناسی اور حسن ذوق کا ثبوت دینا ہے اہل بنارس قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اس "کارِ خیر" کو یاد رکھا۔

عبدالماجد

ملوک چند محروم

منشی ملوک چند محروم کی یادگاری تقریب کے موقع پر محروم کے نامور بیٹے جناب جگن ناتھ آزاد کے نام پیام

کلام محروم کے وسیع اور مکمل مطالعہ سے تو اب تک محروم ہی رہا ہوں۔ پھر بھی اس کا اچھا خاصا حصہ پڑھ لیا ہے۔ کبھی رسالوں میں کبھی خود ان کے مجموعہ کلام میں اور ان کے نام نامی سے تو اپنے بچپن ہی سے روشناس رہا ہوں۔ اتنی بات تو بانگ پکار کر کہہ سکتا ہوں کہ جن

لوگوں نے اُردو کو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص سمجھ رکھا ہے ان کے اس سو فیصد غلط دعوے کے جواب میں جن مسلّم و معروف اکابر اردو کو پیش کیا جا سکتا ہے ان میں سرشار، چکبست، نسیم، برق، ہجر، فراق، ساحر، شاد، اور کاوش و متور لکھنوی کے ساتھ ایک نام محروم کا بھی یقیناً ہوگا۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک پنجاب اور دوسرا بھی پنجاب کے دیہات میں پیدا ہونے والے نے دہلی اور لکھنؤ کی معیاری زبان پر عبور کیسے حاصل کر لیا! پھر یہ قدرت زبان کسی ایک صنف کے ساتھ مخصوص نہیں اُنہوں نے کیا غزل اور کیا قطعہ کیا مثنوی اور کیا رباعی ہر جگہ

ہے قلم ان کا ابر گوہر بار
ہے زبان ان کی تیغ جوہر دار

یہ تو ہوئی ان کے کلام کی اولی، لفظی لطافت و ملاحت، رہی معنویت تو اُن کے زمزمۂ توحید و نغمۂ معرفت کو سن کر دھرکا بار بار کلام اقبال کا ہوتا ہے اور گماں یہ گزرنے لگتا ہے کہ یہ کوئی نیا اور البیلا شارح و ترجمان سنتدی و رومی کا نکل آیا ہے اور شرافت تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کلام کی جان اور جوہر ہی ہے۔

اس مادیت، سفلیت، اخلاق بیزاری اور سفل پروری کے دور میں جس کسی نے محرم کی یاد گار منانا چاہی وہ خود لائق صد احترام اور مستحق صد ستایش ہے اس نے ثابت کر دیا کہ روحانیت کے، اخلاص کے، شرافت کے صحیح و لطیف ذوق شعر و ادب کے ماننے والوں سے قدر دانوں سے احترام کرنے والوں سے ملک اب بھی خالی نہیں ہے۔

محسن کاکوروی

۱۹۶۸ء میں یوم محسن کاکوروی کے اہتمام کے موقع پر طاہر محسن علوی کے نام

اُردو والے قابل مبارک باد ہیں کہ مدتوں کے تغافل کے بعد اب انھیں محسن کی یاد آئی اور اگر آداب محفل کے منافی نہ ہو تو اس محسن کے ساتھ اس محسن زادے کی یاد میں بھی ایک حرف کہتا چلوں جس کا لفظ "نور اللغات" اس وقت تک کے چھپے ہوئے اُردو لغات میں مکمل اور سب سے زیادہ جامع و مستند ہے۔ یہ روشنی پھیلائی ہوئی اُسی کے دم کی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بشیشور پرشاد متور لکھنوی دہلوی

یوم متور کے موقع پر مدارج نارائن، دہلی کے نام مولانا عدیل بدری کا پیام

دیا باد۔

۱۵ اپریل ۱۹۷۶ء

بسم اللہ

پیام

متور صاحب، ماشاء اللہ شاعر ابن شاعر ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ ان کا گھرانا ہی شعر و شاعری کا گھرانا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں،

ایں خانہ تمام آفتاب است

پہلے لکھنوی تھے اب تو دہلوی ہو گئے۔ آنکھیں کھولیں تو زبان و ادب کے ایک مرکز میں، اب پل پھر رہے ہیں اٹھ بیٹھ رہے ہیں انہیں بول رہے ہیں تو زبان و ادب کے دوسرے مرکز میں، آغاز بھی مبارک اور انجام بھی مبارک۔

کلام نام روشن کیے ہوئے آخر مسور ہی نہیں روشن بھی اور دوسروں کے لیے روشنی بخش بھی، ہونہار شروع ہی سے تھے جن کے ساتھ کلام میں بھی پختگی آتی گئی اور اب تو نام و شماما ستادوں میں ہے۔

جیتے رہیں کہ ان کے دم سے خدمت اردو کی ایک روایت کہن زندہ و تازہ ہے۔

عبدالماجد

میر تقی میر

دلی یونیورسٹی کے اردو میگزین کے میر نمبر کے لیے پیام پروفیسر شاہد حامد فاروقی کے نام

میگزین کا میر نمبر آنریبل کی رہبری میں نکلے گا انشاء اللہ سب میگزینوں کا میر ہی ہوگا۔ مضامین تحقیقی ہوں گے لیکن خشک نہیں، سنجیدہ ہوں گے لیکن دقیق نہیں لطیف و شگفتہ ہوں گے لیکن سپاٹ اور بے مغز نہیں۔ مدت دکھیں گے لیکن غرابت نہیں۔

یہ سب باتیں بطور ایمان بالغیب جیسے ہی سے فرض کیے ہوتے ہوں۔ اور خدانخواستہ یہ سب کچھ نہ بھی ہو جب بھی یہ جرأت کیا کچھ کم قابل داد اور مستحق آفریں ہے کہ میر تقی میر جیسے پرانے شاعر کی یاد آپ اس مادہ پرستی میں منانے نکلے ہیں۔

ایسے باکمال کی یاد منانا خود اپنے حسن ذوق کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

ریاباد
۲۴ر جنوری ۱۹۶۲ء

والسلام
عبدالماجد

نیاز فتح پوری

نگار پاکستان، کراچی کے نیاز نمبر کے لیے معتقدوں کی فرمائش پر ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نام

ریاباد
۹ر مارچ ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

ایک "نیاز مند" کی فرمائش مدیر صدق سے کہ وہ مناقب "نگار و نیاز" پر کچھ لکھے ستم ظریفی کا شاہکار!

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب!

"فرمان" کی تعمیل میں بس اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ نیاز صاحب سخن سنج اچھے ہیں، شعر کی پرکھ خوب رکھتے ہیں اور صاحب طرز ادیب ہیں۔

والسلام
عبدالماجد

وزیر لکھنوی

یوم وزیر لکھنوی کے موقع پر امین سلونوی سکریٹری انجمن فردوس، لکھنؤ کے نام

ریاباد
۲۵ر جولائی ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

آپ لوگ بھی خوب ہیں کہ اس زمانے میں جبکہ ہر ہوا جو چلتی ہے اردو کے خلاف ہی چلتی ہے اور نہ کوئی بادشاہ کو پوچھتا ہے نہ وزیر کو — اردو ہی کے ایک شاعر وزیر نامی کو یاد رسانے اور یادگار قائم کرنے کے لیے ڈھونڈھ نکالا ہے

ڈھونڈھ ہی لیتا ہے انسان خدا ایک نہ ایک

مبارک باد قبول کیجیے اور دعائیں لیجیے اس سے زیادہ یہ دعاگو اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

والسلام
عبدالماجد

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ اقبال کی شاعری اور سیاسی افکار پر انکے اولین نقاد مولانا محمد علی کی ایک نایاب تحریر

علامہ اقبال اور مولانا محمد علی

مؤلفہ

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

حضرت علامہ کی شاعری انکے ملی پیغام انکے سیاسی فکر اور سیرت کا
دلاویز مرقع

۱۹۳۷ء کے ہمدرد دہلی سے ماخوذ ایک طویل مقالہ

نیز

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے قلم سے

ہر دو اکابر کے تعلقات کے نشیب و فراز کی داستان اور افکار و سیرت کا تقابلی مطالعہ

مولانا محمد علی کی شخصیت مزاج اور انکے فکر و انشا کا تنقیدی تجزیہ

شخصیت کی عظمت سیرت کے محاسن اور خوبیوں کی جلاء کے حسن اعتراف کا ایک اچھوتا انداز

کاغذ سفید، کتابت و طباعت اچھی، قیمت ۲۰ روپے (پیپر بیک)

۲۵ روپے مجلد

ملنے کا پتہ

ادارۂ تصنیف و تحقیق پاکستان
علی گڑھ کالونی کراچی ۲۱

تاریخ ملت اسلامیہ ہند و پاکستان کے ایک اہم دور کی سب سے مستند کتاب حوالہ

مولانا محمد علی
اور
اُن کی صحافت

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کے قلم سے

مولانا محمد علی شاعر، ادیب خطیب، سیاستدان سب کچھ ہی تھے

لیکن

اُن کی ہمہ دانی و فکری کمالات کا اظہار سب سے زیادہ صحافت کے میدان میں ہوا ہے

کامریڈ اور ہمدرد کے اجراء کی تاریخی سرگذشت

کامریڈ اور ہمدرد میں کام کرنے والے اہل قلم اور کارکنوں کے حالات کا مرقع

اور

کامریڈ اور ہمدرد کے مقالات افتتاحیہ اور ہمدرد کے تمام اہم مشمولات کے اشاریے

اس آئینے میں آپ وقت کے اہم مسائل، ہندو مسلم سیاسی اتحاد کے افکار اور سیرت کے تحقیقی نکات کا عکس دیکھ سکیں گے

شعر و ادب، کالم و سوانح، صحافت و سیاست اور تاریخ ملک و قوم کے ہر طالب علم کے لئے سوالوں کی ایک نادر کتاب

(ناشر)

ادارۂ تصنیف و تحقیق پاکستان پبلکیشنز ۱۸۰۸۶ الحیدری کراچی ۲۲

قیمت ۶۰ روپے — مجلد — سفید کاغذ

سرسید کی کہانی

ان کی اپنی زبانی!

مسلمانانِ ہند کی تاریخ میں مذہب، سیاست، تعلیم اور زبان کے سب سے بڑے محسن کی

خود کشیدہ تصویر

الطاف حسین حالی کی روایت کے مطابق

سرسید کے اعترافات

ضیاء الدین لاہوری کی محققانہ تالیف جسے ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کے طویل مقدمہ نے

سہ آتشہ بنا دیا ہے:

آپ اس تلخابہ شیریں کی لذت کو مدت دراز تک

فراموش نہ کر سکیں گے!

طباعت آفسٹ — جلد خوبصورت — صفحات ۱۱۲ — قیمت ۱۵ روپے

ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان ۱۸۰۸۶ کراچی ۲۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

پروفیسر سید شفقت رضوی کے قلم اور ذوقِ تالیف و تحقیق کے دو شاہکار

سراج اورنگ آبادی

(شخصیت اور فکر و فن)

دکن کے نامور اُردو شاعر پر پہلی مفصل تصنیف

سراج کی زندگی اور فکر و فن کے جملہ اور خفی گوشوں پر قیمتی مواد، ناقدانہ نظر، شگفتہ زبان اور دلکش اسلوبِ بیان

صفحات ۲۴۰، سفید کاغذ عمدہ چھپائی، قیمت مجلد ۴ روپے، غیر مجلد ۳ روپے

اُردو کے یورپین شعراء

اُردو شاعری میں اہلِ یورپ کی فکر و کاوش، ادبی خدمات، سوانح اور منتخب کلام کا

ایک حسین اور دلآویز گلدستہ

اردو کی ادبی تاریخ کا یہ گمشدہ باب پروفیسر سید شفقت رضوی کے ذوقِ تحقیق و تالیف کا نتیجہ اور دلکش اسلوبِ تحریر کا عمدہ نمونہ ہے

صفحات ۱۶۹، سفید کاغذ عمدہ چھپائی۔ قیمت ۳۰ روپے، مجلد ۲۵ روپے

مکتوباتِ رئیس الاحرار (سیاسی)

مرتبہ

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

مولانا محمد علی ان کی سیاست ان کے عہد کے سیاسی حالات کو سمجھنے کیلئے ایک نادر تاریخی دستاویز خطوط کے پس منظر اور وضاحت طلب مقامات پر فاضل مرتب نے محققانہ حواشی تحریر کیے ہیں

اور

خطوط کی سیاسی اہمیت مولانا محمد علی کی سیرت اور انکے افکار و ان کے اسلوبِ تحریر پر مفصل اور فکر انگیز مقدمہ

آفسٹ پیپر عمدہ چھپائی ——— قیمت ۱۰ روپے مجلد

پروگرام

مطبوعاتِ آزاد صدی

آزاد نیشنل کمیٹی پاکستان نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے صد سالہ یوم پیدائش یعنی آزاد صدی کی تقریب سے جو یادگار پروگرام بنایا ہے اس کا خاص حصہ کتابوں کی اشاعت سے متعلق ہے یہاں چند کتابوں کا مختصر تعارف کرایا جا رہا ہے جو شائع ہونگی۔ واضح ہے کہ یہ تمام کتابیں مختلف اہل علم کی تصنیف و تالیف اور مختلف اداروں کی مطبوعات میں شمار ہونگی ان میں سے بعض کی اشاعت یا تالیف و تدریس میں کمیٹی کو صرف ہمیا۔ یا اخلاقی یا علمی تعاون شامل ہوگا۔

★

اُردو کا عظم ادیب

مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق مولانا عبدالماجد دریابادی کے مضمون تقریریں، شذرات اور دیگر تحریرات

مولانا ابوالکلام آزاد (شخصی مطالعہ)

اور

ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی

مولانا آزاد کی شخصیت، سیرت اور افکار کا مطالعہ

امام الہند مولانا آزاد

اور

مولانا امداد صابری

مولانا ابوالکلام آزاد کے سوانح و افکار، شخصیت و سیرت اور خدمات کا تذکرہ!

مولانا آزاد اور ان کے معاصر

(افکار و تعلقات)

سرسید احمد خان، مولانا شبلی، نواب صدیار جنگ، عبدالرحمن خان شروانی، علامہ اقبال، سر عبدالقادر، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا سید سلیمان ندوی اور کئی دیگر اکابر و مشاہیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com